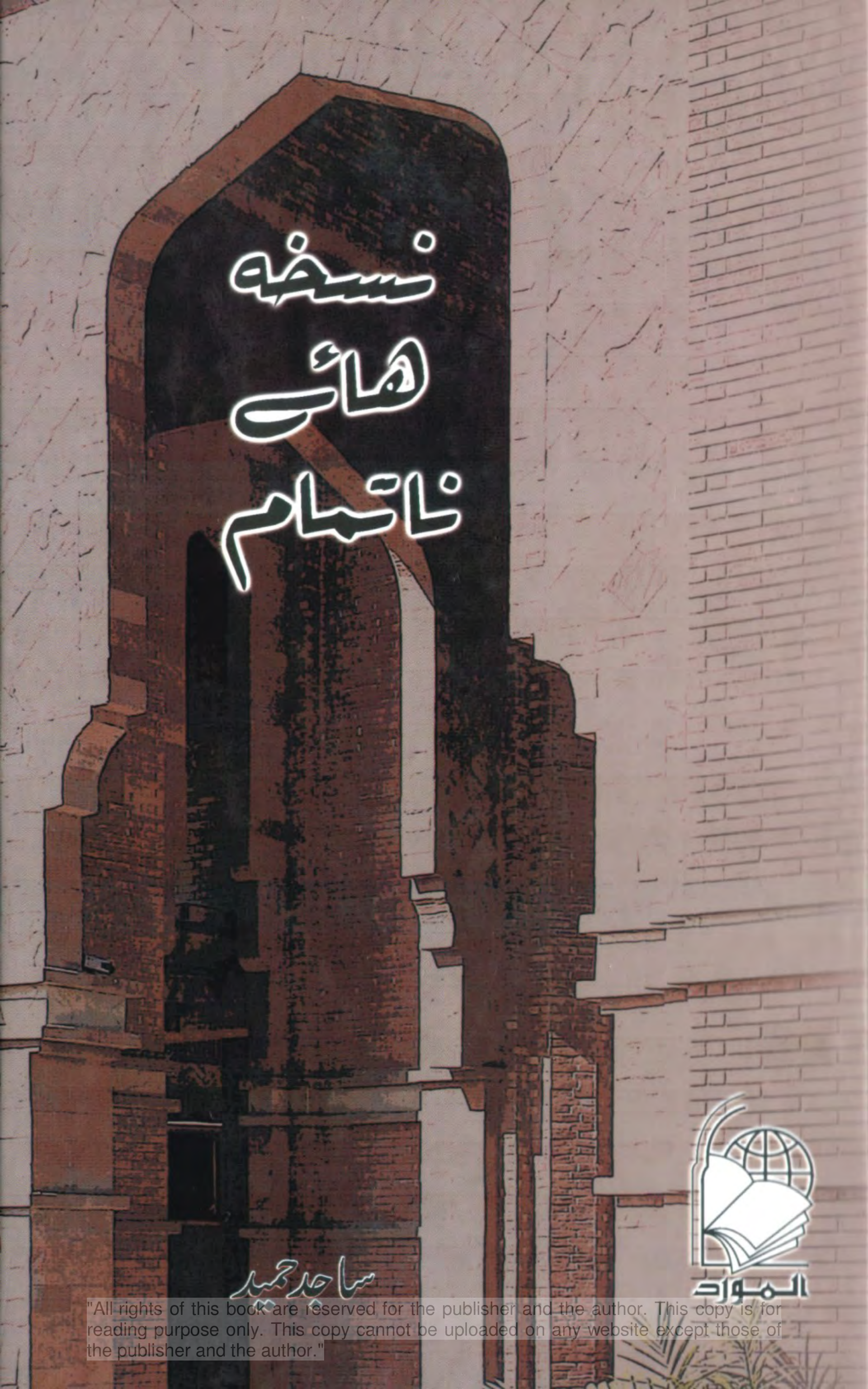

نسخہ ہائے ناتمام

ساجد حمید

المورد

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

نسخہ ہاے نا تمام

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

نسخہ ہاے ناتمام

مصنف

ساجد حمید

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

المورد

ادارۂ علم و تحقیق

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

ترتیب

اخلاقیات

اخوت ومحبت کی اساس ۱۵

مال اور ہمارا رویہ ۲۳

خرید وفروخت میں دھوکا ۳۳

تین کبیرہ گناہ ۳۷

تین برے لوگ ۴۳

دین و ملت

فرقہ دارانہ تشدد اور اسلام ۵۱

خلافت راشدہ کا دوبارہ قیام ۵۵

تہتر فرقے ۶۲

مسئلۂ التزام جماعت ۷۸

التزام جماعت کا صحیح مفہوم ۱۱۵

حکمران کی اطاعت اور کفر صریح ۱۲۴

التزام جماعت کی حکمت ۱۲۸

سواد اعظم کی اتباع ۱۳۵

کیا پاکستان 'الجماعۃ' ہے؟ ۱۴۵

'الجماعۃ' کے معنی ۱۵۶

بائیبل کا خدا کون ۱۶۴

حدیث و سنت

دین آسان ہے ۱۷۳

ایمان کے تین پہلو ۱۸۲

بلا عذر گناہ ۱۸۹

میت پر ماتم ۱۹۲

باغی کی سزا ۱۹۶

یاد رفتگاں

آج تو بزم سخن خاموش ہی اٹھ جائے گی ۲۰۱

فراہی سیمینار ۲۰۶

ایک چراغ تھا، نہ رہا ۲۱۰

فکر و نظر

یوم الفرقان اور قرآن ۲۱۵

مخاطب سے مایوسی ۲۲۴

اصلاح بزور بازو نیست ۲۲۶

ایاک نستعین: ایک اہم پیغام ۲۲۸

اولئک علیٰ ھدی من ربھم ۲۳۰

خدا کو دھوکا دینا ـــــ ایک مہلک مرض ۲۳۲

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

مناجات

مناجات ۲۳۷

صبح وشام کے اذکار ۲۳۹

سوتے وقت کے اذکار ۲۴۴

بیداری کے اذکار ۲۶۲

رات کو آنکھ کھلنے پر ذکر ۲۶۸

بے خوابی کی دعا ۲۷۱

افطار کی دعائیں ۲۷۴

سحری کے وقت کی دعا ۲۷۸

نیا چاند دیکھنے کی دعا ۲۸۰

تہجد کے وقت اٹھنے کی دعا ۲۸۲

خواب میں ڈر جانے کی دعا ۲۸۹

لیلۃ القدر پانے پر دعا ۲۹۲

فتنوں سے بچنے کی دعا ۲۹۴

ناکامی اور آزمایش کے وقت کی دعا ۲۹۷

گھر سے نکلنے کے اذکار ۳۰۲

گھر میں داخل ہوتے وقت کی دعا ۳۰۷

بازار میں داخل ہوتے وقت کی دعا ۳۰۹

آغاز سفر پر اذکار ۳۱۱

برا خواب دیکھنے کے بعد کی دعا ۳۱۷

قضاے حاجت کے وقت کی دعا ۳۱۹

کرب وتکلیف کے موقع کی دعا ۳۲۱

غصے کے موقع پر دعا ۳۲۵

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

پیش لفظ

''نسخہ ہاے نا تمام'' جناب ساجد حمید صاحب کے متفرق مضامین کا مجموعہ ہے۔ یہ مضامین دین اور اس کی دعوت کے بعض پہلوؤں کی شرح و وضاحت میں وقتاً فوقتاً لکھے گئے ہیں۔ مصنف نے انھیں ترتیب دیتے ہوئے زمانۂ تحریر کے بجائے موضوع تحریر کا لحاظ کیا ہے۔ اس وجہ سے ان میں بہت حد تک ربط و نظم پیدا ہو گیا ہے اور یہ ایک سلسلۂ کلام کے مختلف اجزا محسوس ہوتے ہیں۔ تاہم زمانۂ تصنیف مختلف ہونے کی وجہ سے ان کے اسلوب اور فکر و استدلال میں ارتقا قدرتی امر ہے۔ قارئین کے لیے مفید ہو گا کہ وہ اسے ملحوظ رکھتے ہوئے مطالعہ کریں۔ ان کی سہولت کے لیے ہر مضمون کا سن تحریر اس کے آخر میں درج کر دیا گیا ہے۔

ان مضامین کے مصنف ''المورد'' کے فاضل رکن ہیں اور گزشتہ پندرہ بیس سال سے تصنیف و تالیف اور تعلیم و تدریس کی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ انھوں نے یہ مضامین دینی اخلاص اور علمی ذمہ داری کو مد نظر رکھتے ہوئے تحریر کیے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی مساعی قبول فرمائے۔ آمین۔

یہ مجموعۂ مضامین علمی و فکری لحاظ سے بلا شبہ وقیع اور قابل قدر ہے، مگر بہر حال مصنف کے اپنے نتائج فکر پر مبنی اور ان کے اپنے موقف کا ترجمان ہے، لہٰذا اس کے مندرجات سے ادارۂ المورد کے مختلف ارکان یا ادارے کا بحیثیت ادارہ متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔ اسے علم دین کی خدمت

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

کے جذبے سے افادۂ عام کے لیے شائع کیا جا رہا ہے۔

''المورد'' کا بنیادی مقصد اسلامی علوم سے متعلق علمی اور تحقیقی کام، تمام ممکن ذرائع سے وسیع پیمانے پر اس کی نشرو اشاعت اور اس کے مطابق لوگوں کی تعلیم و تربیت کا اہتمام ہے۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے ادارے کے زیر انتظام علم و تحقیق، تصنیف و تالیف، تعلیم و تربیت اور نشرو اشاعت کے مختلف منصوبے روبہ عمل ہیں۔ یہ منصوبے تکمیل کے لیے افرادی و مالی وسائل کے متقاضی ہیں۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں ان منصوبوں کو جاری رکھنے کی ہمت اور توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

سید منظور الحسن

ناظم شعبۂ تصنیف و تالیف، المورد

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

دیباچہ

آپ جس کتاب کو پڑھنے جا رہے ہیں، وہ میرے ان مضامین کا انتخاب ہے، جو ماہنامہ ''اشراق'' میں چھپتے رہے ہیں۔ میں نے اس مجموعہ کا نام 'نسخہ ہاے ناتمام' رکھا ہے۔ ان میں سے بہت سے مضامین اس دور سے تعلق رکھتے ہیں، جب میں نے دینی علوم کی دنیا میں آنکھ ہی کھولی تھی۔

تصنیف نسخہ ہائے وفا کر رہا تھا میں
مجموعۂ خیال ابھی فرد فرد تھا

اور کچھ دوسرے ماضی قریب کی تصنیف ہیں۔ اس سارے عرصہ میں علم کے کیا کیا پہلو میرے سامنے آئے اور کیا کچھ سیکھا اور کیا کچھ میری فکر کا جزو بنا، اور جو کچھ میں لکھنا چاہتا ہوں، وہ سب اس کتاب کا حصہ نہیں ہے، یہی تہی دامنی اس مجموعہ کی وجہ تسمیہ ہے۔

ہمارے شعبۂ نشرواشاعت کا خیال تھا کہ جہاں جہاں فکری ارتقا ہوا ہے، وہاں وہاں حواشی لکھ دیے جائیں۔ میں نے قصداً اس سے گریز کیا ہے۔ اس لیے کہ فکری ارتقا آج رک نہیں گیا ہے۔ اگر ارتقا گئے برسوں میں ہوا ہے تو آیندہ بھی ہوگا، نہ کل کی میری تحریر حرف آخر تھی، نہ آج کی ہوئی ہے۔ آج مضامین پر کچھ حواشی مطلوب ہیں تو کل حواشی پر حواشی کا تقاضا پیدا ہو جائے گا، اس لیے اتنے ہی پر اکتفا کی ہے کہ یہ تحریریں اصل صورت میں دستیاب رہیں:

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

وجلا السيولُ عن الطلول كأنها
زبرٌ تُجد متونَها أقلامُها[1]

میری یہ تحریریں استادِ گرامی جناب جاوید احمد صاحب غامدی کی تعلیم و تربیت کی ممنون احسان ہیں۔ خدائے جلیل کے احسانات کے بعد یہ انھی کا فیضانِ تربیت ہے کہ میں قلم اٹھانے کے قابل ہوا۔ ان میں سے بعض مسودات کی اصلاح میں میرے دوستوں: طالب محسن، محمد رفیع، معز امجد، اور دیگر ساتھیوں کا بھی حصہ ہے۔ اس لیے کہ ۱۹۹۲ء سے ۱۹۹۵ء تک ''المورد'' کا نظام یہ تھا کہ جب کوئی ساتھی مضمون لکھ لیتا تو اس کی نقول سب کو فراہم کر دی جاتی تھیں، سب کے مطالعہ کے بعد ایک مجلس میں اس مضمون کا تنقیدی جائزہ لیا جاتا تھا۔ ''المورد'' کے شعبۂ نشر و اشاعت کا بھی شکر گزار ہوں کہ انھوں نے ان مسودات کی تسوید و تبیض بڑی محنت سے کی ہے۔ ڈاکٹر منیر احمد صاحب اور منظور الحسن صاحب کا بھی، جن کے زمانہ میں ادارہ نے ان کی طباعت کا فیصلہ کیا۔

اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ اس کتاب کے ہر خیر کو آخرت میں میرے لیے ذریعۂ عزت بنائے، میری ہر تقصیر کو معاف کرے اور اس کے شر سے مجھے اور اس کے قارئین کو محفوظ رکھے۔ آمین

المورد، لاہور

ربیع الثانی ۱۴۲۸ھ/اپریل ۲۰۰۷ء

ـــــــ ساجد حمید

---

[1] ان ٹیلوں پر سے بہتے پانیوں نے (ریت کو صاف کر کے دیار کے آثار کو یوں) نمایاں کر رکھا ہے، جیسے مٹی ہوئی تحریر کے متن کو باقی رکھنے کے لیے دوبارہ قلم پھیر کر تازہ کر دیا جائے۔ (معلقہ لبید بن ربیعہ رضی اللہ عنہ)

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

اخلاقیات

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

اخوت ومحبت کی اساس

عن ابی ھریرۃ ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ و سلم قال: ایاکم والظن، فان الظن اکذب الحدیث. ولا تجسسوا ولا تحسسوا ولا تنافسوا ولا تحاسدوا ولا تباغضوا ولا تدابروا وکونوا عباد اللّٰہ اخوانا. (موطاامام مالک)

ابو ہریرہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بدگمانی سے بچو، کیونکہ بدگمانی سے زیادہ بے بنیاد چیز کوئی نہیں۔ ٹوہ میں رہنے اور کان لگانے سے احتراز کرو۔ دنیا کی دوڑ میں ایک دوسرے سے آگے بڑھ جانے کی کوشش نہ کرو۔ دوسروں سے حسد نہ کرو۔ آپس میں بغض و کینہ نہ رکھو۔ ایک دوسرے کے دشمن نہ بنو، ان برائیوں سے بچ کر اللہ کے بندے بن جاؤ اور آپس میں بھائیوں کی طرح رہو۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org
"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

شرح حدیث

ایاکم والظن فان الظن اکذب الحدیث: اس جملے میں 'اکذب الحدیث' سے مراد یہ ہے کہ گمان سب سے زیادہ بے بنیاد چیز ہے، یعنی گمان سے بڑی بے بنیاد چیز کوئی نہیں۔ اس کی بنیاد کسی حقیقت پر نہیں ہوتی، بلکہ محض ذہن کے کسی خیال پر ہوتی ہے۔

ولا تجسسوا ولا تحسسوا: اردو میں ان کا مفہوم: 'ٹوہ میں رہنے' اور 'کان لگانے' کے محاوروں سے بیان کیا جا سکتا ہے۔

تنافس: اس لفظ میں مقابلے کا مفہوم ہوتا ہے، یعنی ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کو 'تنافس' کہتے ہیں۔ یہاں اس سے مراد دنیا کی دوڑ میں ایک دوسرے سے بازی لے جانا ہے۔

تباغض، تدابر: یہ الفاظ بغض اور دشمنی کے معنی میں آتے ہیں۔

۱۔ ایاکم والظن فان الظن اکذب الحدیث: گمان کرنے سے بچو، کیونکہ اس سے بڑی بے بنیاد چیز کوئی نہیں ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

یَـاَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اجۡتَنِبُوۡا کَثِیۡرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعۡضَ الظَّنِّ اِثۡمٌ وَّلَا تَـجَسَّسُوۡا وَلَا یَـغۡتَبۡ بَّعۡضُکُمۡ بَعۡضًا. (الحجرات ۴۹: ۱۲)

''اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو، گمانوں سے بہت اجتناب کیا کرو، کیونکہ بعض گمان صریح گناہ ہوتے ہیں، اور ٹوہ میں نہ لگو، اور نہ تم میں سے کوئی ایک دوسرے کی غیبت کرے۔''

قرآن کی اس آیت میں فرمایا گیا ہے کہ ہمیں گمانوں سے بچنا چاہیے، کیونکہ بعض گمان صریح گناہ ہوتے ہیں، لیکن اس سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ گناہ والے گمان کون سے ہوتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زیر بحث حدیث میں انھی گناہ والے گمانوں کی صفت بیان کر دی ہے کہ یہ سب بے بنیاد ہوتے ہیں، چنانچہ قرآن اور حدیث سے جو بات ہمیں سمجھ میں آتی ہے، وہ یہ ہے کہ

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

'ہمیں گناہ والے گمانوں سے بچنا چاہیے اور گناہ والے گمان بے بنیاد خیالوں پر مبنی ہوتے ہیں۔'

گمان جو بے بنیاد ہوتا ہے، وہ یہ ہے کہ آدمی کسی شخص سے بلاسبب بدگمانی کرلے، یعنی صرف جذبات کے تحت کسی واقعے کے بعد غصے یا نفرت کی وجہ سے، اس کے بارے میں بری رائے قائم کرلے کہ اس نے برے مقاصد کے لیے یہ کیا تھا یا دوسروں کے متعلق رائے قائم کرنے میں ہمیشہ بدگمانی ہی سے ابتدا کیا کرے یا پھر ایسے لوگوں کے بارے میں بدظنی سے کام لے جن کا ظاہر حال یہ بتا رہا ہو کہ یہ بدنیت نہیں ہیں۔ اسی طرح یہ بات بھی گناہ ہے کہ اگر کسی شخص کے قول یا فعل میں بھلائی یا برائی کا یکساں احتمال ہو اور اسے ہم محض سوے ظن سے کام لے کر برائی ہی پر محمول کرلیں۔ مثلاً کوئی بھلا آدمی کسی محفل سے جاتے ہوئے اپنے جوتے کے بجائے کسی دوسرے کا جوتا پہن لے اور ہم یہ رائے قائم کرلیں کہ ضرور اس نے جوتا چرانے کے لیے اٹھایا تھا، حالانکہ یہ فعل غلطی سے بھی ہوسکتا ہے۔ بلاوجہ اچھے امکان کو چھوڑ کر برے احتمال کو اختیار کرنا بدگمانی کے سوا اور کیا ہوسکتا ہے۔ چنانچہ یہ بدگمانی صریح گناہ ہے۔

قرآن مجید نے ہمیں صرف بدگمانی سے ہی نہیں روکا، بلکہ گمانوں کی کثرت سے روکا ہے۔ اس کا منشا صرف یہی نہیں ہے کہ آدمی بدگمانی سے بچے، بلکہ یہ بھی ہے کہ آدمی یقین کو چھوڑ کر گمانوں کا اسیر نہ ہو جائے۔ اگر آدمی اچھے گمانوں کو دل میں جگہ دینے لگے اور ان کو ختم کرنے کی کوشش نہ کرے تو اس کو اس عادت کا نقصان یہ ہوگا کہ وہ برے گمانوں کو بھی دل میں جگہ دینے لگے گا جو صریح گناہ ہوتے ہیں۔ مولانا امین احسن اصلاحی اس آیت کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''اگر کوئی شخص اس کے برعکس یہ اصول ٹھیرا لے کہ جو رطب و یابس گمان اس کے دل میں پیدا ہوتے جائیں، ان سب کو سینت کر رکھتا جائے، تو گمانوں کے ایسے شوقین کی مثال اس شکاری کی ہے جو مچھلیاں پکڑنے کے شوق میں ایسا اندھا ہو جائے کہ مچھلیاں پکڑتے پکڑتے سانپ بھی پکڑ لے۔ ظاہر ہے کہ مچھلیوں کے شوق میں جو شخص ایسا اندھا بن جائے گا، اندیشہ ہے کہ اس شوق میں وہ کسی دن اپنی زندگی ہی گنوا بیٹھے گا۔ قرآن نے یہاں اس خطرے سے مسلمانوں کو روکا ہے کہ گمانوں کے زیادہ درپے نہ ہو، کیونکہ بعض گمان صریح گناہ ہوتے ہیں جو انسان کو ہلاکت میں ڈال

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

دیتے ہیں۔اس سے یہ تعلیم نکلی کہ ایک مومن کو بدگمانیوں کا مریض نہیں بن جانا چاہیے، بلکہ اپنے دوسرے بھائیوں سے حسن ظن رکھنا چاہیے۔اگر کسی سے کوئی ایسی بات صادر ہو جائے جو بدگمانی پیدا کرنے والی ہو تو حتی الامکان اس کی اچھی توجیہ کرے۔'' (تدبر قرآن ۷/۵۰۸)

بدگمانی تو ہے ہی، جس کی سزا قیامت کے دن مل جائے گی، لیکن اس دنیا میں بھی اس کے بہت سے نقصانات ہیں۔ایک تو یہ کہ آدمی جس معاشرے میں رہتا ہے، اس معاشرے کے افراد کے بارے میں اس کی اچھی یا بری رائے ہی اسے دوسروں سے جوڑنے یا توڑنے کا باعث بنتی ہے۔ اگر آدمی دوسروں کے بارے میں سوے ظن رکھے تو ظاہر ہے کہ وہ ان سے زیادہ دیر تک محبت اور ہمدردی کے تعلقات نہ رکھ سکے گا۔جبکہ ایک صالح معاشرے کے لیے افراد میں باہمی ہمدردی اور محبت کا ہونا ناگزیر ہے۔اس محبت و ہمدردی کے لیے ضروری ہے کہ افراد ایک دوسرے کے بارے میں اچھی رائے رکھتے ہوں اور ان کے دل ایک دوسرے کے بارے میں صاف ہوں۔ چنانچہ یہ ضروری ہے کہ ہم ایک دوسرے کے بارے میں اچھی رائے بنائیں۔اگر کسی سے کوئی غلطی بھی ہو جائے تو ہمیں چاہیے کہ اس کی اچھی سے اچھی توجیہ کریں تا کہ ہمارا دل اس کے بارے میں میلا نہ رہے، لیکن یہاں ایک بات یاد رکھنے کی ہے کہ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آدمی ان لوگوں کے بارے میں بھی اچھی رائے رکھ کر فریب کھاتا رہے جن کے برے مقاصد کھل کر سامنے آ گئے ہوں۔

دوسرے یہ کہ بدگمانی کرنے والا شخص جلد ہی اپنے اردگرد کے لوگوں سے کٹ جاتا ہے۔وہ دوسروں پر اپنی انھی رایوں کے تحت اعتماد بھی نہیں کر سکتا۔کسی پر بھروسا کرتے وقت یہی سوے ظن اسے روک لیتا ہے۔ چنانچہ ایک وقت وہ بھی آ جاتا ہے کہ جب وہ اپنے سوا ہر کسی کو برا خیال کرتا ہے۔ یہ چیز اس کی گفتگوؤں، رویوں اور معاملات میں صاف نظر آنے لگتی ہے۔ پھر لوگ اس کے اس رویے سے تنگ آ کر اس سے دور دور رہنے لگتے ہیں۔لوگ اسے سلام بھی کہہ لیتے ہیں۔اس کے سلام کا جواب بھی دے دیتے ہیں، لیکن کوئی اس کا دم ساز اور رفیق نہیں ہوتا۔اس سے بڑا مفلس کون ہوگا کہ جس کا کوئی رفیق اور دوست نہ ہو۔

۲۔ولا تجسسوا و لا تحسسوا: نہ کان لگاؤ اور نہ کسی کی ٹوہ میں رہو۔ان دونوں

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

لفظوں میں بہت لطیف سا فرق ہے۔ تجسس کسی مقصد کے لیے خبروں کے حصول میں لگنے کے معنی میں آتا ہے۔ اردو میں 'ٹوہ میں رہنا' تجسس کے قریب قریب صحیح معنی ادا کر دیتا ہے، جبکہ 'تحسس' کے معنی دھیمی آوازوں کو سننے کے ہیں یعنی کان لگانا۔

جس طرح اوپر والے ٹکڑے میں بدگمانی سے روکا گیا ہے، ویسے ہی یہاں بری نیت سے تجسس اور تحسس سے روکا گیا ہے، یعنی لوگوں کے راز نہ ٹٹولو۔ ایک دوسرے کے عیب نہ تلاش کرو۔ دوسروں کے حالات اور معاملات کی ٹوہ میں نہ لگو۔ یہ چیز خواہ بدگمانی کی بنا پر ہو یا کسی کو نقصان پہنچانے کی غرض سے کی جائے یا محض اپنا استعجاب دور کرنے کے لیے کی جائے، ہر حال میں شرعاً ممنوع ہے۔ ایک مومن کا کام یہ نہیں ہے کہ دوسروں کے جن حالات پر پردہ پڑا ہوا ہے، ان کی کھوج کرید کرے اور پردے کے پیچھے سے یہ معلوم کرنے کی کوشش کرے کہ کس میں کیا عیب ہے اور کس کی کیا کمزوریاں چھپی ہوئی ہیں۔

لوگوں کے نجی خطوط پڑھنا، دو آدمیوں کی بات کان لگا کر سننا، ہم سایوں کے گھر میں جھانکنا اور مختلف طریقوں سے دوسروں کی خانگی زندگی یا ان کے ذاتی معاملات کی ٹٹول کرنا، ایک بڑی بداخلاقی ہے جس سے طرح طرح کے فساد رونما ہوتے ہیں۔ ابوداؤد کی ایک روایت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

یا معشر، من اٰمن بلسانه ولم يدخل الايمان قلبه لا تتبعوا عورات المسلمين. فإنه من اتبع عوراتهم يتبع الله عورته و من يتبع الله عورته يفضحه في بيته. (ابوداؤد، رقم ۴۸۸۰)

''اے وہ لوگو، جو زبان سے ایمان لے آئے ہو، مگر جن کے دلوں میں ایمان داخل نہیں ہوا، مسلمانوں کے پوشیدہ حالات کی کھوج نہ لگایا کرو، کیونکہ جو شخص مسلمانوں کے رازوں کے درپے ہوگا اللہ اس کے درپے ہو جائے گا۔ اور اللہ جس کے درپے ہو جائے اس کو اس کے گھر میں رسوا کر کے چھوڑتا ہے۔''

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

یہ تجسس بھی ظن وگمان کی طرح آدمی کے دل میں دوسروں کے بارے میں بری آرا قائم کرنے کا سبب بنتا ہے، جس سے آدمی دوسروں کے بارے میں غلط رویے اختیار کر لیتا ہے۔ اس کا نقصان اسی نفرت وکینہ کی صورت میں نکلتا ہے جس کا باعث بدگمانی بنتی ہے۔

لا تنافسوا و لا تحاسدوا : دنیا کی دوڑ میں ایک دوسرے سے بڑھنے کی کوشش نہ کرو، اور اگر کوئی نعمتوں میں تم سے بڑھ کر ہے تو اس سے حسد نہ کرو۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ. (الذّٰریٰت ۵۱:۵۶)

''میں نے جن وانس کو صرف اس لیے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں۔''

اس آیت میں انسان کا مقصد حیات بیان فرمایا گیا ہے کہ وہ اللہ کی بندگی کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔ اللہ کا بندہ بن کر رہنے کے لیے ضروری ہے کہ وہ کام کیے جائیں جو ہمیں اللہ کے قریب لے جانے والے ہوں، ورنہ ہم خدا کی بندگی سے غافل ہو جائیں گے۔ ان کاموں سے دور رہنا چاہیے جو ہمیں اللہ سے دور کر دیں۔ 'تنافس فی الدنیا' بھی ایسی ہی چیز ہے جو ہمارے دل کو خدا سے غافل کر کے دنیا سے جوڑ دیتی ہے۔

جب ایک آدمی ایمان وعمل سے آگے بڑھنے کے بجائے ثروت ودولت کے پیچھے پڑ جائے تو وہ آہستہ آہستہ خدا سے دور ہونے لگتا ہے، اور دنیا سے اس کا رشتہ مضبوط ہوتا چلا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ پھر وہ دین کے کام بھی دنیا میں نام ونمود ہی کے لیے کرنے لگتا ہے، اور اپنی نیکیوں کے اشتہار دے کر دنیا میں بلند سے بلند تر مقام حاصل کرنا اس کی زندگی کا مقصد بن جاتا ہے۔

اس دوڑ میں فطری طور پر کچھ لوگ پیچھے رہ جاتے ہیں۔ یہ پیچھے رہ جانے والے آگے بڑھ جانے والوں سے حسد کرنے لگتے ہیں۔ جو آگے بڑھ جاتے ہیں وہ کم تر درجے کے لوگوں کو اپنے پاس بٹھانا بھی گوارا نہیں کرتے۔ یہ چیز باہمی تعلقات اور معاشرتی بھلائیوں کے لیے زہر قاتل سے کم نہیں ہے۔

حسد کرنے والے اپنے آپ میں جلتے رہتے ہیں۔ ان کی خوشیاں اور مسرتیں انھی منفی سوچوں

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

میں گم ہو جاتی ہیں جو وہ دوسروں کے بارے میں پیدا کرتے رہتے ہیں۔ اللہ جب انھیں کوئی نعمت عطا کرتا ہے تو وہ شکر کے بجائے یہ کہتے ہیں کہ کاش، مجھے وہ چیز ملی ہوتی جو فلاں آدمی کے پاس ہے۔ یہ بھلا میرے کس کام کی۔

نعمت ملنے پر شکر کے بجائے ناشکری اللہ کی ناراضی کا سبب بنتی ہے۔ اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ حسد نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جیسے آگ لکڑیوں کو۔ شکر سپاس گزاری، حمد و ثنا اور احسان مندی کے اس گراں قدر جذبے کا نام ہے، جو آدمی کے دل میں کسی نعمت کے ملنے پر مسرت کے احساس کے ساتھ پیدا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو کوئی نعمت دے کر یہی دیکھنا چاہتے ہیں کہ آیا میرا یہ بندہ شکر گزار بنتا ہے یا ناشکرا۔ ناشکری اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں ہے۔ اگر بندہ اپنے مالک کا شکر ادا کرنے کے بجائے اس افسوس کا اظہار کرے کہ کاش، مجھے اس کے بجائے فلاں چیز مل جاتی تو یہ اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں ہے۔ ہم اپنی طرف ہی دیکھ لیں۔ کوئی بھکاری ہمارے دروازے پر آجائے اور ہم اسے مقدور بھر نقدی دے دیں اور وہ لینے کے بعد دعا و سلام کے بجائے اگر کسی اور چیز کا مطالبہ کر دے تو ہمارے دل میں بھی آئے گا کہ بہت ہی کمینہ خصلت انسان ہے یا بہت ہی بے صبرا ہے۔ ہمارا یہ ردعمل مالک و آقا ہونے کے ناتے سے نہیں، بلکہ ہم مرتبہ ہوتے ہوئے ہے۔ اور جب یہ معاملہ بندے اور مالک کے درمیان ہو اور مالک بھی ایسا کہ جو اپنی شانوں میں یکتا و بے مثل ہو تو بات بہت زیادہ سنگین ہو جاتی ہے۔

اب نہ جانے اس ناراضی کے دور کرنے میں کتنی نیکیاں کام آجائیں۔ ہمیں اللہ کی ناراضی سے بچنا چاہیے تاکہ ہماری پہلے سے موجود، اچھی بری جیسی بھی نیکیاں ہیں، کم از کم وہ تو ہمارے پاس محفوظ رہیں۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ ایک نعمت کے مل جانے پر اللہ سے دوسری نعمت نہ مانگی جائے، بلکہ اس سے ہماری مراد یہ ہے کہ جو کچھ مانگا جائے سلیقہ سے مانگا جائے۔ حضرت عائشہ کہا کرتی تھیں کہ تمھیں ایک تسمہ کی ضرورت ہو تو وہ بھی اللہ سے مانگو۔

حسد ویسے بھی کوئی صحت مند جذبہ نہیں ہے۔ یہ آدمی کے کردار، افکار، اعمال، حتیٰ کہ اس کی جسمانی صحت پر بھی اثر انداز ہوتا ہے۔ اس سے منفی افکار و اعمال جنم لیتے ہیں اور معاشرے میں کئی

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

فساد اس سے رونما ہوتے ہیں، چنانچہ ہمیں نہ صرف اپنی نیکیوں کو بچانے کے لیے حسد سے بچنا چاہیے، بلکہ زندگی کی خوشیوں سے پوری طرح لطف اندوز ہونے کے لیے بھی اس سے دور رہنا چاہیے۔

و لا تباغضوا و لا تدابروا و کونوا عباد اللہ اخوانا: بغض و کینہ اور آپس کے بیر سے بچو اور بھائی بھائی بن جاؤ کہ یہی اللہ کے بندوں کی خوبی ہے۔ اوپر جو چیزیں بیان ہوئی ہیں، ان میں دشمنی خفی رہتی ہے۔ یہاں اس ٹکڑے میں اس ظاہری دشمنی اور تعلقات کے ترک کرنے سے منع فرمایا ہے۔

سوے ظن، تجسس، تحسس اور حسد و تنافس سے جو دوسرں کے لیے دل میں کجی پیدا ہو جاتی ہے، وہ دشمنی اور ترک تعلقات کا سبب بن جاتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں یہی فرمایا ہے کہ ان تمام برائیوں کو چھوڑ کر مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ بھائی بھائی بن جائیں۔ اس طرح ان برائیوں سے بچ کر بھائی بھائی بن کے رہنا ہی اللہ کے بندوں کا شعار ہے۔

مسلمانوں کو ایک دوسرے کے بارے میں سوے ظن سے کام نہیں لینا چاہیے۔ اور نہ ان کے ثبوت کے لیے دوسروں کی ٹوہ میں رہنا چاہیے۔ اور نہ بری نیت سے دوسروں کے راز جاننے کی کوشش کرنی چاہیے۔ یہ چیز باہمی ہمدردی اور محبت کے لیے نقصان دہ ہوتی ہے۔ یہ بھائی چارے کو ختم کرتی ہے۔

دنیا کی نعمتیں اگرچہ بہت عزیز ہوتی ہیں، لیکن ان کی دوڑ میں نہیں لگنا چاہیے اور نہ کسی کی نعمتوں کی کثرت سے حسد کرنا چاہیے، کیونکہ یہ نیکیوں اور بھلائیوں کو آگ کی طرح کھا جاتا ہے اور دلی رنجشوں کا باعث بنتا ہے۔ ہمیں دوسروں سے دشمنی اور ترک تعلقات سے بھی منع فرمایا گیا ہے، تاکہ مسلمان معاشرے میں محبت والفت کے ساتھ رہ سکیں۔ اس طرح محبت سے رہنا ہی اللہ کے بندوں کے شایان شان ہے۔

[۱۹۸۹ء]

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

مال اور ہمارا رویہ

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

عـن ابـی کبشة الانماری عن النبی صلی اللّٰہ علیه و سلم ما یقول: ثلاث اقسم علیهن ؛ ما نقص مال عبد من صدقة. ولا ظـلم عبد مظلمة فصبر علیها ، الا زاده اللّٰہ عزا. ولا فتح عبـد بـاب مسئـلة، الا فتـح الـلّٰـه علیه باب فقر. واحدثکم حدیثا. فا حفظوه. قال: انما الدنیا لأربعة نفر؛ عبد رزقه اللّٰہ مـالا وعلماً، فهو یتقی فیه ربه، و یصل فیه رحمه. ویعلم للّٰہ فیـه حـقـا فهـذا بـأفضل المنازل. و عبد رزقه اللّٰہ علما ولم یـرزقـه مـالا. فهـو صادق النیة ؛ یقول لو ان لی مالاً لعملتُ بعمل فلان فهو بنیته فأجرهما سواءٌ وعبد رزقه اللّٰہ مالا ولم یـرزقـه علماً. فهو یخبط فیه بغیر علم ، لا یتقی فیه ربه. ولا یـضـل فیـه رحـمـه. ولا یـعـلـم لـلّٰہ فیه حقا. فهذا بأخبث

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

المنازل. وعبدٌ لم یرزقه اللّٰه مالاً ولا علما. فهو یقول: لو ان لی مالاً لعملت فیه بعمل فلان فهو بنیته فوزرهما سواءٌ.

(ترمذی: زهد ۱۷)

ابو کبشہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تین چیزیں ایسی ہیں جن کے بارے میں میں قسم کھاتا ہوں کہ وہ ضرور ہوں گی۔ ایک یہ کہ جس نے اللہ کی راہ میں خرچ کیا، وہ جان لے کہ اس کے مال میں کمی نہیں ہوئی۔ دوسرے یہ کہ کسی پر ظلم ہوا اور وہ بے گناہ بھی ہو پھر وہ اس ظلم پر صبر کرے تو ایسا نہیں ہوسکتا کہ اللہ اس کی عزت نہ بڑھائے۔ تیسرے یہ کہ جب کوئی آدمی مانگنے نکلے، یعنی اللہ کو چھوڑ کر لوگوں کے آگے ہاتھ پھیلانے لگے تو اللہ اس پر تنگ دستی کے دروازے ضرور کھول دیتا ہے۔ اس کے بعد فرمایا: میں تمھیں ایک بات بتاتا ہوں اس کو یاد رکھو کہ یہ دنیا چار طرح کے لوگوں کی ہے۔ ایک وہ بندہ جسے مال اور علم ملا ہو اور وہ اپنے مال کے معاملے میں اللہ سے ڈرتا ہو۔ اس مال کے ذریعے سے صلہ رحمی کرتا ہو۔ اور جانتا ہو کہ اس میں اللہ کا حق بھی ہے۔ ایسے لوگ اعلیٰ ترین مقام والے ہوں گے۔ دوسرے وہ آدمی جس کو مال تو نہ ملا ہو، لیکن علم ملا ہو اور وہ نیت کا سچا ہو اور سچی نیت کے ساتھ سوچے کہ اگر اس کے پاس مال ہوتا تو میں فلاں (نیک) آدمی کی طرح اسے خرچ کرتا۔ تو اس کے ساتھ اس کی نیت کے مطابق معاملہ ہوگا۔ ان دونوں کا درجہ برابر قرار پائے گا۔ تیسرے وہ آدمی کہ جس کو مال ملا ہو، لیکن علم نہ ملا ہو اور علم نہ ہونے کی وجہ سے وہ اپنے مال ہی میں سرگرداں رہے، نہ وہ مال کے معاملے میں اللہ سے ڈرتا ہو اور نہ وہ اس کے

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org
"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

ذریعے سے صلہ رحمی کرتا ہو تو یہ آدمی بدترین مقام پر ہے۔ چوتھے وہ لوگ جنھیں نہ مال ملا ہو اور نہ علم اور کہیں کہ اگر ان کے پاس مال ہو تو وہ فلاں (برے) آدمی کی طرح سے خرچ کریں گے تو ان کے ساتھ بھی ان کی نیت کے مطابق معاملہ ہوگا۔ اور یہ دونوں گناہوں کے یکساں بوجھ کے ساتھ اٹھیں گے۔

شرح حدیث

ما نقص مال عبد من صدقة: صدقہ وخیرات سے کسی کا مال کم نہیں ہوتا۔ یہ بات بظاہر حال خلاف مشاہدہ ہے، لیکن عین حقیقت ہے۔ اس کو ایک مثال سے سمجھ سکتے ہیں کہ ایک آدمی اپنی تجوری میں سے روپے نکال کر بنک میں جمع کرا دے تو اس کے مال میں بظاہر تو کمی ہو گئی ہے، لیکن حقیقت میں ایسا نہیں ہوا۔ کیونکہ بنک میں موجود روپے بھی اسی کے ہیں۔ اسی طرح کی صورت صدقہ وخیرات کی ہے۔ کیونکہ آدمی جو کچھ اللہ کی راہ میں خرچ کرتا ہے، وہ اللہ کے ہاں اس کے نام پر جمع ہو جاتا ہے، بلکہ قرآن تو کہتا ہے کہ اس میں اضافہ بھی ہو جائے گا۔ فرمایا:

وَمَا تُقَدِّمُوا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْرًا وَّأَعْظَمَ أَجْرًا. (المزمل ۷۳:۲۰)

”جو کچھ تم (اللہ کے ہاں) اپنے اموال میں سے بھیج دو گے، اسے تم اللہ کے ہاں پہلے سے بہتر اور اجر میں بڑھا ہوا پاؤ گے۔“

یہ انفاق کی ترغیب دی گئی ہے کہ جو کچھ ہم اللہ کی راہ میں خرچ کریں گے، وہ کسی دوسرے کے لیے نہیں، بلکہ خود اپنے لیے کریں گے۔ وہ اللہ کے پاس ہمارے حساب میں جمع ہوگا۔ اور نہ صرف یہ کہ ہمیں مل جائے گا، بلکہ ہمارے دیے ہوئے سے بہتر ہوگا اور کئی گنا زیادہ ہوگا۔

لیکن یہ اضافہ نیت کے صحیح ہونے پر ہوگا۔ اللہ کی راہ میں مال خرچ کرتے وقت آدمی کی نیت تمام آلایشوں سے پاک ہونی چاہیے۔ یعنی وہ سخی کہلانے کے لیے خیرات نہ کرے اور نہ کسی بدلے کی خواہش میں کہ وہ آدمی اس کے بدلے میں اسے کچھ دے دے گا۔ یا یہ کہ وہ ان روپوں

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

کے بدلے دینے والے کی عزت کرے اور اس کے لیے فرماں بردار رہے۔ قرآن میں ہے کہ:

وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا. اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّلَا شُكُوْرًا. (الدہر ۷۶: ۸-۹)

''اور وہ مسکین، یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے رہے ہیں۔ خود اس کے حاجت مند ہوتے ہوئے، (اس جذبہ کے ساتھ کہ) ہم تمھیں صرف اللہ کی خوشنودی کے لیے کھلاتے ہیں۔ نہ تم سے کسی بدلے کے طالب ہیں اور نہ شکریہ کے۔''

لیکن جس کے ارادے کچھ اور ہوں۔ اللہ کی خوشنودی جس کا مقصود نہ ہو تو وہ خواہ ایک اکنی بھی خرچ کرے تو اسے جان لینا چاہیے کہ اس کے مال میں سے ایک اکنی کم ہوگئی۔

دوسری چیز قرآن سے اس سلسلے میں یہ معلوم ہوتی ہے کہ نیت اگرچہ صالح ہی ہو، لیکن اس کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ جس کی مدد کی جائے اس کو نہ تو بعد میں احسان جتایا جائے اور نہ اس کو اذیت دی جائے۔ یعنی یہ نہیں ہونا چاہیے کہ ہم اسے بعد میں تنگ کرنے لگیں یا طرح طرح کے کام لینے شروع کر دیں کہ چلو، ان روپوں کے بدلے میں یہ کام ہی سہی۔ اس صورت میں اللہ پر کوئی ذمہ داری نہیں کہ وہ ہمارے صدقہ وخیرات کو اجر کے اعتبار سے بڑھا دے۔ قرآن میں یہ اصول پوری وضاحت کے ساتھ سورۂ بقرہ میں بیان ہوا ہے:

مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ. اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَا يُتْبِعُوْنَ مَآ اَنْفَقُوْا مَنًّا وَّلَآ اَذًى

''ان لوگوں کے مالوں کی تمثیل، جو اپنے مال خدا کی راہ میں خرچ کرتے ہیں، اس دانے کی مانند ہے جس سے سات بالیں پیدا ہوں اور اس کی ہر بالی میں سو دانے ہوں۔ اللہ برکت دیتا ہے جس کو چاہتا ہے۔ اللہ بہت وسیع خزانوں والا ہے۔ جو لوگ اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں پھر اس کے بعد نہ

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

لَّهُمْ أَجْرُهُمْ عِندَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ. (۲:۲۶۱-۲۶۲)

احسان جتاتے ہیں نہ دل آزاری کرتے ہیں، ان کے لیے ان کے رب کے پاس اجر ہے۔ وہاں ان کے لیے نہ مستقبل کا کوئی اندیشہ ہو گا اور نہ ماضی کا کوئی پچھتاوا۔''

اس میں دونوں شرطیں یعنی نیت کا صالح ہونا اور احسان نہ جتانا، اذیت نہ دینا وغیرہ بیان کر دی گئی ہیں۔ نیت کی صحت کے لیے فی سبیل اللہ کے الفاظ آئے ہیں کہ یہ انفاق اللہ کی خوشنودی ہی کے لیے ہو۔ دنیا کی کسی خواہش کے لیے نہ ہو اور دوسری شرط 'منا' اور 'اذیً' کے الفاظ سے ظاہر ہے۔ 'اذیً' کا لفظ ہر اس چیز کے لیے استعمال ہوتا ہے جو باعث رنج و اذیت ہو۔ عام اس سے کہ یہ رنج و اذیت جسمانی ہو یا ذہنی۔ اس آیت میں اس سے مراد وہ طعن و تشنیع اور توہین و تحقیر ہے جو عموماً کم ظرف لوگوں کی طرف سے ان لوگوں پر ظاہر ہوتی ہے جن پر وہ کوئی احسان کر بیٹھتے ہوں۔ چنانچہ اس اجر عظیم کے مستحق وہی لوگ ہیں جو انفاق کرنے کے بعد نہ تو اس کا احسان جتائیں اور نہ لوگوں کی دل آزاری کریں۔ دل آزاری اور احسان جتانا، دونوں ایک ہی فاسد کردار کے دو پہلو ہیں۔ لئیم اور کم ظرف لوگ اگر کسی پر کچھ خرچ کر بیٹھتے ہیں تو اس کے بدلے میں ان کی خواہش یہ ہوتی ہے کہ اب وہ شخص ان کا ممنون احسان رہے۔ اور اگر وہ یہ محسوس کرتے ہیں کہ ان کی یہ خواہش پوری نہیں ہو رہی تو پھر وہ اس غریب کو طعن و تشنیع کا ہدف بنا لیتے ہیں اور جب بھی انھیں موقع ملتا ہے اس کو ذلیل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے لیے نقصان ہی نقصان ہے۔ یہاں بھی ان کے مال میں کمی ہوئی اور انعام کے دن بھی وہ اس کے انعام سے محروم رہیں گے۔

و لا ظلم عبد مظلمة فصبر عليها الا زاده الله عزا۔ آدمی پر ظلم ہو جب کہ اس کا کوئی جرم نہ ہو۔ اور اس ظلم کے باوجود وہ حق پر ثابت قدم رہے تو اللہ اس کی عزت ضرور بڑھائے گا۔ انسان کی فطرت اگر بگڑ نہ گئی ہو تو وہ ہمیشہ بے گناہوں سے ہمدردی رکھتا ہے اور ظلم کرنے والوں کے بارے میں اگرچہ وہ نفرت کا اظہار نہ کر سکے تب بھی دل میں ضرور ان کے بارے میں نفرت رکھتا ہے۔ یہ نفرت اگرچہ علانیہ نہیں ہوتی، لیکن ہر چہرے پر پڑھی جا سکتی ہے۔ یہ نفرت

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

بعض اوقات ایک دور کی نفرت نہیں رہتی، بلکہ یہ نفرت انسان کے دل میں قیامت تک کے لیے جاگزیں ہو جاتی ہے۔اور مظلوم آدمی سے ہمدردی بھی اگرچہ بعض اوقات دلوں میں چھپی ہوتی ہے،لیکن وہ اتنی گہری ہوتی ہے کہ مظلوم انسانوں کو قیامت تک کے لیے زندہ جاوید بنا دیتی ہے۔

سقراط کو یونان کی جمہوری حکومت زہر پلا دیتی ہے۔اس سزا کے سنائے جانے کے باوجود سقراط اپنے موقف پر ثابت قدم رہتا ہے اور زہر کا پیالہ پی لیتا ہے۔آج یونان کی اس حکومت کے افراد کو تو کوئی نہیں جانتا،لیکن سقراط اب بھی زندہ ہے۔

حضرت زکریا علیہ السلام کو آرے سے چیر دیا جاتا ہے۔آرے سے چیرنے والے آج بھی نفرت سے یاد کیے جاتے ہیں۔اور حضرت زکریا آج بھی حق کے داعیوں کے لیے مشعل راہ ہیں۔ یہ وہ عظمت و عزت ہے جو ہر مظلوم کو صبر کرنے پر ملتی ہے۔

ان دو مثالوں سے ہم اس بات کی صداقت جان سکتے ہیں،لیکن بات صرف اتنی ہی نہیں ہے، بلکہ آگے بڑھ کر دوسری دنیا سے بھی متعلق ہے۔یہاں ہوسکتا ہے کہ کوئی مظلوم مارا جائے اور اسے جاننے والا کوئی نہ ہو،لیکن آخرت میں اس کے صبر کے بدلے میں ایسی عزت ملے گی جو اس پر ہونے والے ظلم سے کہیں بڑھ کر ہوگی۔یہاں یہ بات بھی بالبداہت واضح ہے کہ ظلم کرنے والے کے لیے رسوائی ہے۔

راہ حق میں ثابت قدمی دکھانے والوں کے بارے میں قرآن کہتا ہے کہ اللہ ثابت قدم رہنے والوں کے ساتھ ہے[1]۔تو جس کے ساتھ اللہ خود ہی موجود ہو،اس کی عزت اس سے بڑھ کر اور کیا ہو گی۔

ولا فتح عبدٌ باب مسئلة الا فتح اللّٰہ علیه باب فقر: کوئی آدمی گداگری شروع کرے تو اللہ اس پر تنگ دستی کے دروازے کھول دیتا ہے۔

گداگری وہ رذیل ترین حرکت ہے جو ایک آدمی غربت کے ہاتھوں،خدا پر توکل نہ ہونے کی وجہ سے کرتا ہے۔وہ اپنے اس عمل سے اس بات کا اظہار کرتا ہے کہ اس نے اللہ کے اس فرمان کو

---

[1] اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ. (البقرہ۲:۱۵۳)

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

کوئی حیثیت نہیں دی کہ وہ جسے چاہتا ہے، رزق دیتا ہے[۲]۔اور یہ کہ وہ اپنے فطری عہد کو فراموش کر دیتا ہے جو اس کے رگ و پے میں ودیعت ہے کہ اسے اللہ ہی سے مانگنا چاہیے۔ان دونوں عہدوں کی خلاف ورزی کی سزا اسے یہ ملتی ہے کہ اللہ اسے مزید تنگ دست کر دیتا ہے۔اس سے زیادہ بری حالت کسی کی اور کیا ہوگی کہ لوگ اس کو حقارت سے دیکھیں اور دھتکاریں اور وہ پھر انھی کے دروازوں پر صدا دیتا پھرے۔یہی رویہ اگر اس نے خدا کے ساتھ رکھا ہوتا کہ اس کے ہاں سے نہ ملنے پر بھی اس کے دروازے پر جاتا اور بار بار ٹھکرائے جانے پر بھی اسی کے دروازے پر پڑا رہتا تو نہ صرف یہ کہ اس کے رزق میں فراخی ہوتی، بلکہ بعد کی زندگی میں بھی اللہ اس کو اپنے قریب رکھتا۔

لیکن جو لوگ اللہ کی اس آزمایش پر پورے نہیں اترتے اور خدا کے دروازے سے انھیں جب پہلی پکار پر کچھ نہیں ملتا تو وہ اس کے دروازے سے فوراً ہٹ آتے ہیں کہ یہاں سے انھیں کچھ نہیں ملے گا۔حالانکہ یہی لوگ جب اپنی طرح کے انسانوں کے دروازوں پر دستک دیتے ہیں تو پہلی پکار پر ہی لوٹ نہیں آتے، بار بار دھتکارے جاتے ہیں پھر بھی کھڑے رہتے ہیں۔

سچی بات تو یہ ہے کہ لوگوں کے دروازے پر تو انکار کا احتمال بہت ہوتا ہے، لیکن اللہ کے دروازے سے کبھی انکار نہیں ہوتا، کیونکہ اللہ اپنے مانگنے والوں کو جلد یا بہ دیر ان کی پکار کا جواب ضرور دیتا ہے۔لیکن اس کے لیے ضروری ہے کہ بندہ اللہ کے دربار کے آداب سے واقف ہو۔

لیکن اس کے دروازے کو چھوڑ کر دوسروں کے دروازے پر دستک دینا، خدا کو چھوڑ کر دوسروں کو خدا بنانا ہے۔اور جو خدا سے مانگنے کے بجائے دوسروں سے مانگتا ہے، وہ اصل میں غلط جگہ سے مانگ رہا ہے۔وہ مالک سے مانگنے کے بجائے غلاموں سے مانگ رہا ہے۔اور اس حقیقت سے انکار کر رہا ہوتا ہے کہ جن لوگوں سے وہ مانگ رہا ہے، ان کو بھی وہی خدا دیتا ہے جس کا دروازہ اس نے چھوڑ دیا ہے۔اور اب خدا کی روٹی کو چھوڑ کر وہ فقیری کی روٹی کھا رہا ہے۔یہ اس کی سزا ہے۔

یہ سزا اس دنیا کی سزا ہے۔قیامت کے دن اس آدمی کے ماتھے پر کالا داغ ہوگا۔جس طرح خدا کے بندوں کی پیشانیاں سجدوں کے نشانوں سے چمک رہی ہوں گی۔اسی طرح اس کی پیشانی

---

۲ وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ. (البقرہ ۲:۲۱۲)

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

دوسروں کے دروازوں پر جھکنے کی وجہ سے سیاہ ہوگی اور وہ دوسروں سے چھپتا پھرے گا۔

انما الدنیا لاربعة نفر. عبد رزقه اللّٰه مالا و علما؛ فهو یتقی فیه ربه. و یصل فیه رحمه و یعلم للّٰه فیه حقا. فهذا بأفضل المنازل. وعبد رزقه اللّٰه علما ولم یرزقه مالا. وهو صادق النیة، یقول: لو ان لی مالا لعملت بعمل فلان فهو بنیته فأجرهما سواء.

رزق کے اعتبار سے یہ دو گروہ ہیں جو مال و دولت کے ہوتے ہوئے بھی اور نہ ہوتے ہوئے بھی خدا خوفی سے زندگی گزارتے ہیں، صلہ رحمی کرتے ہیں اور چونکہ وہ جانتے ہوتے ہیں کہ ان کے مالوں میں اللہ کا بھی حق ہے، اس لیے وہ اللہ کی راہ میں خرچ بھی کرتے ہیں اور اگر وہ غریب ہوں تو سوچتے ہیں کہ اگر ان کے پاس کچھ ہوتا تو وہ صلہ رحمی کرتے، اللہ کی راہ میں خرچ کرتے تو یہ دونوں گروہ اعلیٰ ترین مقام پر فائز ہوں گے۔

یہاں مال کے ساتھ علم کا بھی ذکر ہے۔ ظاہر ہے، عمل کی صحت کے لیے صحیح علم ناگزیر ہے۔ اس علم سے مراد وہ بصیرت ہے جو آدمی کی صحیح راستے کی طرف رہنمائی کرتی ہے اور نیک اعمال پر ابھارتی ہے۔ یہ آدمی کو فطری طور پر بھی مل سکتی ہے اور پیغمبروں کی تعلیم سے بھی حاصل ہوسکتی ہے۔

زیر بحث دونوں گروہ اس بصیرت کے حامل ہوتے ہیں۔ چنانچہ وہ اپنی اس بصیرت کی رہنمائی میں اللہ کے بندے بن کر رہتے ہیں۔ خدا خوفی، صلہ رحمی اور انفاق کرتے ہیں اور وہ یہ سارے کے سارے عمل اللہ کے لیے کرتے ہیں، اس لیے ان کی آخری منزل وہ اعلیٰ مقام ہے جس میں نہ کوئی ماضی کا پچھتاوا ہوگا اور نہ مستقبل کا کوئی اندیشہ۔[۳]

یہ بات یہاں بالکل واضح ہے کہ وہ دینی بصیرت ہونے کی وجہ سے قرآن کی دونوں شرائط

۳؎ ’اَلَّذِیۡنَ یُنۡفِقُوۡنَ اَمۡوَالَهُمۡ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَا یُتۡبِعُوۡنَ مَاۤ اَنۡفَقُوۡا مَنًّا وَّلَاۤ اَذًی لَّهُمۡ اَجۡرُهُمۡ عِنۡدَ رَبِّهِمۡ وَلَا خَوۡفٌ عَلَیۡهِمۡ وَلَا هُمۡ یَحۡزَنُوۡنَ‘ (البقرہ ۲:۲۶۲) ’’جو لوگ اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں پھر اس کے بعد نہ احسان جتاتے ہیں نہ دل آزاری کرتے ہیں، ان کے لیے ان کے رب کے پاس اجر ہے، وہاں ان کے لیے نہ مستقبل کا کوئی اندیشہ ہوگا اور نہ ماضی کا کوئی پچھتاوا۔‘‘

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

پوری کرتے ہیں جن کا ذکر ہم نے اوپر کی سطور میں کیا ہے۔

وعبد رزقه الله مالا ولم يرزقه علما. فهو يخبط بغير علم ولا يتقى فيه ربه. ولا يصل فيه رحمه ولا يعلم لله فيه حقا. فهذا بأخبث المنازل. و عبد لم يرزقه الله مالا ولا علما فهو يقول: لو ان لى مالا لعملت فيه بعمل فلان فهو بنيته فوزرهما سواء.

اب ان لوگوں کا ذکر ہے جن کو یہ بصیرت حاصل نہیں تھی۔ ہماری اس بات کا مطلب یہ نہیں ہے کہ انھیں یہ بصیرت اللہ ہی کی طرف سے نہیں ملی تھی، بلکہ ہمارا مطلب یہ ہے کہ بصیرت سے یہ محرومی ان کے اپنے نفس کی غفلتوں کا نتیجہ ہوتی ہے۔ اپنے نفس کی پیروی میں اس بصیرت سے محروم رہتے ہیں اور مال کے معاملے میں اس قدر آگے بڑھ جاتے ہیں کہ اپنی راہ کھوٹی کر لیتے ہیں۔ وہ مال کے جنون میں ایسے اندھے ہوتے ہیں کہ یہ بھول جاتے ہیں کہ یہ مال اللہ کا عطا کردہ ہے اور وہ کسی دن اس کا حساب بھی لے گا۔

دوسرے وہ لوگ ہوتے ہیں کہ جو اس بصیرت سے بھی محروم ہوتے ہیں اور مال ومنال بھی ان کو نہیں ملا ہوتا، لیکن وہ اس خیال میں غلطاں وپیچاں رہتے ہیں کہ اگر ان کے پاس مال ہوتا تو وہ بھی ویسی ہی ''حماقتیں'' کریں گے۔ ان دونوں گروہوں کا معاملہ ان کی نیتوں پر ہوگا اور دونوں کے لیے قیامت کے دن گناہوں کا یکساں بوجھ ہوگا۔

اللہ کی راہ میں خرچ کرنا گویا اپنے بنک میں روپے جمع کرانا ہے۔ خیرات وصدقہ کیے ہوئے پیسے ہمیں اللہ کے ہاں پہلے سے بہتر حالت میں ملیں گے، اس لیے صدقہ کرنے یا خیرات دینے سے ہمارے مال میں کمی نہیں ہوتی۔

کسی مظلوم پر ظلم ہو اور وہ ثابت قدم رہے تو اللہ اس کا ساتھ دیتا ہے اور اس کو دونوں جہانوں میں عزت وعظمت عطا کرتا ہے۔ اور ظلم کرنے والوں کے لیے دونوں جہانوں کی رسوائی ہے۔

جو لوگ اللہ سے مانگنے کے بجائے لوگوں سے مانگتے ہیں، وہ اصل میں لوگوں کو خدا بناتے ہیں، تو اللہ ان کے رزق میں مزید کمی کر دیتا ہے۔ قیامت کے دن ان کے ماتھے سیاہ ہوں گے۔

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

رزق کے اعتبار سے دنیا میں چار گروہ ہیں۔ پہلے دو وہ ہیں جو اہل بصیرت ہوتے ہیں اور خدا خوفی کی زندگی گزارتے ہیں۔ ان کے لیے ماضی کے پچھتاووں اور مستقبل کے اندیشوں سے پاک ایک اعلیٰ ترین زندگی ہوگی۔

دوسرے وہ گروہ ہیں جو بصیرت سے محروم تھے۔ نہ انھوں نے صلہ رحمی کی اور نہ خدا سے ڈرے۔ نہ انفاق کیا، نہ زکوٰۃ دی۔ ان کے لیے پچھتاووں اور اندیشوں سے پر بدترین زندگی ہے، جو ان کی سزا ہوگی۔

[۱۹۸۹ء]

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

خرید وفروخت میں دھوکا

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

عن ابی ہریرۃ ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ و سلم، مرعلی صبرۃ من طعام، فادخل یدہ فیھا. فنالت اصابعہ بللا. فقال: یا صاحب الطعام، ما ھذا؟ قال: اصابتہ السماء، یارسول اللّٰہ. قال: افلا جعلتہ فوق الطعام حتی یراہ الناس؟ ثم قال: من غش فلیس منا. (اخرجہ مسلم وترمذی واحمد بن حنبل)

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، غلے کے ایک ڈھیر کے پاس سے گزرے۔ آپ نے اُس ڈھیر میں اپنا ہاتھ داخل کیا تو نیچے کے غلے میں نمی محسوس کی۔ آپ نے دریافت فرمایا: بھئی، یہ کیا ہے؟ غلہ فروش نے کہا: یارسول اللہ، اسے بارش نے آلیا تھا (اس لیے بھیگ گیا ہے)۔ آپ نے فرمایا: بھیگے ہوئے غلے کو اوپر کیوں نہیں رکھتے؟ تاکہ لوگ اسے دیکھ لیں (اور دھوکا نہ کھائیں)۔

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

پھر آپ نے فرمایا: جس نے دھوکا دیا، وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

شرح حدیث

یعنی یہ ضروری ہے کہ آدمی جو چیز بیچے، اس کے عیوب اور خامیاں خریدنے والے سے نہ چھپائے تاکہ وہ کسی دھوکے میں نہ رہے۔ آپ کا فرمان ہے:

لا یحل لمسلم باع من اخیه بیعا فیه عیب الا بینه له. (ابن ماجہ، کتاب التجارات)

''اہل ایمان میں سے کسی کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ اپنی عیب دار چیز، اس کا عیب بتائے بغیر، اپنے بھائی کے ہاتھ فروخت کر دے۔''

اسلام نے خرید و فروخت کے معاملات میں ضرر اور غرر سے گریز کا اصول رکھا ہے تاکہ فریقین ایک دوسرے کو دھوکا دینے اور نقصان پہنچانے سے باز رہیں۔ نہ وہ گھٹیا چیزوں کو اچھی چیزوں میں ملا کر بیچیں اور نہ ناپ تول میں کمی کریں۔

لین دین کے معاملات میں بد دیانتی، دھوکا اور ضرر رسانی معاشرتی زندگی کے لیے اتنی مہلک چیزیں ہیں کہ قرآن مجید نے کئی مقامات پر ناپ تول میں کمی بیشی کو 'فساد فی الارض' سے تعبیر کیا ہے:

فَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ وَلَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ. (الاعراف ۷:۸۵)

''ناپ تول پوری کرو، لوگوں کی چیزوں میں کمی نہ کرو اور اس طرح زمین میں اصلاح کے بعد فساد برپا نہ کرو، یہی تمھارے حق میں بہتر ہے۔ اگر تم ''فی الواقع'' مومن ہو۔''

تجارتی کاروبار اور لین دین میں، چونکہ اشیا، عام طور پر، تولی یا ناپی جاتی ہیں، اس لیے اس آیت میں تجارت کے اسی غالب پہلو کا ذکر کیا ہے۔ اصل مقصود، ان معاملات میں، دیانت اور

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

راست بازی کی تعلیم دینا ہے، اس لیے کہ بد دیانتی اور دھوکا کوئی منفرد برائی نہیں، بلکہ یہ وہ بیماری ہے، جس سے ایک قوم کئی دوسری بیماریوں کا شکار ہو جاتی ہے۔ اس سے رشوت، سفارش، اقربا پروری اور معاشرتی ناانصافی جیسے ناسور وجود میں آتے ہیں۔ معاشرے کے افراد میں دھوکا اور ضرر رسانی کے رویوں کا پایا جانا، اس بات کی دلیل ہے کہ عدل وقسط کا وہ نظام، جس پر کائنات قائم ہے، اب انسان کے ہاتھوں درہم برہم ہونے کو ہے۔ اور خالق کائنات کی صفت عدل کا تصور اس قوم میں مردہ ہو چکا ہے۔ ان اخلاقی برائیوں کے ساتھ، قوم کے اندر ایسا اخلاقی بگاڑ پیدا ہوتا ہے کہ سرطان کی طرح جسم کے ریشے ریشے میں سرایت کر جاتا ہے۔ زندگی اپنے مرکزِ ثقل پر قائم نہیں رہتی، نتیجۃً تہذیب، تمدن اور معاشرے کے سارے نظام ہی میں فساد واختلال رونما ہو جاتا ہے۔

عام طور سے، لوگ ایسے جرائم کو کوئی خاص اہمیت نہیں دیتے، لیکن یہ جرائم ایسے ہیں کہ اگر ان کو ترک نہ کیا جائے، تو بالآخر تمدن کی کوئی اینٹ اپنی جگہ پر قائم نہیں رہتی۔ اسی چیز کو قرآن مجید 'فساد فی الارض' کہتا ہے۔ اور وہ ہمیں یہ تعلیم دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کائنات کی بنیاد عدل و قسط پر رکھی ہے، اس لیے اہل ایمان کو عدل وقسط کا علم بردار بننا چاہیے۔ چنانچہ وہ ہم سے چاہتا ہے کہ ہم اپنے دائرۂ اختیار میں معاشرے کے نظام کو اسی عدل پر قائم رکھیں۔

کوئی دھوکے باز اور ڈنڈی مارنے والی قوم دنیا میں نہ فروغ پا سکی، نہ پا سکے گی۔ چنانچہ، کسی قوم کے اندر اس برائی کا پایا جانا اس بات کو جاننے کے لیے کافی ہے کہ وہ کسی تمدن کے قیام کی صلاحیتوں سے نہ صرف محروم ہے، بلکہ یہ خدا کی سرزمین میں باعث فساد بھی ہے۔ اللہ نے ایسی قوموں کو ہمیشہ صفحۂ ہستی سے مٹا دیا ہے۔ اسے یہ گوارا نہیں ہے کہ وہ عدل وانصاف سے ہٹی ہوئی کسی قوم کو عروج دے، کیونکہ اس کا اصول یہی ہے کہ وہ اعلیٰ اخلاق کے اصولوں پر قائم اقوام ہی کو دنیا میں بالادستی عطا کرتا ہے۔

ایسے جرائم، اگر انفرادی سطح پر بھی رہیں اور آدمی ان سے چھٹکارا پانے کی کوشش نہ کرے تو ایک وقت آتا ہے کہ یہ چیزیں اس کے کردار کا حصہ بن جاتی ہیں اور دیمک کی طرح اس کے ایمان کو چاٹ جاتی ہیں۔ جان لینا چاہیے کہ اس درجے تک پہنچنے کے بعد آدمی کو جہنم کی سزا بھی ہو سکتی ہے:

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

بَلٰی مَنۡ کَسَبَ سَیِّئَۃً وَّاَحَاطَتۡ بِہٖ خَطِیۡٓـَٔتُہٗ فَاُولٰٓئِکَ اَصۡحٰبُ النَّارِ ھُمۡ فِیۡھَا خٰلِدُوۡنَ. (البقرہ ۲:۸۱)	''البتہ، جس نے کوئی برائی کمائی اور (پھر) اُس کے گناہ نے اُس کو اپنے گھیرے میں لے لیا تو وہی لوگ دوزخ والے ہیں۔ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔''

چنانچہ یہ جو فرمایا کہ دھوکا دینے والا ہم میں سے نہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ ایک ایسی سنگین برائی ہے، جس کا ارتکاب اہل ایمان سے کسی حال میں نہیں ہونا چاہیے۔ ہر مسلمان کو اچھی طرح جان لینا چاہیے کہ اگر وہ ایسا کرتا ہے تو ضرور اس کے ایمان میں نقص ہے، جس کی اصلاح کے بغیر وہ حقیقی فلاح نہیں پا سکتا۔

[۱۹۹۳ء]

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

تین کبیرہ گناہ

عن ابی ذر رضی اللّٰہ عنہ، عن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم، قال: ثلاثۃ، لا یکلمھم اللّٰہ یوم القیامۃ، ولا ینظر الیھم، ولا یزکیھم، ولھم عذاب عظیم. المنان لایعطی شیئا الا منہ، [والمنفق سلعتہ بعد العصر بالحلف الفاجر[1]] والمسبل ازارہ [لا یرید الا الخیلاء[2]]. (مسلم، کتاب الایمان)

ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تین لوگ ایسے ہیں، جن سے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن نہ بات کریں گے، نہ ان پر نظر کرم فرمائیں گے، اور نہ ان کو پاک کریں گے، اور ان کے لیے دردناک عذاب ہوگا۔ ایک، احسان جتانے والا کہ جب بھی کسی کو کچھ دے، احسان جتائے۔ دوسرا، عصر کے وقت جب

---

[1] اخرجہ مسلم، عن ابی ہریرہ، فی کتاب الایمان۔

[2] اخرجہ احمد بن حنبل، عن مسلم بن یناق عن عبداللہ بن عمر۔

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

بازار ختم ہو رہا ہو، جھوٹی قسم کھا کر سودا بیچنے والا۔ اور تیسرا، اپنے تہمد کو ٹخنوں سے نیچے لٹکانے والا، جس سے اس کا مقصد سوائے تکبر و نخوت کے کچھ نہ ہو۔

شرح حدیث

'لا یکلمھم اللّٰہ' اور 'و لا ینظر الیھم' (اللہ ان کا تزکیہ نہیں کرے گا)۔ قرآن کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ قیامت کے دن، بہرحال، ہر انسان اپنے ساتھ کچھ نہ کچھ آلایشیں لے کر آئے گا۔ اللہ ان آلایشوں کو اپنی رحمت سے دور کر دیں گے۔ اسی عمل کو تزکیۂ یوم القیامہ کہا گیا ہے۔ یہ تزکیہ انبیا کے سوا، کم و بیش، سب انسانوں کا ہو گا۔ البتہ، وہ لوگ اس تزکیہ سے محروم رہیں گے، جن کے گناہ ناقابل معافی ہوں گے۔

احسان جتانے والا، قرآن مجید میں اللہ کا فرمان ہے:

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِکُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰی کَالَّذِیْ یُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ فَمَثَلُهٗ کَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَیْهِ تُرَابٌ فَاَصَابَهٗ وَابِلٌ فَتَرَکَهٗ صَلْدًا لَّا یَقْدِرُوْنَ عَلٰی شَیْءٍ مِّمَّا کَسَبُوْا وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْکٰفِرِیْنَ. (البقرہ ۲: ۲۶۴)	''اے ایمان والو، احسان جتا کر اور دل آزاری کر کے اپنی خیرات کو اکارت مت کرو، اس شخص کی مانند جو اپنا مال دکھاوے کے لیے خرچ کرتا ہے اور اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان نہیں رکھتا۔ ایسے شخص کی مثال یوں ہے کہ ایک چٹان ہو، جس پر کچھ مٹی ہو، پھر اس زور کا مینہ پڑے کہ وہ اس کو بالکل سپاٹ پتھر چھوڑ جائے، ان کی کمائی میں سے کچھ بھی ان کے پلے نہیں پڑے گا۔''

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ ریاکاری کی طرح احسان جتانے اور ایذا رسانی سے بھی نیکی اپنا اجر کھو دیتی ہے۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org
"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

چنانچہ جو آدمی اس رویے کو اختیار کیے رکھے گا، وہ صدقات اور خیرات کی تمام نیکیوں سے ہاتھ دھو بیٹھے گا۔ اسلام کا، اس باب میں، اصول یہ ہے کہ 'بَلٰی مَنْ کَسَبَ سَیِّئَۃً وَّاَحَاطَتْ بِہٖ خَطِیْٓئَتُہٗ فَاُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ النَّارِ ھُمْ فِیْھَا خٰلِدُوْنَ' (البقرہ ۲: ۸۱) ''جس نے کوئی برائی کمائی اور اس کے گناہ نے اس کی زندگی کا احاطہ کر لیا تو ایسے لوگ دوزخی ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔''

عصر کے وقت سے مراد بازار کے خاتمے کا وقت ہے۔ قدیم دور میں اور اب بھی دیہاتی معاشرت میں بازار، عام طور سے، اس وقت سمٹنے شروع ہو جاتے ہیں۔ اس موقع پر گاہک اور دکان دار، دونوں عجلت میں ہوتے ہیں۔ اس عجلت میں گاہک کے دام فریب میں آ جانے کے امکانات بھی بڑھ جاتے ہیں۔ چنانچہ دکان دار ایسے مواقع پر گاہک سے نفع کمانے کے لالچ میں جھوٹی قسم کھا کر زیادہ قیمت پر اپنا مال فروخت کر دیتے ہیں۔ یہ تنبیہ اس وقت کے ساتھ بالخصوص، اس لیے فرمائی گئی ہے کہ اس طرح کے مواقع پر آدمی کو، عام حالات کے مقابلے میں، زیادہ ہوشیار رہنا چاہیے کیونکہ ان مواقع پر لغزش کھا جانے کے امکانات زیادہ ہوتے ہیں۔ یہاں یہ واضح رہنا چاہیے کہ عام حالات میں بھی، جھوٹی قسم کھا کر مہنگے داموں مال بیچنا، ایک سنگین جرم ہے۔

اس طرح کرنے والا شخص، باطل طریقے سے، اپنے بھائی کا مال کھاتا ہے۔ قرآن مجید نے اس سے صاف الفاظ میں روکا ہے: 'وَلَا تَاْکُلُوْٓا اَمْوَالَکُمْ بَیْنَکُمْ بِالْبَاطِلِ.' (البقرہ ۲: ۱۸۸) ''اور ایک دوسرے کا مال باطل طریقے سے مت کھاؤ۔'' یہی وہ اصول ہے، جس کی بنا پر، اسلام ہر اس معاشی عمل کو جرم قرار دیتا ہے، جو اپنی حقیقت میں باطل قرار پاتا ہو۔ اس میں رشوت، دھوکا، چوری، غصب، غلط بیانی، تعاون علی الاثم، غبن، خیانت، تول میں کمی اور لقطہ (گری پڑی چیز) کی مناسب تشہیر کے بغیر اسے لے لینا، یہ تمام چیزیں 'اکل الاموال بالباطل' میں شامل ہیں۔

قرآن مجید کی رو سے یہ جرم کبائر یعنی بڑے گناہوں میں سے ہے۔ چنانچہ، اس طرح کے ایک جرم، یتیموں کے مال میں خیانت اور غصب کے مجرموں کے بارے میں قرآن کا بیان

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

ہے: 'اِنَّ الَّذِیۡنَ یَاۡکُلُوۡنَ اَمۡوَالَ الۡیَتٰمٰی ظُلۡمًا اِنَّمَا یَاۡکُلُوۡنَ فِیۡ بُطُوۡنِہِمۡ نَارًا وَ سَیَصۡلَوۡنَ سَعِیۡرًا' (النساء ۴: ۱۰) ''بے شک، جو لوگ ظلم و ناانصافی سے یتیموں کے مال کھا رہے ہیں، وہ اپنے پیٹ میں بس آگ ہی بھر رہے ہیں، اور وہ ضرور دوزخ کی بھڑکتی آگ میں پڑیں گے۔'' زیر بحث حدیث میں بھی اس کی یہی سزا بیان کی گئی ہے۔

جھوٹی قسم، اگرچہ، مال کے حصول کا ذریعہ بن جاتی ہے، لیکن اس سے کمائی میں برکت نہیں رہتی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: 'الحلف منفقة للسلعة ممحقة للکسب' (النسائی، کتاب البیوع) ''یہ قسم مال کو بیچنے والی، مگر کمائی کو مٹانے والی ہے''۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کا مطلب یہی ہے کہ اس ذریعے سے حاصل ہونے والی کمائی برکت سے خالی ہوتی ہے، یعنی یہ کمائی نہ کفایت کرتی ہے اور نہ اس کے ذریعے سے سیری ہی حاصل ہوتی ہے۔

اسبال ازار، یہ اوباشوں کے تہمد پہننے کا ایک خاص طریقہ تھا۔ اس قسم کے لوگ کچھ اس طرح تہمد باندھتے کہ وہ لٹک کر زمین پر گھسٹنے لگتا۔ اس تہمد کا کپڑا، عام طور سے، عمدہ اور شوخ رنگ ہوتا، جسے پہن کر یہ لوگ اتراتے ہوئے چلتے۔ ہمارے دیہاتوں میں بھی اس قماش کے لوگ ایسے ہی تہمد باندھے، لمبے لمبے قمیص پہنے، گریبان وا کیے، ایک کپڑا (پٹکا سا) گلے میں ڈالے، پان کی پیک تھوکتے اور اکڑ کر چلتے نظر آتے ہیں۔ بعض تہذیبوں میں بادشاہ اور شاہی خاندان کے افراد کا لباس بھی ایسا ہوتا تھا کہ ان کے پیچھے لٹکتی، کئی گز لمبی، پشواز اٹھانے کے لیے کئی ملازم مقرر ہوتے۔ اس سب کچھ کا مقصد شان و شوکت اور تکبر کے اظہار کے سوا کچھ نہ ہوتا۔ ان احادیث اور کلام عرب سے معلوم ہوتا ہے کہ اس طرز کا لباس عربوں کے ہاں بھی موجود تھا۔ تابط شرا کا شعر ہے:

مسبل فی الحی احوی رفل
و اذا یغزو فمع ازل

''وہ قبیلہ میں ہوتا ہے تو مسبلِ ازار (مغرور اور گھمنڈی)، جوانِ رعنا، اور تنومند اور جب میدانِ جنگ میں اترتا ہے، تو گویا بھیڑیا ہے جو اپنے دشمن کا تیزی سے پیچھا کرتا ہے۔''

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

یہ لباس جیسا کہ اوپر کی بحث سے واضح ہے، متکبرانہ لباس ہے۔اس کے اسی پہلو کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ممنوع قرار دیا ہے۔دوسرے لفظوں میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ مناط حکم اصل میں تکبر ہے اور تکبر ہی کو ختم کرنے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لباس کو ممنوع فرمایا ہے۔یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ 'فان جر الازار من المخیلۃ'، ''تہمد کا ٹخنوں سے نیچے لٹکانا متکبرانہ افعال میں سے ہے''۔اور'ان اللّٰہ لا یحب المسبلین'، ''اللہ اس طرح تہمد لٹکانے والوں کو پسند نہیں کرتا''۔(مسند احمد بن حنبل)

چنانچہ، یہ بات واضح ہوئی کہ یہ لباس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تکبر کی وجہ سے ممنوع فرمایا ہے۔اور تکبر کی یہ علت آج بھی اس لباس میں موجود ہے، اس لیے آج بھی اس طرح تہمد باندھنا ممنوع ہوگا۔یہ بات بھی واضح رہے کہ صرف اسی طرح تہمد باندھنا ہی ممنوع ہے، کیونکہ علت تکبر اس کی اسی ہیئت میں پائی جاتی ہے۔اسی طرح اگر یہ علت کسی اور لباس میں پائی جائے گی تو وہ بھی،خود بخود، ممنوع قرار پا جائے گا۔مثلاً ہمارے معاشرے میں تہمد کا لٹکانا ہی ممنوع نہیں ہے، بلکہ وہ خاص طرح کے لمبے اور کھلے قمیص بھی ممنوع ہوں گے، جو اسی مقصد سے پہنے جاتے ہیں، کیونکہ ان میں بھی وہی علت موجود ہے۔

جس لباس میں یہ علت نہیں ہوگی، وہ ممنوع نہیں ہوگا۔مثلاً شلوار اس طرح ٹخنوں سے نیچے اگر لٹک کر زمین پر گھسٹ رہی ہو تو شان وشوکت اور تکبر کے بجائے آدمی کے بے سلیقہ ہونے کی علامت ہے۔اس لیے وہ اس حکم کے تحت نہیں آئے گی۔یہ بات ہم اس لیے کہہ رہے ہیں کہ محض کپڑے کا ٹخنے سے نیچے آنا جرم نہیں ہے۔اسلامی تعلیمات پر نگاہ رکھنے والے جانتے ہیں کہ گناہ اخلاقی یا تعبدی امور ہی میں ہوتا ہے۔محض ظاہری ہیئت اگر کسی اخلاقی یا تعبدی معاملے میں خرابی پیدا نہیں کرتی تو وہ بذات خود گناہ نہیں ہوسکتی۔لہٰذا لازم ہے کہ ہیئت کے ظاہر کے ساتھ کوئی اخلاقی مسئلہ وابستہ ہو، جیسے تکبر وغیرہ۔

چونکہ تہمد ایسا لباس ہے جو لٹکتے لٹکتے پاؤں میں آ پڑتا ہے، اور جیسا کہ معلوم ہے کہ یہ لباس اس معاشرت کا جز تھا اور اس سے مفر ممکن نہیں تھا، اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تہمد باندھنے

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

کا طریقہ بھی مسلمانوں کو بتایا کہ کس طرح وہ تہمد باندھ کر متکبرین کی مشابہت سے بچ سکتے ہیں۔ وہ طریقہ آپ نے یہ بتایا کہ باندھتے وقت اسے نصف ساق (پنڈلی) تک باندھا جائے۔ اس طرح باندھنے سے ہی تہمد پاؤں میں پڑنے سے بچ سکتا ہے۔ اگر اس سے نیچے باندھا جائے تو وہ لٹکتا لٹکتا پاؤں میں آ پڑے گا۔ آپ کا فرمان ہے: 'ازرة المسلم الی نصف الساق فلا جناح فیما بینه و بین الکعبین. فما کان اسفل من ذلك ففی النار' (احمد بن حنبل) ''مسلمان کے تہمد کی حد نصف ساق تک ہے۔ البتہ، نصف ساق سے ٹخنوں تک بھی کوئی حرج نہیں ہے، لیکن ٹخنوں سے آگے جو کچھ ہے، وہ آگ میں جائے گا۔''

[۱۹۹۳ء]

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

تین برے لوگ

عن عبد اللّٰه رضی اللّٰه عنه، قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم: ثلاثة لا یکلمهم اللّٰه یوم القیامة ولا ینظر الیهم ولا یزکیهم ولهم عذاب عظیم: الدیوث، والعاق بوالدیه، ومدمن الخمر. (احمد بن حنبل)

عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تین لوگ ایسے ہیں، جن سے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن، نہ کلام کریں گے، اور نہ ان پر نظر کرم فرمائیں گے، اور نہ ان کو پاک کریں گے۔ اور ان کے لیے عذابِ عظیم ہے: (ایک) اپنی بیوی سے بدکاری کرانے والا۔ (دوسرا) والدین کا گستاخ و سرکش اور (تیسرا) شراب کا خم (بلانوش شرابی)۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

شرح حدیث

توضیح کے لیے ملاحظہ فرمایے، ''اشراق''، نومبر ۱۹۹۳ء۔

اللہ نے ہمیں ایک دوسرے پر نگران بنایا ہے۔ والد اولاد کا، شوہر بیوی کا، آقا غلام کا، افسر ماتحت کا، بھائی بھائی کا، دوست دوست کا اور ہم سایہ ہم سایے کا نگران ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ مومن، مومن کا آئینہ ہے (ابوداؤد، کتاب الادب)۔ اس نگرانی کا مقصد یہ ہے کہ ہر آدمی اپنے مسلمان بھائی میں کوئی برائی دیکھے تو اس کی اصلاح کے لیے اچھے اسلوب میں اسے تلقین کرے۔ اس نگرانی کی ذمہ داری سرپرستوں، یعنی باپ پر بیٹوں، میاں پر بیوی اور افسر پر ماتحتوں کے حوالے سے اور بھی بڑھ جاتی ہے۔ اس صورت میں، ان پر لازم ہے کہ وہ تلقین ہی پر اکتفا نہ کریں، بلکہ انھیں اس برائی سے روک دیں۔ اگر وہ ایسا نہیں کریں گے تو ان کی پرسش ہو گی، جیسا کہ آپ کے فرمان 'کلکم راع و کلکم مسئول عن رعیته' میں بھی بیان ہوا ہے کہ تم سب (اپنے لوگوں کے) نگران ہو، اور تم سے، ان کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ لیکن یہ سرپرست، اگر روکنے کے بجائے، برائی کرانے والے بن جائیں تو یہ ایک نہایت ہی سنگین جرم ہے۔ مثال کے طور پر، غلام عورتوں سے بدکاری کرانے والے آقاؤں کو قرآن کی وعید ہے:

وَلَا تُكْرِهُوْا فَتَيٰتِكُمْ عَلَى الْبِغَآءِ إِنْ أَرَدْنَ تَحَصُّنًا لِّتَبْتَغُوْا عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَمَنْ يُّكْرِهْهُّنَّ فَإِنَّ اللّٰهَ مِنْۢ بَعْدِ إِكْرَاهِهِنَّ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ. (النور ۲۴: ۳۳)

''اور اپنی لونڈیوں کو متاعِ دنیا کے لیے، پیشے پر مجبور نہ کرو، جبکہ وہ عفت کی زندگی کی خواہاں ہیں، اور جو ان کو مجبور کرے گا، تو اس اکراہ کے بعد، اللہ ان کے لیے تو غفور و رحیم ہے، (البتہ، یہ لوگ اپنا انجام سوچ رکھیں، جو ان کی عفت کے ساتھ یہ گھناؤنا کھیل کھیل رہے ہیں)۔''

یہی حکم اس شوہر کے لیے ہے، جو اپنی بیوی سے بدکاری کرائے، بلکہ اس سے بھی سخت، کیونکہ

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

بیوی کے ساتھ آدمی کی غیرت بھی وابستہ ہوتی ہے۔

قرآن مجید کے مطالعے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قرآن والدین کی نافرمانی اور گستاخی کو شرک کے بعد سب سے بڑا جرم قرار دیتا ہے۔ اسی لیے قرآن مجید نے والدین کے ساتھ حسن سلوک کا جہاں جہاں حکم دیا ہے، کم و بیش، ہر جگہ، شرک کی ممانعت کے، فوراً بعد دیا ہے۔ مثلاً سورۂ بقرہ میں ہے:

لَا تَعۡبُدُوۡنَ اِلَّا اللّٰهَ وَبِالۡوَالِدَيۡنِ اِحۡسَانًا. (۲:۸۳)

''اللہ کے سوا کسی کی پرستش نہ کرو، اور والدین کے ساتھ حسن سلوک کرو۔''

اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان کی پیدایش اور پرورش میں انسان کے والدین کا بھی حصہ ہے اور والدین کے سوا یہ مرتبہ کسی کو حاصل نہیں ہے۔ چنانچہ، اگر انسان ان کا ناشکرا ہو سکتا ہے، جن کو صبح شام اپنی پرورش میں مصائب و تکالیف اٹھاتے دیکھتا ہے، تو وہ اس خدا کا شکر گزار کیوں کر رہ سکتا ہے، جو پردۂ اسباب کی اوٹ سے کرم فرما ہوتا ہے، جس نے انسان کو اس وقت والدہ کی گود فراہم کی، جب وہ ایک گھونٹ دودھ طلب کرنے کی بھی صلاحیت نہ رکھتا تھا۔

سورۂ لقمان میں اسے بڑی تفصیل سے واضح کیا گیا ہے:

وَوَصَّيۡنَا الۡاِنۡسَانَ بِوَالِدَيۡهِ حَمَلَتۡهُ اُمُّهٗ وَهۡنًا عَلٰى وَهۡنٍ وَّفِصٰلُهٗ فِىۡ عَامَيۡنِ اَنِ اشۡكُرۡ لِىۡ وَلِوَالِدَيۡكَ اِلَىَّ الۡمَصِيۡرُ. وَاِنۡ جَاهَدٰكَ عَلٰۤى اَنۡ تُشۡرِكَ بِىۡ مَا لَيۡسَ لَكَ بِهٖ عِلۡمٌ فَلَا تُطِعۡهُمَا وَصَاحِبۡهُمَا فِى الدُّنۡيَا مَعۡرُوۡفًا. (۳۱:۱۴-۱۵)

''اور ہم نے انسان کو والدین کے معاملے میں ہدایت کی۔ اس کی ماں نے دکھ پر دکھ جھیل کر اس کو پیٹ میں رکھا، اور دو سال میں اس کا دودھ چھڑانا ہوا، اور ہدایت یہ کی کہ میرا شکر گزار بن اور اپنے والدین کا بھی۔ میری ہی طرف، بالآخر، لوٹنا ہے۔ اور اگر وہ دباؤ ڈالیں کہ کسی چیز کو میرا شریک ٹھہرا، جس کے باب میں تیرے پاس کوئی دلیل نہیں، تو ان کی بات مت مان۔ (مگر

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org
"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

ان کے اس حکم کے باوجود) دنیا میں ان
کے ساتھ نیک سلوک رکھ۔''

اللہ تعالیٰ کے حق کے، معاً، بعد والدین کے حق کا یہ ذکر اس بات کی دلیل ہے کہ خدا کے بعد، سب سے بڑا حق انسان پر، اگر کوئی ہے تو ماں باپ ہی کا ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ ان سے سرکشی اللہ سے سرکشی کے بعد سب سے بڑا جرم ہے۔ چنانچہ جس طرح اللہ کا سرکش جہنمی ہے، ویسے ہی والدین کا سرکش بھی جہنمی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے، جیسا کہ اس آیت سے واضح ہے، ہر صورت میں، ان سے حسن سلوک اور ان کی فرماں برداری کا حکم دیا ہے، یہاں تک کہ شرک جیسے سنگین جرم کے لیے کہنے کے باوجود ان سے نیک سلوک کا حکم دیا ہے۔

حدیث میں 'مدمن الخمر' کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ اس طرح کا اسلوب عربیت کے قاعدے کے مطابق، اس فعل کے مبالغے اور عادت پر دلالت کے لیے اختیار کر لیا جاتا ہے۔ چنانچہ، یہاں بھی، اس سے مراد، اس شخص کا عادی شرابی اور بلانوش ہونا ہے۔ قرآن مجید میں بھی اس اسلوب کی مثالیں ملتی ہیں، سورۂ توبہ میں اللہ تعالیٰ نے منافقین کا ایک جملہ نقل کیا ہے، جس میں انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر کسی کے لیے ہمہ تن گوش ہونے اور پوری توجہ اور التفات سے بات سننے کی عادت حسنہ کی ہجو کی کہ 'ھُوَ اُذُنٌ' ''وہ تو بس کان ہی ہیں'' (۶۱:۹) یعنی ہر ایک کی بات سننے اور باور کر لینے والے۔ بعینہٖ یہی اسلوب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس روایت میں اختیار کیا ہے۔

شراب کے بارے میں قرآن مجید کا فرمان ہے:

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَیْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْہُ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ. اِنَّمَا	''اے ایمان والو، شراب، جوا، تھان، اور پانسے کے تیر، بالکل، نجس شیطانی کاموں میں سے ہیں۔ تو ان سے بچو، تاکہ تم فلاح پاؤ۔ شیطان تو بس یہ چاہتا ہے کہ تمھیں

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

يُرِيدُ الشَّيْطٰنُ أَنْ يُّوقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ فَهَلْ أَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ. (المائدہ ۵: ۹۰-۹۱)	شراب اور جوئے میں لگا کر تمھارے درمیان دشمنی اور کینہ ڈالے، اور تمھیں اللہ کی یاد اور نماز سے روکے، تو بتاؤ، کیا اب بھی تم ان چیزوں سے باز نہیں آ ؤ گے؟''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے، غالباً، اسی آیت کی توضیح میں، شراب کے بارے میں یہ سخت وعید سنائی ہے۔ اس آیۂ مبارکہ میں شراب نوشی کو شیطانی اعمال میں سے قرار دیا گیا ہے، اور یہ فرمایا ہے کہ شیطان تمھیں اس میں لگا کر اپنی مقصد براری کرتا ہے، اور روز ازل سے جو دشمنی اس کے اور بنی آدم کے درمیان چلی آ رہی ہے، اس کی بنا پر، ابن آدم کو گمراہ کرنا چاہتا ہے۔

دوسری بات یہ فرمائی ہے کہ شراب کے ذریعے سے شیطان، انسان کو ذکر الٰہی سے روکتا ہے، جبکہ اسلام نے زندگی کی تمام رفعت و عظمت ذکر الٰہی سے وابستہ کی ہے۔ جو شخص خدا سے غافل ہوا، وہ خود اپنی قدر و قیمت کو فراموش کر بیٹھا۔ 'نَسُوا اللّٰهَ فَأَنْسَاهُمْ أَنْفُسَهُمْ' (الحشر ۵۹: ۱۹) میں اسی حقیقت کی طرف اشارہ ہے۔ اللہ کی یاد انسان کو حقیقی دنیا میں رکھتی ہے۔ جس کی وجہ سے، انسان کبھی بے راہ نہیں ہوتا۔ اگر کبھی کوئی لغزش ہوتی ہے تو خدا کی یاد اسے سنبھال لیتی ہے۔ اس کے بالکل برعکس، شراب انسان کو، اس حقیقی زندگی سے کاٹ کر، خیالی دنیا میں لے جاتی ہے، اور وہ اس خیالی دنیا کا ایسا رسیا ہو جاتا ہے کہ پھر حقیقی دنیا اس کے لیے تلخ ہو جاتی ہے۔ چنانچہ، وہ اسی دل فریب دنیا کا ہو کر رہ جاتا اور اسی میں بدمست رہتا ہے۔ اور حقیقت کا سامنا کرنے کو تیار نہیں ہوتا، اور اسی حال میں، اس کی زندگی ختم ہو جاتی ہے۔

اس کی بدبختی پر غور کیجیے کہ وہ زندگی بھر خواب دیکھتا رہا، اور کبھی جاگنے اور زندگی کے بھیانک انجام پر غور کرنے کی اس نے زحمت گوارا نہ کی، اور نہ آخرت کی تیاری کے بارے میں اس نے کبھی سوچا تو کیا خدا سے اس قدر غفلت اس سزا کا باعث نہیں بننی چاہیے کہ اسے جہنم میں ڈال دیا جائے؟

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

دوسری وجہ یہ ہے کہ انسان کا اصل امتیاز، اس کی عقل اور شعور ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنی ہدایت کا مخاطب، اسی عقل و شعور ہی کی وجہ سے بنایا ہے، اور یہی چیز ہے جو اسے آزمایش کے قابل بناتی ہے، جبکہ شراب اس شعور کے لیے زہر قاتل ہے۔ جب یہ امتیازی وصف ہی نہ رہے تو پھر انسان و حیوان میں کوئی فرق نہیں ہے، بلکہ انسان جانوروں سے بھی زیادہ برا ہے:

إِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِندَ اللّٰهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ. (الانفال ۸:۲۲)	''اللہ کے نزدیک بدترین جانور یہ گونگے بہرے لوگ ہیں، جو عقل و شعور سے کام نہیں لیتے۔''

شراب، انسان کو ایسا ہی اندھا بہرا بنا دیتی ہے کہ وہ 'شر الدواب' بن کے رہ جاتا ہے۔ چنانچہ، جو جنت انسانوں کے لیے بنائی گئی ہے، اس میں جانوروں کا داخلہ چہ معنی دارد؟

[۱۹۹۳ء]

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

دین و ملت

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

فرقہ دارانہ تشدد اور اسلام

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

پاکستان میں پچھلے کئی سالوں سے فرقہ دارانہ فسادات میں اضافہ ہوا ہے۔ یہ اضافہ اس لحاظ سے نہایت سنگین ہے کہ اس عرصہ میں دو گروہوں نے اپنی شناخت ہی دو متحارب جماعتوں کی حیثیت سے بنائی ہے۔

اس فرقہ دارانہ کشاکش کے اسباب پر غور کیا جائے تو یہ بات، بلا تامل، کہی جا سکتی ہے کہ مسلمان اسلامی تعلیمات اور موجودہ زمانے کے تقاضوں سے ناواقف ہیں۔ وہ اپنی اس ناواقفیت میں بظاہر اسلام کی خاطر لڑ رہے ہیں، مگر حقیقت میں وہ اسلام کے شجر طیبہ پر کلہاڑا چلا رہے ہیں۔ وہ اسلام اور اسلام کی شخصیات کی ناموس کے دفاع میں گولی چلاتے ہیں، مگر وہ اسلام کی ردائے ناموس کو چھید ڈالتی ہے۔ وہ حق کی حمایت میں اٹھتے ہیں، مگر اس سے تقویت باطل کو ملتی ہے۔ ان کی نیت ٹھیک ہے، مگر ان کے عمل کا پھل برا ہے۔ وہ حق کے لیے مرتے ہیں، مگر ان کی شہادت باطل کو فائدہ پہنچاتی ہے۔ آخر ایسا کیوں ہے؟

اس سوال کا جواب اس کے سوا کچھ نہیں کہ ہم نے اسلام کے درخشاں اصولوں کو اپنے عمل سے نکال دیا ہے، جن سے ایک صالح معاشرہ وجود پذیر ہوتا اور جن سے اسلام کا وقار بلند ہوتا ہے۔

ہمارے ان کارناموں سے، اس وقت اسلام کے بارے میں یہ تاثر عام پایا جاتا ہے کہ یہ ایک

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

جنگجویانہ یا دوسرے لفظوں میں وحشیانہ مذہب ہے۔ یہ چیز فروغ اسلام کے لیے سودمند تو کیا، خود اسلام کی بقا کے لیے خطرہ بنی ہوئی ہے۔ مسلمانوں کے اندر اور باہر سے جتنے بھی حملے اسلام پر اس دور میں ہو رہے ہیں، ان کے اسباب پر اگر غور کیا جائے تو ان میں سب سے بڑا سبب ہم مسلمانوں کا یہ غیر مسلمانہ رویہ ہے۔

اس امن پسند دنیا، جس کا خمیر آزادی رائے سے اٹھا ہے، میں ایسا مذہب کیسے قابل قبول ہو سکتا، جس کے ماننے والے اپنے ہم مذہبوں کو بھی کسی دوسری رائے کے ساتھ جینے کا حق نہیں دیتے۔ جن کا مذہب استدلال سے کسی کو قائل نہیں کرتا، بلکہ اس کے لیے مار پیٹ اور تشدد کا ہتھیار استعمال کرتا ہے۔

یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا اسلام کا تشخص انھی اجزائے ترکیبی سے بنا ہے؟ کیا وہ، فی الواقع، مار پیٹ سے قائل کرتا ہے؟ کیا اس کے لانے والے کی سیرت میں یہی اسوہ ملتا ہے؟ کیا پیغمبر اسلام نے بھی ''گالی'' سن کر دعا کے بجائے تلوار سے انتقام لیا تھا؟ کیا قرآن نے اختلاف کے حل کا یہی طریقہ بتایا ہے کہ جو نہ مانے اس کی گردن ماردی جائے؟ کیا دین نے انسانی جانوں کو اتنا ہی ارزاں قرار دیا ہے کہ جانوروں کی طرح انھیں، جب چاہے، ذبح کر دیا جائے؟ ظاہر ہے، دین کی بصیرت رکھنے والا کوئی بھی شخص اس کا مثبت جواب نہیں دے سکتا۔

اس لیے کہ اسلام نے گالی دینے کے جواب میں بھی ایک اخلاقیات سکھائی ہے اور قائل نہ ہونے والے کے مقابلے میں یہ طریقہ بھی بتایا ہے کہ بات پہنچاؤ، داروغہ نہ بنو۔ اسی طرح اس نے انسانی جانوں کی حرمت کو بیت اللہ کے برابر قرار دیا۔ انسانی جان کی بے حرمتی، گویا بیت اللہ کی بے حرمتی ہے۔

یہی نہیں، بلکہ اس نے ایک بنیادی اصول یہ دیا ہے کہ تمام انسان آدم وحوا کی اولاد ہونے کے ناتے سے برابر ہیں۔ تمام نسل انسانی ایک ہی آدم کا گھرانا ہے۔ سب کو اللہ تعالیٰ نے ایک آدم وحوا سے پیدا کیا ہے۔ نسل آدم ہونے کے اعتبار سے سب برابر ہیں۔ اس لحاظ سے عربی وعجمی، احمر و اسود اور مشرقی ومغربی میں کوئی فرق نہیں ہے۔ سب آدم کی اولاد ہیں۔ رحم کا رشتہ سب کے درمیان

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

مشترک ہے۔ اس تعلق کا فطری تقاضا ہے کہ سب انسان آپس میں مہر و محبت، حق وانصاف اور باہمی خیر خواہی کے تعلقات رکھتے ہوئے بھائیوں کی طرح رہیں۔ کوئی کسی سے افضل نہ ہو اور کوئی کسی سے ادنیٰ قرار نہ پائے۔

کسی کی ذات پات، فکر و فلسفہ یا دین و مذہب نہ اسے انسان ہونے میں بڑا کر سکتے ہیں اور نہ چھوٹا۔ کسی برگزیدہ ہستی سے آدمی کا تعلق اسے آدم سے برتر نسل میں نہیں لے جا سکتا اور ایک غریب و مسکین آدمی کے نسب سے ہونا اسے آدم کی نسل سے خارج نہیں کر سکتا۔ کسی کا اعلیٰ دین اسے نسب میں اعلیٰ نہیں بناتا اور کسی کا کم تر دین کسی کو نسب میں کم تر نہیں کرتا۔ سب برابر رہتے ہیں۔ اس بات کو قرآن مجید نے واضح کیا ہے، وہ فرماتا ہے:

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ. ”اے لوگو، اپنے اس رب سے ڈرو، جس نے تمھیں ایک ہی جان سے پیدا کیا۔“

(النساء ۴:۱)

مراد یہ ہے کہ یہ خلق آپ سے آپ وجود میں نہیں آ گئی، بلکہ خدا کی پیدا کی ہوئی ہے۔ جو سب کا خالق بھی ہے اور سب کا پالنے والا بھی۔ اس لیے کسی کے لیے بھی جائز نہیں ہے کہ اسے بے مالک اور بے راعی کا گلہ سمجھ کر اس میں فساد برپا کرے، اس میں دھاندلی مچائے اور اسے اپنے ظلم و تعدی کا نشانہ بنائے، بلکہ یہ لازم ہے کہ وہ اس کے معاملات میں حق وانصاف اور ہمدردی و رحم دلی کی روش اختیار کرے، ورنہ یاد رکھے کہ خدا بڑا زورآور، بڑا منتقم اور بڑی گرفت رکھنے والا ہے۔ چنانچہ جو اللہ کی مخلوق کے معاملے میں ظلم و تعدی کرے گا، وہ اس کے قہر و غضب سے نہ بچ سکے گا۔

جس طرح تمام نسل انسانی آدم کی اولاد ہے، اسی طرح تمام بنی نوع انسان خدا کی مخلوق بھی ہے۔ جس طرح انسان ہونے کے حوالے سے کسی انسان میں کوئی فرق نہیں ہے، اسی طرح ایک خالق کی مخلوق ہونے میں بھی ان کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے۔ چنانچہ خدا کی نظر میں سب انسان برابر ہیں، اس لیے کسی کے ساتھ ظلم روا نہیں ہے۔ کسی کی جان لینا اللہ کی رعیت میں ایک فرد کی جان لینا ہے۔ یہ خدا کی حدود میں مداخلت ہے، جسے وہ کسی طرح معاف نہیں کرے گا۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org
"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

جب ہم کسی کو شیعہ اور سنی قرار دے کر اس کی جان لے لیتے ہیں، تو صرف اس کی جان ہی نہیں لیتے، صرف اس کے گھر ہی کو اجاڑ نہیں دیتے، اس کے لواحقین ہی کو بے سہارا نہیں کرتے، بلکہ خدا کے گھر میں نقب لگا دیتے ہیں۔

اس قتل وغارت میں حصہ لینے والے ہر شخص کو آگاہ رہنا چاہیے کہ اس نے اپنے مخالف کی جان لے کر ایک جرم نہیں کیا، کئی جرم کیے ہیں۔ صرف مخلوق خدا ہی کو تنگ نہیں کیا، بلکہ خدا کے گھر میں بھی نقب لگائی ہے۔ اپنے مخالف ہی کو نہیں مارا، اپنے ایک ماں جائے کا خون بھی کیا ہے۔ وہ قابیل ہے، جس نے نسل انسانی کا خون کر دیا ہے۔ اسے نہ نوع انسانی معاف کرے گی اور نہ خدا۔ وہ دونوں کا مجرم ہے۔

[۱۹۹۷ء]

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

خلافت راشدہ کا دوبارہ قیام

عن حذیفة رضی اللّٰه عنه، قال: کان الناس یسئلون رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم عن الخیر، وکنت اسئله عن الشر مخافة ان یدرکنی [وان اللّٰه بعث نبیه علیه الصلوٰة والسلام فدعا الناس من الکفر الی الایمان و من الظلالة الی الهدی، فاستجاب من استجاب، فحی من الحق ما کان مات، ومات من الباطل ما کان حیّاً[1]] فقلت: یارسول اللّٰه، انا کنا فی جاهلیة وشر فجاء نا اللّٰه بهذا الخیر فهل وراء هذا الخیر شر؟ قال: نعم، تکون النبوة فیکم ما شاء اللّٰه ان تکون، ثم یرفعها اذا شاء ان یرفعها، ثم تکون الخلافة علی منهاج النبوة، ثم یرفعها اذا شاء ان یرفعها، ثم یکون ملکاً

---

[1] احمد بن حنبل، عن حذیفہ بن الیمان۔

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

عـاضـاً، فيـكـون ما شاء اللّٰه ان يكون، ثـم يرفعها اذا شاء ان يـرفـعهـا، ثـم تـكـون ملكا جبرية، [ثم تكون ما شاء اللّٰه ان تـكـون ثـم يرفعها اذا شاء ان يرفعها][2] قـلـت: هل وراء ذالك الشـرخيـر؟ قـال: نـعـم، ثم تكون خلافة على منهاج النبوة، وفيـه دخـن قـلـت ومـا دخـنه، قال: قوم يستنون بغير سنتى ويهدون بغير هدى، تعرف منهم وتنكر وسيقوم فيهم رجال، قلوبهم شياطين فى جثمان انس، قلت هل وراء ذالك الخير شـر؟ قـال: نـعم، [دعاة على ابواب جهنم، من اجابهم اليها قـذفوه فيها][3] [قـلـت يـا رسول اللّٰه، صفهم لنا، قـال هم من جـلدتنا ويتكلمون بألسنتنا، ثم سكت][2] [قلت: فما تامرنى ان ادركـنى ذالك؟ قال: تلزم جماعة المسلمين][3] [وتسمع و تطع الامير، وان ضرب ظهرك واخـذ مالك فاسمع واطع، قلت: فـان لم تكن لهم جماعة ولا امام؟ قال: فاعتزل تلك الفرق كـلهـا ولـو ان تـعـض بأصل شجرة حتى يدركك الموت، وانت على ذالك][4] [قـال حبيب فلما قام عمر بن عبد العزيز، وكـان يـزيد بن النعمان بن بشير فى صحابته، فكتبت اليه بهذا

---

[2] احمد بن حنبل، عن حذیفہ بن الیمان۔

[3] مسلم، عن حذیفہ، فی کتاب الامارہ۔

[4] مسلم، عن حذیفہ، فی کتاب الامارہ۔

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

الحديث اذكره اياه، فقلت له: انى ارجو ان يكون امير المومنين يعني: عمر، بعد الملك العاض والجبرية . فادخل كتابى على عمر بن عبد العزير، فسريه واعجبه] (مسلم، کتاب الایمان)

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ لوگ عام طور سے 'خیر' کے بارے میں سوال کیا کرتے تھے، لیکن میں آنے والے فتنوں کے بارے میں سوال کیا کرتا تھا کہ مبادا ان فتنوں میں پڑ کر اپنا ایمان کھو دوں۔ اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا، آپ نے لوگوں کو کفر چھوڑنے اور ایمان لانے کی دعوت دی، اور گمراہی سے نکال کر ہدایت کی طرف بلایا، پھر جس نے ایمان لانا تھا، لے آیا۔ آخرکار آپ کی دعوت سے حق زندہ ہو گیا اور باطل نے دم توڑ دیا۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: یارسول اللہ، ہم آپ سے پہلے گمراہی اور جہالت میں گرفتار تھے تو اللہ نے ہمیں آپ کی نبوت سے سرفراز کیا، مگر یہ بتائیے کہ کیا اس خیر کے بعد بھی فتنوں کے آنے کا امکان ہے؟ آپ نے فرمایا: ہاں، جب تک اللہ چاہے گا، یہ نبوت تمھارے درمیان قائم رہے گی اور پھر اللہ اسے، جب چاہے گا، اٹھا لے گا، اس کے بعد نبوت کے طرز پر خلافت قائم ہوگی اور جب تک اللہ چاہے گا، قائم رہے گی، پھر اسے بھی اللہ، جب چاہے گا، اٹھا لے گا، جس کے بعد استبدادی حکومت قائم ہوگی اور جب تک اللہ چاہے گا، قائم رہے گی۔ پھر اسے بھی، جب چاہے گا، اٹھا لے گا۔ اس کے بعد استحصالی حکومت قائم ہوگی اور جب تک اللہ چاہے گا، قائم رہے گی، پھر اسے بھی، جب چاہے گا، اٹھا لے گا۔ تو میں نے عرض کی: یارسول اللہ، کیا اس شر کے بعد خیر کا دور آئے گا؟

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

آپ نے فرمایا: ہاں، پھراس کے بعد دوبارہ نبوت کی طرز پر خلافت قائم ہوگی، مگراس میں رخنے ہوں گے۔ میں نے عرض کیا: یہ رخنے کیسے ہوں گے؟ آپ نے فرمایا: اس میں ایسے لوگ ہوں گے، جو نہ میری ہدایت کی پیروی کریں گے، اور نہ میری سنت پر عمل کریں گے، ان سے معروف ومنکر، دونوں طرح کے عمل صادر ہوں گے۔ ان میں ایسے لوگ اٹھیں گے جن کے جسموں میں شیطانوں کے دل ہوں گے۔ تو میں نے عرض کی: یارسول اللہ، اس خیر کے بعد، کیا پھر شر کا زمانہ آجائے گا؟ آپ نے فرمایا: ہاں، اس کے بعد ایسے داعی پیدا ہوں گے جو، گویا، جہنم کے دروازوں پر کھڑے لوگوں کو پکاریں گے، جس نے ان کی بات مان لی، وہ اسے جہنم میں لے جائیں گے۔ میں نے عرض کی: یہ لوگ کیسے ہوں گے؟ آپ نے فرمایا: یہ ہمارے جیسے ہوں گے اور ہماری ہی زبان بولیں گے۔ پھر آپ خاموش ہو گئے تو میں نے پوچھا: اگر میں ان فتنوں میں گھر جاؤں تو کیا کروں؟ آپ نے فرمایا: مسلمانوں کے اجتماعی نظم سے منسلک رہنا اور امام المسلمین کے مطیع وفرماں بردار رہنا، خواہ تمھیں مارا پیٹا جائے اور تمھارا مال تم سے چھین لیا جائے، تب بھی اس کی اطاعت کرتے رہنا۔ تو میں نے پوچھا: اور اگر ان میں حکومت نہ ہوئی اور نہ ان کا کوئی حکمران ہوا تو پھر کیا کروں؟ آپ نے فرمایا: پھر ان گروہ بندیوں کو چھوڑ کر الگ ہو جانا، خواہ اس کے لیے تمھیں کسی درخت کی کھوہ ہی میں رہنا پڑے اور اسی حالت میں تمھیں موت آجائے۔ حبیب کہتے ہیں کہ جب عمر بن عبدالعزیز خلیفہ ہوئے اور وہ نعمان بن بشیر ان کے قریبی ساتھیوں میں سے تھے تو میں نے ان کو یہ حدیث یاد دلاتے ہوئے لکھا کہ میرا خیال ہے کہ امیر المومنین عمر بن

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

عبدالعزیز استبدادی اور استحصالی حکومتوں کے بعد برسر اقتدار آئے ہیں، ان کی حکومت یقیناً، خلافت علی منہاج النبوہ ہے۔ ان کو یہ خط دے کر خوش خبری سناؤ اور انھیں خوش کرو۔

شرح حدیث

''ملک عاض''، یعنی استبدادی حکومت اس سے مراد سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد کا زمانہ ہے۔ یہ دور عبداللہ بن زبیر کی خلافت کے انعقاد پر ختم ہوا۔

''ملک جبریہ''، یعنی استحصالی حکومت۔ اس سے مراد حضرت عمر بن عبدالعزیز سے پہلے کی وہ حکومت ہے جو عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی حکومت کے بعد شروع ہوئی، جس میں ذاتی دشمنیوں کی بنا پر خلیفۃ المسلمین نے محمد بن قاسم اور موسیٰ بن نصیر جیسے لوگ بے دریغ قتل کر دیے تھے۔ حکمران، عامۃ الناس کے اموال اور جائدادیں بلا جھجک ہڑپ کر رہے تھے اور عوام الناس کا کوئی پرسان حال نہیں تھا۔ یہی وہ استحصالی حکومت ہے، جو عبدالملک بن مروان کے ہاتھوں وجود میں آئی، جس نے حجاج کو ملک حجاز کا حاکم بنایا، جس کے ہاتھوں عبداللہ بن عمر اور حضرت انس جیسے صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم پر ظلم وستم ہوا اور مدینہ منورہ کے عوام وخواص کو قتل عثمان کا مجرم قرار دے کر ستایا گیا۔ یہی حکومت آگے چل کر مختلف ہاتھوں سے ہوتی ہوئی عمر بن عبدالعزیز کے ہاتھ آئی۔

''خلافت علی منہاج النبوہ''، یعنی نبوت کی طرز پر دوبارہ قائم ہونے والی حکومت۔ اس سے مراد عمر بن عبدالعزیز کی حکومت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح کی جتنی پیش گوئیاں کی ہیں، ان کی حیثیت اصل میں دلیل نبوت کی ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور کے بعد جلد ہی پوری ہو جائیں تاکہ دلیل نبوت بن سکیں۔ ہماری اس رائے کی تائید میں اسی روایت میں بعض اشارے بھی موجود ہیں جن کی وضاحت ہم ان کے مقام پر کریں گے۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org
"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

یعنی، اس میں کچھ رخنے ہوں گے۔ اگرچہ خلیفہ تو نبوت کی طرز پر حکومت کرے گا، مگر اس میں کچھ ایسے لوگ بھی ہوں گے، جو شریعت اسلامیہ کے خلاف عمل کریں گے، سنت کی خلاف ورزی کریں گے اور نہی عن المنکر اور امر بالمعروف کا فریضہ ادا کرنا تو الگ رہا، وہ خود منکرات کا ارتکاب کریں گے، حتیٰ کہ انھیں معروف و منکر میں کوئی امتیاز ہی نہیں ہوگا۔ یہ شکل وصورت سے تو انسان ہی دکھائی دیں گے، مگر ان کے سینوں میں شیطانی دل ہوں گے۔ اسی میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ دوبارہ قائم ہونے والی خلافت راشدہ کی بنیادیں گہری اور مضبوط نہیں ہوں گی، بلکہ شخص واحد، یعنی عمر بن عبدالعزیز کے سہارے ہی پر قائم ہوگی۔ جوں ہی یہ شخص اٹھ جائے گا، خلافت راشدہ بھی ختم ہو جائے گی۔ اور اس سے اس بات کی طرف بھی اشارہ نکلتا ہے کہ یہ خلافت کسی عمومی انقلاب کی وجہ سے وجود میں نہیں آئے گی، بلکہ اتفاقاً حکومت کے کسی خدا ترس کے ہاتھ میں منتقل ہو جانے سے وجود پذیر ہوگی۔ چنانچہ، اس روایت سے، موجودہ دور میں، بعض لوگوں کا یہ استدلال ٹھیک نہیں ہے کہ ملت اسلامیہ زوال کے بعد دوبارہ بیدار ہوگی اور اس میں عمومی انقلاب آئے گا، جس کے بعد دنیا ایک مرتبہ پھر 'خلافت علیٰ منہاج النبوۃ' کا دور دیکھے گی۔ یعنی یہ خلافت بھی جلد ہی ختم ہو جائے گی اور ''منہاج النبوۃ'' پر قائم نہیں رہے گی، اس کے بعد پھر وہی شر کا دور شروع ہو جائے گا۔

آپ نے یہاں 'دعاۃ' کا لفظ استعمال کیا ہے۔ اس سے آپ کا اشارہ ان فرقوں اور گروہوں کی طرف ہے، جو نئے افکار اور فلسفیانہ مذہب لے کر اٹھے اور طویل عرصے تک عالم اسلام کے علمی وفکری افق پر چھائے رہے، ان افکار و مذاہب میں فتنۂ باطنیت، فلسفۂ یونان، شیعیت اور تصوف سرفہرست ہیں۔ ان افکار باطلہ پر ایک طویل عرصے کے بعد امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے پر زور تنقید کی اور یہ ثابت کیا کہ ان نظریات کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ انھی کے بعد ان افکار باطلہ کا زور ٹوٹا، لیکن ابھی تک عالم اسلام ان بیرونی افکار کے غلبہ اور استیلا سے نہیں نکل سکا۔ آج بھی اسے اس طرح کے کئی افکار و نظریات کی یلغار کا سامنا ہے، نعوذ باللہ ان نکون من المبتدعین۔

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خاموشی سے علما نے یہ مطلب لیا ہے کہ اس خلافت کے بعد اچھے اور برے ادوار آتے رہیں گے اور یہی بات ہمارے نزدیک صحیح ہے۔

یعنی اس کے باوجود کہ حکومت، اسلام کی خلاف ورزی کر رہی ہو اور حق کی راہ سے ہٹ چکی ہو، تب بھی اس کے مطیع و فرماں بردار رہنا، کہیں ایسا نہ ہو کہ تم یہ خیال کرو کہ اب یہ حکومت اس معیار پر نہیں رہی، اس لیے اس کی اطاعت ضروری نہیں، یہ خیال بالکل غلط ہے، کیونکہ اسلام یہ پسند نہیں کرتا کہ مسلمان اپنی ریاست کے نظم سے کسی حال میں بھی الگ ہوں، اس لیے تم نظم ریاست سے منسلک رہنا اور پہلے کی طرح اس کی اطاعت کرتے رہنا۔ اگر تم اس کی اطاعت سے باہر نکلے تو یہ سمجھ لو کہ تم اللہ کی اطاعت سے نکل گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: 'من رای من امیره شیئا یکره فلیصبر علیه فانه من فارق الجماعة شبرًا فمات الامات میتة جاھلیة' (بخاری، کتاب الفتن) ''جس نے اپنے امیر کی طرف سے کوئی ناپسندیدہ بات دیکھی، اسے چاہیے کہ وہ صبر کرے، کیونکہ جو ایک بالشت کے برابر بھی جماعت سے الگ ہوا اور اسی حالت میں مر گیا، اس کی موت جاہلیت پر ہوئی۔''

یعنی، اگر مسلمانوں میں حکومت نہ ہوئی اور نہ وہ کسی رہنمائی پر مجتمع ہو سکیں تو پھر تم ان گروہ بندیوں سے الگ رہنا۔ اس حکم کا تعلق انتشار و افتراق کی صورت حال سے ہے۔ چنانچہ، اگر مسلمان اپنی ریاست میں کسی ایک حکمران پر جمع نہ ہو سکیں تو اس طرح کے مواقع پر ایک مسلمان کے لیے یہی حکم ہے کہ وہ اس انتشار و افتراق کا حصہ نہ بنے اور تلوار اٹھانے والوں کا ساتھی ہرگز نہ بنے۔

یعنی ان کی رائے میں بھی اس 'خلافت علی منہاج النبوة' کا مصداق سیدنا عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کی خلافت ہی ہے، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ پیشین گوئی عمر بن عبدالعزیز کی خلافت کے قیام پر پوری ہوئی۔ اس میں یقیناً عمر بن عبدالعزیز کے لیے ایک بڑی خوش خبری تھی۔

[۱۹۹۳ء]

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

تہتر فرقے

عـن عـوف بن مالك قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: [ليـاتيـن عـلـى امتـى ما اتى على بنى اسرائيل، مثلا بـمثـل، حـذو الـنعل بالنعل، حتى لو كان فيهم من نكح امه عـلانية، كـا ن فى امتى مثله. إن بـنى اسرائيل[1]] افتـرقت على إحـدى و سبـعين فرقة . وإفتـرقـت الـنـصــارى عـلى ثنتين وسبعين فرقة . والـذى نـفس محمد بيده لتفترقن امتى على ثـلاث وسبـعيـن فرقة، واحدة فى الجنة وثنتان وسبعون فى النار. قيل: يـا رسـول اللّٰه، من هم؟ قال: 'الجماعة'،[ومـا انا عليه واصـحابى[2]][ويـخـرج فـى امتـى، اقوام تتجارى بهم تلك

۱؎ یہ الفاظ حاکم کی ''المستدرک''، میں اسی مضمون کی ایک روایت سے لیے گئے ہیں۔(۱۲۹/۱)

۲؎ یہ الفاظ حاکم کی ''المستدرک''، میں اسی مضمون کی ایک روایت سے لیے گئے ہیں۔(۱۲۹/۱)

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

الاھواء کما تتجاری الکلب بصاحبه، فلا یبقی منه عرق ولا مفصل الا دخله[3]] (ابن ماجہ، کتاب الفتن)

عوف بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت پر، یقیناً وہ سب کچھ گزرے گا، جو یہود پر گزرا، حتیٰ کہ اگر ان کے کسی آدمی نے علانیہ اپنی ماں سے نکاح کیا ہوگا تو میری امت میں بھی ایسا ہوگا (اور تفرقے میں تو یہ ان امتوں سے بھی بڑھ جائے گی)۔ یہود اکہتر فرقوں میں بٹے اور نصاریٰ بہتر میں اور خدا کی قسم، میری امت تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی، جن میں سے ایک کے سوا باقی سب دوزخ میں جائیں گے۔ پوچھا گیا کہ یہ (جنتی) کون ہوں گے؟ آپ نے فرمایا: 'الجماعۃ' سے التزام رکھنے والے اور میری اور میرے صحابہ کی اس سنت پر قائم رہنے والے۔ اور آگاہ رہو کہ میری امت میں ایسے لوگ اٹھیں گے، جن میں اس طرح کی خواہشات ایسے سرایت کیے ہوئے ہوں گی جیسے کتے کے کاٹنے سے دیوانگی آدمی کے ریشے ریشے اور رگ رگ میں سرایت کر جاتی ہے کہ جسم کا کوئی حصہ اس سے بچا نہیں رہتا۔

شرح حدیث

'سبعون' اور اسی طرح 'بضع و سبعون' عربی زبان میں کثرت کی تعبیر کے لیے آتے ہیں، مثلاً اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: 'اِنۡ تَسۡتَغۡفِرۡ لَهُمۡ سَبۡعِيۡنَ مَرَّةً فَلَنۡ يَّغۡفِرَ اللّٰهُ لَهُمۡ[4]'' 'تم ان کے

[3] یہ الفاظ حاکم کی ''المستدرک'' میں اسی مضمون کی ایک روایت سے لیے گئے ہیں۔ (۱۲۹/۱)

[4] التوبہ ۹: ۸۰۔

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

لیے خواہ ستر بار استغفار کرو، اللہ انھیں ہرگز نہیں بخشے گا''۔ اس طرح کے الفاظ سے کوئی متعین عدد مراد نہیں ہوتا، بلکہ اس سے بعض اوقات کثرت مراد ہوتی اور بعض اوقات یہ الفاظ مبالغے کے لیے آتے ہیں۔ اس لیے بعض شارحین نے اس حدیث کی شرح میں بھی اس رائے کو اختیار کیا ہے۔ مذکورہ مفاہیم کے لیے 'سبعون' یا 'بضع و سبعون' کے نظائر تو کلام عرب میں ملتے ہیں، لیکن 'احد و سبعون' یا 'اثنان و سبعون' کے نظائر نہیں مل سکے۔ یہی وجہ ہے کچھ اہل علم نے اس کے معنی متعین عدد ہی کے لیے ہیں۔ اس لیے انھیں اس بات پر اصرار ہے کہ امت قیامت تک، تہتر یا بہتر فرقوں میں ضرور بٹ چکی ہو گی، لیکن اس پر ایک تاریخی اعتراض یہ وارد ہوتا ہے کہ اب تک تو تہتر سے زیادہ فرقے وجود میں آ چکے ہیں، لہٰذا اس بات سے پہلے نقطۂ نظر ہی کو تقویت ملتی ہے۔

ہمارے خیال میں نہ یہ تکثیر کا عدد ہے اور نہ اس سے کوئی متعین عدد مراد ہے، بلکہ یہ تمثیل کا اسلوب ہے۔ اسے اس موقعے پر استعمال کیا جاتا ہے، جب ایک فریق کو دوسرے کے مقابلے میں کسی کام میں آگے بڑھ جانے پر تنبیہ کرنا مقصود ہو۔ یہاں اس سے مراد یہ ہے کہ ملت اسلامیہ آگاہ رہے کہ یہ تفرقے میں یہود و نصاریٰ سے بھی بڑھ جائے گی۔ 'اِن بنی اسرائیل اِفترقت علی إحدی و سبعین فرقة و إفترقت النصاری علی ثنتین و سبعین فرقة. والذی نفس محمد بیده، لتفترقن امتی علی ثلاث و سبعین فرقة، واحدة فی الجنة وثنتان و سبعون فی النار'۔ اس تمثیل میں آپ نے یہ فرمایا ہے کہ نصاریٰ کے بہتر اور مسلمانوں کے تہتر فرقے ہوں گے۔ یہ زبان کا ایک عام اسلوب ہے، جس میں کسی لفظ سے فائدہ اٹھا کر بات میں زور پیدا کر لیا جاتا ہے۔ مثلاً جب یہ کہا جائے کہ اے فلاں، وہ تین مرتبہ گڑھے میں گرا ہے تو تم چار مرتبہ گرو گے۔ یہاں کہنے والے کی مراد یہ نہیں ہے کہ وہ دونوں گن کر تین بار یا چار بار گریں گے، بلکہ اس کی مراد یہ ہے کہ تم اس سے بھی زیادہ گرو گے۔ بالکل اسی اسلوب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہود اکہتر فرقے بنے تو تم تہتر فرقوں میں تقسیم

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

ہو گے۔ہم نے اس بات کو ترجمے میں کھول دیا ہے۔

’فرقة‘ یہاں مکتب فکر کے معنی میں نہیں بولا گیا، بلکہ یہاں یہ مفارقت ’الجماعة‘ یا مفارقت دین اختیار کرنے والے گروہ، یعنی ’من فارق الجماعة‘ پر عامل اور ’ما انا علیه و اصحابی‘ کے تارک کے معنی میں بولا گیا ہے، جس کے بارے میں رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہے کہ جو اس حالت میں دنیا سے گیا، وہ جاہلیت کی موت مرا۔یعنی ان فرقوں سے مراد حنفی یا شافعی ہونا نہیں ہے، بلکہ اس سے مراد وہ فرقے ہیں جو ملت اسلامیہ کو سیاسی یا دینی بنیادوں پر چھوڑ کر الگ ہو گئے، مثلاً خوارج، سبائیہ اور اسماعیلیہ وغیرہ۔اس کو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ سے واضح فرما دیا ہے کہ جس نے میرے اور میرے صحابہ کی سنت کو ترک کیا یا ’الجماعة‘ سے تخلف اختیار کیا، وہ فرقہ دوزخی ہے۔

’الجماعة‘ سے مسلمانوں کا نظم اجتماعی یعنی ’ریاست اسلامیہ‘ مراد ہے۔اس میں ہمیں یہ حکم دیا گیا ہے کہ فرقوں میں بٹنے سے اگر ہم بچنا چاہتے ہیں تو اس کا ایک ہی طریقہ ہے کہ ہم اپنے نظم اجتماعی کے ساتھ وابستہ رہیں۔جو گروہ اپنے نظم اجتماعی کے ساتھ وابستہ رہے گا وہی ’الجماعة‘ ہے۔یہ اصل میں ملت کو سیاسی سطح پر بھی متحد کرنے یا رکھنے کے لیے سعی و جہد کا نام ہے۔یہ اتحاد ان شرائط میں سے ہے، جو ملت کو منصب امامت پر فائز ہونے کے لیے پوری کرنی ہیں۔

’ما انا علیه و اصحابی‘ سے مراد وہ دین ہے، جس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم عمل پیرا رہے۔دین وملت میں پھوٹ سے بچنے کے لیے یہ دوسرا حکم ہے کہ اس دین پر قائم رہو جو میں دے کر جا رہا ہوں اور جس پر میرے یہ قریبی ساتھی (صحابہ) عمل پیرا ہیں۔

اس حدیث کے بارے میں یہ بات واضح رہے کہ اس میں وارد پیشین گوئی کا تعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دور اور اس کے بعد کے قریبی زمانے سے ہے۔قیامت تک کے زمانوں تک اس کا امتداد صحیح نہیں ہے۔احادیث میں، علامات قیامت کے سوا جتنی بھی پیش گوئیاں وارد ہیں، سب میں بالعموم یہی بات ملحوظ رہنی چاہیے، اس لیے کہ اس اصول کے بغیر پیشین گوئیاں سمجھ ہی میں نہیں

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

آ تیں۔اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ ان تمام پیشین گوئیوں کی حیثیت دلیل نبوت کی بھی ہے۔اس لیے یہ لازم ہے کہ وہ اوائل اسلام ہی میں پوری ہوں تاکہ دلیل نبوت بن سکیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ ان تمام پیشین گوئیوں میں، بالعموم، سرزمین عرب ہی سے متعلق پیشین گوئیاں ہوئی ہیں اور یہ بات علامات قیامت والی روایتوں میں بھی بالعموم ملحوظ ہے۔ چنانچہ ہماری رائے میں، اس روایت کا دور آپ کے بعد کا قریبی زمانہ ہے، جس میں خوارج وسبائیہ اور جبریہ وقدریہ جیسے فرقے وجود میں آئے۔ جن کی وجہ سے سرزمین عرب میں سیاسی ودینی انتشار پیدا ہوگیا اور دیر تک عالم اسلام کے لیے ایک مسئلہ بنا رہا۔ چنانچہ یہ انھی روایتوں میں سے ایک روایت ہے، جن کا تعلق خوارج کے زمانۂ ظہور سے ہے۔ جن کا ظہور حضرت علی کی خلافت کے زمانے میں ہوا۔اس روایت کے آخری جملوں سے بھی ہماری رائے کی تائید ہوتی ہے۔ جن میں یہ بتایا گیا ہے کہ میری امت میں ایسے فتنہ پرداز پیدا ہوں گے جن میں انتشار پسندی اور فرقہ سازی جنون کی حد تک ہوگی۔ان کی اگر کوئی مثال تاریخ اسلام میں دکھائی دیتی ہے تو وہ خوارج اور سبائی ہیں۔

اوپر کی توضیحات کے بعد حدیث کا سادہ مفہوم کچھ یوں ہوگا:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری ملت اپنی اس خیر قرون (بہترین دور) کے بعد، اگلی امتوں کی طرح بگاڑ کا شکار ہوگی۔ اور ہر وہ برائی کرے گی جس میں پہلی امتیں مبتلا ہوئیں، حتیٰ کہ اگر ان کے کسی آدمی نے اپنی ماں سے بدکاری کی ہوگی تو میری امت میں بھی ایسا ہوگا۔ یہود انتشار کا شکار ہوئے تھے تو نصاریٰ ان سے زیادہ ہوئے اور مسلمان ان سے بھی بڑھ جائیں گے۔ یہ سب فرقے دوزخ میں جائیں گے، سوائے اس فرقے کے جو آپ اور صحابہ کی سنت پر قائم اور نظم اجتماعی سے وابستہ رہے گا۔ اس افتراق کی ایک وجہ یہ ہوگی کہ میری امت میں کچھ ایسے لوگ پیدا ہوں گے جن میں فرقہ بندی یا جتھا سازی جیسی خواہشات جنون کی حد تک ہوں گی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ملت اسلامیہ کا برائی کی طرف سفر ایک تاریخی حقیقت ہے۔ انبیا ورسل اپنی اپنی امتوں کو خیر قرون میں چھوڑ کر گئے، مگر بعد میں وہ گمراہی کی طرف بڑھتی چلی گئیں۔ اسی

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

تاریخی حقیقت کو آپ نے پیش نظر رکھتے ہوئے فرمایا کہ میری امت پہلی امتوں کی، نعل بالنعل، پیروی کرے گی۔ اس مضمون کی اور بھی کئی روایتیں ہیں، جن میں آپ نے اس دردانگیز حقیقت کا اظہار کیا ہے۔ مثلاً آپ کا فرمان ہے:

خیر الناس قرنی، ثم الذین یلونهم ثم الذین یلونهم. (بخاری، کتاب الشہادات)	''سب سے بہتر لوگ میرے دور کے ہیں، پھر وہ جو میرے دور کے لوگوں کے بعد آئیں گے، پھر وہ جو ان کے بعد آئیں گے۔''

اسی طرح آپ کا فرمان ہے:

بدأ الاسلام غریباً سیعود کما بدأ غریبًا. (مسلم، کتاب الایمان)	''اسلام شروع ہوا تو اجنبی تھا، عنقریب پھر پہلے کی طرح اجنبی ہو جائے گا۔''

اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ مفصل روایت بھی ہے، جس میں آپ نے خلافت کے خاتمے اور دوبارہ احیا کی خبر دی ہے۔ اس میں آپ نے فرمایا ہے کہ ہم نے خلافت قائم کی ہے، مگر جلد ہی وہ ملوکیت و جبریت میں بدل جائے گی۔ اور ایک مرتبہ دوبارہ قائم ہو کر کس طرح پھر دم توڑ جائے گی۔ آپ نے فرمایا کہ اس خلافت کے ساتھ ہی 'داعیان جہنم' کا دور شروع ہو جائے گا۔ یہ اس فکری پستی کی طرف اشارہ ہے، جس میں امت دوسری تیسری صدی ہی میں گر گئی تھی۔ یہ وہ دور ہے جب فکر یونان اور منطق کا شور و غوغا ہوا۔ امت کے اہل علم کا ایک گروہ اس پستی میں جا گرا کہ انھوں نے ذات خداوندی کو بھی منطق کے ثبوت کا محتاج تصور کیا۔ اس سارے دور میں وہ زمانہ بھی آ گیا کہ قرآن کا استدلال ان اہل علم کے ہاں بودا قرار پایا۔ چنانچہ، اہل علم سے یہ بات پوشیدہ نہیں ہو گی کہ اس سارے علم کلام میں کہیں قرآنی استدلال کی رمق بھی دکھائی نہیں دیتی۔

امت کے اس انحطاط کی خبر قرآن نے بھی دی ہے۔ قرآن مجید نے اگرچہ کوئی تفصیلی خبر نہیں دی، بس ایک اشارہ کیا ہے۔ یہ اشارہ ہمارے نزدیک ان تمام روایتوں کی بنیاد ہے جن میں آپ نے اس طرح کے انحطاط کی خبر دی ہے۔ قرآن مجید نے یہ بات سورۂ واقعہ میں جنتی گروہوں کا ذکر

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org
"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

کرتے ہوئے فرمائی ہے کہ جنتی لوگ جن گروہوں میں بٹ جائیں گے، ان میں ایک گروہ سابقون کا ہوگا۔اس گروہ کے بارے میں قرآن مجید نے یہ تفصیل دی ہے کہ وہ 'ثلة من الاولین و قلیل من الاخرین' ہوگا۔یعنی اگلوں میں سے بہت بڑی تعداد میں اور پچھلوں میں سے تھوڑی تعداد میں۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ آہستہ آہستہ اخیار امت کی تعداد کم ہوتی جائے گی۔

امت اسلامیہ پچھلی امتوں کی نعل بالنعل، پیروی کرے گی۔اس کے لیے بھی قرآن مجید میں بعض اشارات موجود ہیں۔ مثلاً سورۂ فاتحہ کے آخر میں ہمیں ایک دعا سکھائی گئی ہے کہ 'اِهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِيۡمَ صِرَاطَ الَّذِيۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَيۡهِمۡ غَيۡرِ الۡمَغۡضُوۡبِ عَلَيۡهِمۡ وَلَا الضَّآلِّيۡنَ'۔ اس دعا میں یہود (المغضوب علیهم) اور نصاریٰ (الضالین) کا ذکر کر کے یہ فرمایا گیا ہے کہ ہم یہ دعا کریں کہ اللہ ہمیں ان دونوں کے راستے سے بچائے۔ ظاہر ہے، ان کے راستے سے مراد وہ دین وشریعت نہیں ہے، جو اللہ نے انھیں عطا کی تھی، بلکہ ان کی وہ روش ہے، جو انھوں نے خدا کی شریعت اور اس کے انبیا علیہم السلام کے بارے میں اختیار کی، جس کی تفصیل اس سورۂ فاتحہ کے فوراً بعد ہی بقرہ وآل عمران میں کر دی گئی ہے۔

یہ سورہ ایک طرف ہمیں یہ بتاتی ہے کہ ہمیں دعا کیا کرنی ہے تو دوسری طرف ہمیں اس امکان کی خبر بھی دیتی ہے کہ امت ان گمراہ قوموں کے راستے پر چل نکلے گی۔اس لیے کہ اللہ کی طرف سے سکھائی جانے والی دعا بلاوجہ نہیں ہوسکتی۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ اس دعا کو امت کے شب وروز کا وظیفہ بنا دیا گیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ بات کہ امت اسلامیہ پہلوں کی پیروی کرے گی، قرآن کے اسی طرح کے اشاروں پر مبنی ہے۔ چنانچہ قرآن مجید نے اس سورہ میں اس بات کی نشان دہی کی ہے کہ امت نے اگر صراط مستقیم کو چھوڑا تو وہ یہود ونصاریٰ کے نقش قدم پر ضلالت کے تاریک گڑھوں میں جا گرے گی۔

یہود کی پیروی میں، تفرقے میں پڑنے کا معاملہ بھی عام برائیوں کی طرح کا ہے، اس لیے کہ اس کی بنیاد بھی وہی ہوگی، جو برائی میں پڑنے کی ہے، جسے ہم نے اوپر بیان کیا ہے۔قرآن مجید

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

نے سورۂ بقرہ اور آل عمران میں امتوں کے تفرقے میں پڑنے کی وجہ بیان فرما دی ہے۔اس کے بعد ہمیں یہ حکم بھی دیا ہے کہ ہم اس سے کیسے بچیں گے۔اس کی تفصیل آگے آئے گی۔

اس روایت میں آپ نے یہ بھی بیان فرما دیا ہے کہ میری امت میں ایسے لوگ بھی ہوں گے جن میں تفرقہ اور انتشار پسندی کوٹ کوٹ کر بھری ہوگی۔ یہ اصل میں اس تفرقے کا بڑا سبب ہے، جو ملت اسلامیہ میں تفرقہ بندی کا باعث بنے گا۔قرآن مجید نے پچھلی امتوں میں تفرقے کے اس سبب کو 'بغیا بینھم'[5] کے الفاظ سے بیان کیا ہے۔'بغیا بینھم' کی ایک شکل یہ بھی ہے، جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک تمثیل کی صورت میں بیان کر دیا ہے: 'میری امت میں ایسے لوگ اٹھیں گے جن میں اس طرح کی خواہشات اس طرح سرایت کی ہوں گی، جس طرح کتے کے کاٹنے سے دیوانگی آدمی کے ریشے ریشے اور رگ رگ میں سرایت کر جاتی ہے کہ جسم کا کوئی حصہ اس سے بچا نہیں رہتا۔اس کا مصداق، جیسا کہ ہم نے ذکر کیا، خوارج وسبائیہ ہیں۔

اس حدیث میں ہماری دنیا کے اندر خیر وشر کی اس ستیزہ کاری کی طرف اشارہ ہے۔ جو ازل سے ان دونوں کے درمیان جاری ہے کہ حق آتا ہے، پروان چڑھتا ہے اور پھر آہستہ آہستہ لوگ اس سے دور ہوتے چلے جاتے ہیں۔شر ان پر غلبہ پالیتا ہے اور انسان ہر خیر قرون (بھلے زمانوں) کے بعد شر قرون (برے زمانوں) کی طرف بڑھتا چلا جاتا ہے۔حتیٰ کہ قرآن کے مطابق حالت یہ ہو جاتی ہے کہ اخیار امت کی تعداد بہت کم رہ جاتی ہے۔اگلوں کی تاریخ اس طرح دہرائی جاتی ہے کہ گویا اگلوں کی نعل بالنعل پیروی کی گئی ہو۔اسی تلخ حقیقت کا اظہار آپ نے اپنی اگلی بات کی تمہید کے طور پر کیا ہے کہ میں جس خیر امت کو چھوڑ کر جا رہا ہوں وہ ایسے ہی نہیں رہے گی، بلکہ یہ آہستہ آہستہ شر کی طرف بڑھتی چلی جائے گی۔ یہی اگلوں کی تاریخ ہے۔ پہلے یہود اس سے دوچار ہوئے، پھر نصاریٰ اور اب ملت اسلامیہ بھی اس حالت سے گزرے گی، بلکہ ان سے بھی دو ہاتھ آگے بڑھ جائے گی۔

اس بگاڑ کی آپ نے ایک مثال یہ دی ہے کہ امت پہلوں کی پیروی میں اس حد تک بڑھ

---

۵ الشوریٰ ۴۲: ۱۴۔'باہم ضد کی وجہ سے'۔

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

جائے گی کہ بیٹا ماں سے بدکاری کرے گا۔ یہ امتوں میں انفرادی سطح پر بگاڑ کی انتہائی صورت ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اخلاق و حیا کی ساری قدریں پامال ہو چکیں۔ حتیٰ کہ ماں بیٹے کا مقدس رشتہ بھی مقدس نہ رہا۔ بتانا یہ مقصود ہے کہ جس ملت کو میں اس کی 'خیر قرون' میں چھوڑ کر جا رہا ہوں، اس کے بگاڑ سے متنبہ رہو۔ یہ آہستہ آہستہ بگاڑ کا شکار ہو گی۔ اس کے سربرآوردہ لوگوں کو یہ خیال کر کے کہ امت کی اصلاح ہو چکی، اپنے اصلاحی کام سے کسی مرحلے پر بھی رک نہیں جانا چاہیے۔ اور نہ معاشرے میں در آنے والی برائیوں سے نچنت ہو جانا چاہیے۔

فرقہ بندی اسی تلخ حقیقت کی ایک اور مثال ہے جو انفرادی زندگی کے بجائے اجتماعی زندگی سے متعلق ہے، لیکن یہ محض مثال نہیں ہے، بلکہ اس مثال کے ذریعے سے صحابہ رضوان اللہ علیہم کو آگاہ کیا گیا کہ امت کو درپیش خطرات میں سے ایک خطرہ فرقہ بندی بھی ہے۔ ہم اوپر یہ واضح کر چکے ہیں کہ فرقوں سے مراد خوارج وغیرہ ہیں۔

ہم اوپر یہ بھی واضح کر چکے ہیں کہ ہمیں ایک نظم اجتماعی کے ساتھ وابستہ رہنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اس حکم کا مقصد یہ ہے کہ ہم بحیثیت امت، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد، ان کی نیابت میں 'شہادت[6] علی الناس' کا فریضہ انجام دیتے رہیں۔ چنانچہ، اگر ہمارے درمیان ایسے فرقے بن جائیں اور ان کی وجہ سے ملت کا شیرازہ بکھر کر رہ جائے تو یہ ملت نیابت رسول کے منصب سے خود بخود معزول ہو جائے گی۔ اس لیے کہ پابندی شریعت اور نظام عدل کے قیام کے ساتھ ساتھ، اتحاد ملت بھی کارشہادت کے لیے ناگزیر ہے۔ اس لیے کہ اس طرح کے سیاسی و دینی گروہوں میں بٹی ہوئی ملت ایک امت کی حیثیت کھو دیتی ہے۔ چنانچہ، جو فرقے اس افتراق کا باعث بنیں گے، وہ اصل میں ملت اسلامیہ کو 'شہادت علی الناس' کا فریضہ ادا کرنے سے روک دیں گے۔ ملت اسلامیہ کا اپنے اس منصب سے عزل باطل قوتوں کے فروغ اور ملت اسلامیہ کے زوال کا باعث بنے گا۔ یہی وہ خطرہ ہے، جس سے ملت کو آگاہ کرنا، اس حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش نظر

---

[6] یہاں یہ بات واضح رہے کہ اب قرآن مجید کی روشنی میں ہماری رائے یہ ہے کہ شہادت کا مذکورہ فریضہ بنی اسماعیل کی ذمہ داری ہے۔

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

ہے۔اس طرح کے تمام فرقے جوملت کواس کے منصب سے ہٹا دیں گے، وہ بلاشبہ اس سزا کے مستحق ہیں، جواس حدیث میں بیان ہوئی ہے۔

اس روایت سے ہمیں یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اجتماعی سطح پر ناکامی اصل میں دو باتوں سے انحراف کا نتیجہ ہے۔ایک یہ کہ مسلمان دین خالص پر قائم نہ رہیں (قرآن کے الفاظ میں اعتصام بحبل اللہ کو ترک کر دیں)، اور دوسرے یہ کہ وہ 'الجماعۃ' کا التزام ترک کر دیں۔اس سے یہ بات آپ سے آپ ثابت ہو جاتی ہے کہ ملت ان باتوں کے اہتمام ہی سے دوبارہ اجتماعی کامیابی حاصل کر سکتی ہے۔یہی وجہ ہے کہ آپ نے صرف اسی فرقے کو کامیاب قرار دیا ہے، جوان دونوں کا اہتمام کرے گا۔

اس کامیابی کے لیے، جیسا کہ ہم نے ذکر کیا، یہاں دو باتیں بیان کی گئی ہیں: ایک 'ما انا علیه و اصحابی' دوسرے 'الجماعة'۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے 'ما انا علیه و اصحابی' کے عموم میں سے 'التزام جماعت' کو اس اہمیت کے پیش نظر الگ سے بیان کیا ہے[ے]۔اس کی خاص اہمیت کی وجہ کیا ہے، اس پر ہم ان شاءاللہ آگے چل کر بحث کریں گے۔یہاں یہ بات جان لیجیے کہ یہ ویسا ہی اسلوب ہے، جیسا سورۂ عصر میں قرآن مجید نے اختیار کیا ہے۔قرآن نے یہاں ایمان اور اعمال صالح کے ذکر کے بعد، 'تواصی بالحق' اور 'تواصی بالصبر' کا ذکر کیا ہے۔یہاں قرآن نے اعمال صالحہ کے بعد اسے اس لیے بیان کیا ہے کہ ایمان کا یہ تقاضا بھی الگ سے اپنی اہمیت کے ساتھ بیان ہو جائے۔

اس روایت میں بھی 'الجماعة' کو الگ کرنے میں ایک مقصد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش نظر ہے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں دو چیزوں کو کامیابی کا سبب قرار دیا ہے۔ان میں سے ایک دین پر عمل ہے۔ظاہر ہے، اگر آدمی اس دین پر عمل پیرا رہے، جسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم

ے حاکم کی ''مستدرک'' میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک روایت ان الفاظ میں وارد ہے کہ 'کلها ضالة الا فرقة واحدة: الاسلام و جماعتهم' ''یہ سب گمراہ فرقے ہیں، سوائے ایک کے، اور وہ اسلام، اور جماعت پر قائم فرقہ ہے''۔(۱۲۹/۱)

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

لے کر آئے ہیں اور جو آپ نے اپنے صحابہ کو سکھایا تھا تو کوئی وجہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں وہ کامیاب نہ ٹھہرے۔ لیکن اتنی بات کافی نہیں تھی، اس لیے کہ اس سے ایک آدمی یہ سمجھ سکتا ہے کہ مجرد نماز روزے کا اہتمام کافی ہے، خواہ ملت میں انتشار و تفرقے کی وجہ سے آتا ہوا ضعف اس سطح تک پہنچ جائے کہ مشرق و مغرب کی باطل قوتیں اس کا جسم کھدیڑتی رہیں یا اس کا بگاڑ یہ شکل اختیار کر جائے کہ ماں بھی اپنے بیٹے سے محفوظ نہ ہو۔ جبکہ آدمی اس نماز روزے کا اہتمام کر کے یہ سمجھتا ہو کہ وہ 'ما انا علیه و اصحابی' پر عمل پیرا ہے، لہٰذا وہ کامیابی کی طرف گامزن ہے۔ اسے ان بکھیڑوں میں پڑنے کی کیا ضرورت ہے۔ ان الفاظ سے اس نقص کو 'الجماعة' کے اضافے سے دور کیا گیا ہے۔ صرف شریعت ہی کی حفاظت اور اس پر دوام کامیابی کے لیے کافی نہیں ہے، بلکہ نصرت دین کے لیے ملت کے وجود کی بقا اور اس کا استحکام بھی اتنا ہی ضروری ہے۔ اس استحکام اور اس بقا کا ایک ہی راستہ ہے کہ افراد ملت شریعت پر کاربند رہنے کے ساتھ ساتھ، ایک ملت بن کر رہیں اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ وہ 'الجماعة' بن جائیں۔ وہ اپنے اندر ایسا اجتماعی نظم قائم کریں کہ عالم اسلام کا ایک ایک فرد اس سے جڑ جائے۔ وہ اپنے آپ کو ایک مضبوط رشتے میں بندھا ہوا محسوس کرے۔ پوری ملت دنیا والوں کو یوں محسوس ہو کہ یہ مجموعۂ افراد نہیں، جسد واحد ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو دو مثالیں دی ہیں، انھیں سامنے رکھیے تو دین و اخلاق میں خرابی سے بچنا 'ما انا علیه و اصحابی' پر کاربند رہنے میں مضمر ہے۔ اور 'التزام جماعت' تفرقے کے لیے کارتریاقی کرتا ہے۔ چنانچہ اس اعتبار سے اس روایت میں نہ صرف التزام جماعت اور دین و شریعت کی بے آمیز تعلیمات پر عمل کرنے والوں کے لیے بشارت ہے، بلکہ اس میں اوپر بیان کردہ، دین و دنیا کی خرابی سے بچنے کا طریقہ بھی مضمر ہے۔ یہ بعینہٖ وہی طریقہ ہے، جو قرآن نے سورۂ آل عمران میں بیان فرمایا ہے:

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ

''اللہ کی رسی کو مضبوطی سے مل کر تھامے رہو، اور تفرقے میں نہ پڑو اور اللہ کے اس

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

عَلَيْكُمْ إِذْ كُنتُمْ أَعْدَآءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُم بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا وَكُنتُمْ عَلَىٰ شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَأَنقَذَكُم مِّنْهَا كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ. وَلْتَكُن مِّنكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ. (۳:۱۰۳-۱۰۴)

فضل کو یاد رکھو کہ تم ایک دوسرے کے دشمن تھے تو اللہ نے تمھارے دلوں کو ایک دوسرے کے ساتھ جوڑ دیا اور تم ایک دوسرے کے بھائی بھائی بن گئے۔ اور تم آگ کے ایک گڑھے پر کھڑے تھے تو اللہ نے تمھیں اس سے بچا لیا، اسی طرح اللہ تمھارے لیے اپنی ہدایات کو واضح کرتا ہے، تاکہ تم راہ یاب ہو۔ اور چاہیے کہ تم میں سے ایک ایسا گروہ ہو، جو نیکی کی دعوت دے، معروف کا حکم کرے، اور منکر سے روکے اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔''

ان آیات میں ہمیں یہ حکم دیا گیا ہے کہ ہم اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لیں۔ اللہ کی رسی ظاہر ہے کہ قرآن مجید ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی کے احکام پر عمل کرتے ہوئے اپنی سنت قائم کی۔ اسی بات کے بیان کے لیے آپ نے 'ما انا علیه و اصحابی' کے الفاظ اختیار کیے ہیں۔ یعنی اللہ کے اتارے ہوئے دین پر سب مسلمان قائم رہیں، جس پر عمل کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی پیروی میں صحابہ نے سنت قائم کی ہے۔ پھر اس حکم کے بعد یہ بات بھی واضح کر دی کہ ہمیں دین میں فرقہ بندی سے اجتناب کرنا ہے۔ ان آیات پر تدبر کی نگاہ ڈالی جائے تو یہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ حکم دیا ہے کہ ہم ان دونوں حکموں یعنی 'اعتصام بحبل اللّٰہ' اور 'اجتناب تفرقة' کے لیے اپنے نظم اجتماعی کو یہ ذمہ داری دیں کہ وہ دوسری ذمہ داریوں کے ساتھ ساتھ، ہمارے درمیان 'نھی عن المنکر'، 'امر بالمعروف' اور 'دعوت الی الخیر' کا فریضہ بھی سر انجام دے۔ اس سے وہ تفرقے کے ہر راستے کو مسدود کر سکے گی۔ یہی وہ طریقہ ہے جس سے ملت میں دین کی بنیاد پر فرقے وجود میں نہیں آئیں گے اور اگر آئیں گے تو

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org
"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

انھیں مٹانا آسان ہوگا۔

ظاہر ہے، جب 'الجماعة' کے تحت وہ ادارہ (نظم) بھی قائم ہو، جو نہ صرف ملت کو وحدت پر قائم رکھے، بلکہ اسے 'دعوت الی الخیر'، 'نہی عن المنکر' اور 'امر بالمعروف' کے ذریعے سے، اللہ کے دین پر قائم بھی رکھے تو نہ انفرادی سطح پر اخلاقی و دینی انحطاط آئے گا اور نہ دین میں تفرقہ پیدا ہوگا۔ اسی طرح وہ سیاسی فرقے بھی وجود میں نہیں آئیں گے، جن کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ میری امت میں وہ یہود و نصاریٰ سے بھی زیادہ ہوں گے۔ یہ سب کے سب دوزخ میں جائیں گے، سوائے ان کے جو رسول اللہ کے دیے ہوئے دین کے پیرو ہوں گے اور التزام جماعت کے حکم کے پابند رہیں گے۔

دوسری چیز اس بشارت سے یہ بھی معلوم ہوتی ہے کہ اوپر بیان کردہ انفرادی انحطاط اور فرقوں کے وجود میں آنے کی اصل وجہ کیا ہے۔ وہ وجہ یہ ہے کہ ملت کا اجتماعی نظم کمزور ہو جائے گا، جس کی وجہ سے لوگ اصل دین سے ہٹ جائیں گے۔ اس سے یہ بات آپ سے آپ نکل آتی ہے کہ اس ملت کو دوبارہ اٹھانے کے لیے یہ ضروری ہے کہ دو جہتوں سے کام لیا جائے۔ ایک اس کے دین کی تنقیح کی جائے اور اس کی وہ صورت اجاگر کی جائے جسے 'ما انا علیه و اصحابی' کہا جا سکے۔ دوسرے اس میں وحدت امت کے اصول پر ایک نظم اجتماعی قائم کیا جائے۔ اس نظم میں ان چیزوں کا اہتمام کیا جائے، جن کو قرآن نے سورۂ آل عمران کی مذکورہ آیت میں بیان فرمایا ہے۔

اس بشارت کے بعد، جس میں ملت کی کمزوریوں کے اسباب اور اس کے دوبارہ عروج کے لیے کرنے کے اصل کاموں کی طرف اشارہ بھی کر دیا گیا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تفرقے کے اسباب میں سے ایک بڑے سبب کی طرف اشارہ کیا ہے کہ میری امت میں ایسے لوگ پیدا ہوں گے جن میں فرقہ بندی اور انحراف جیسی خواہشات جنون کی حد تک ہوں گی۔ یہ بات جس موقع پر آئی ہے وہاں یہ محسوس ہوتا ہے کہ اوپر کی دونوں برائیوں کے ساتھ اس کا تعلق ہے اور بلاشبہ ایسے ہی ہے۔ مگر اس کے بعد باؤلے کتے کے کاٹنے کی جو تمثیل ان کے بارے میں بیان کی گئی ہے، اس سے ہمارا ذہن ان لوگوں کی طرف جاتا ہے، جو ملت میں افتراق و انتشار کا باعث بنے۔

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

تاریخ کے طالب علم جانتے ہیں کہ ازارقہ، سبائیہ اور بالخصوص خوارج جیسے اس تشبیہ کے ویسے ہی مصداق تھے، جیسا کہ الفاظ سے ظاہر ہے۔

یہ ان فرقوں کے وجود میں آنے کی وجہ بیان کی جا رہی ہے کہ اس کا باعث وہ لوگ بنیں گے جو ہوس افتراق سے اسی طرح پاگل ہوں گے، جس طرح باؤلے کتے کا کاٹا پاگل ہوتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس ریاست کی بنیاد مدینہ میں رکھی، وہ آپ ہی کی زندگی میں پورے جزیرہ نماے عرب میں قائم ہوئی۔ آپ کے بعد اس کو صحابہ کے ہاتھ میں منتقل ہونا تھا۔ آپ کے صحابہ کے علاوہ، عرب کے وہ لوگ بھی دائرۂ اسلام میں داخل ہو چکے تھے، جنھوں نے درس گاہ نبوی سے کوئی خاص تربیت نہیں پائی تھی، اس لیے یہ بعید نہ تھا کہ عرب اپنے قبائلی مزاج کو اسلام میں داخل ہونے کے بعد بھی نہ چھوڑیں، جس میں سرداری اور غالب رہنے کی نفسیات ان کے امتیازی خصائص میں شامل تھی۔ اور جس کے لیے وہ بعاث اور داحس وغبرا جیسی کئی لڑائیاں مول لے سکتے تھے۔ ان کے اس مزاج کے پیش نظر آپ ان دشواریوں سے نبٹنے کے لیے نہ صرف یہ کہ صحابہ کو دین کے احکام بتاتے، بلکہ قبائل کے مزاج وطبائع کے بارے میں بھی اپنا نقطۂ نظر واضح فرماتے رہتے تھے۔

اس روایت میں بھی ایک تو لوگوں کے ایک گروہ کی طرف اشارہ ہے کہ میری امت میں ایسے لوگ پیدا ہوں گے جن میں افتراق وانتشار کا داعیہ بہت قوی ہوگا، جو ملت کے لیے دشواریوں کا باعث بنے گا۔ اس کے ساتھ ہی آپ نے دین کا حکم بھی واضح فرمایا کہ اس طرح کی صورت حال جب بھی پیدا ہو تو اس کا علاج یہ ہے کہ مسلمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کی سنت پر قائم اور نظم اجتماعی (ریاست) کے ساتھ وابستہ رہیں۔ اس کے ساتھ تعاون وتناصر کا تعلق رکھیں۔ اس لیے کہ مسلمانوں کو فتنوں سے بچانے والی اور انھیں وحدت پر قائم رکھنے والی ریاست ان کے درمیان موجود رہے۔ چنانچہ سیدنا عثمان کے دور خلافت میں فتنہ اٹھا تو وہ سوال کرنے والوں کو یہی مشورہ دیتے کہ اس فتنے کا علاج یہی ہے کہ 'الجماعة' کے ساتھ التزام رکھا جائے:

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

دخل ابو قتادة و رجل آخر علی عثمان وهو محصور فاستاذناه فی الحج فاذن لهما. فقالا له: ان غلب هؤلاء القوم (دعاة الفتنة) مع من نكون؟ قال: عليكم بالجماعة، قال: ان كانت الجماعة هی التی تغلب عليك مع من نكون؟ قال: فالجماعة حيث كانت.

(الریاض النظرۃ ۶۱/۳)

''ابوقتادہ اور ایک آدمی حضرت عثمان کے پاس آئے، حضرت عثمان ان دنوں محصور تھے۔ان دونوں نے حج کی اجازت طلب کی۔حضرت عثمان نے اجازت دے دی تو انھوں نے کہا کہ اگر یہ باغی لوگ غالب آجائیں تو ہم کس کا ساتھ دیں؟ تو حضرت عثمان نے کہا: تم پر نظم اجتماعی (الجماعة) کا ساتھ دینا واجب ہے، (اسی کا ساتھ دو) تو انھوں نے کہا کہ اگر 'الجماعة' ہی وہ ہو کہ جو آپ پر تغلب حاصل کر کے وجود میں آئے تو پھر کس کا ساتھ دیں تو سیدنا عثمان نے فرمایا: نظم اجتماعی ہی کا ساتھ دو، (اس کی زمام) خواہ کسی کے ہاتھ میں ہو۔''

جب تفرقہ عام ہو جائے، ہر طرف سے فتنے سر اٹھانے لگیں تو یہی بات نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حذیفہ سے فرمائی:

تلزم جماعة المسلمين و تسمع و تطع للامير، وان ضرب ظهرك واخذ مالك فاسمع و اطع.

(مسلم، کتاب الامارہ)

''ان فتنوں میں مسلمانوں کے نظم اجتماعی سے وابستہ رہنا، اپنے حکمران کے مطیع و فرماں بردار رہنا، خواہ تمھیں مارا پیٹا جائے اور تمھارا مال تم سے چھین لیا جائے۔''

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد پہلی امتوں کی طرح ملت اسلامیہ بھی برائیوں کی طرف بڑھے گی۔اس کی وجہ یہ ہوگی کہ اس میں ایسے لوگ یا حالات پیدا ہوں گے جن کی وجہ سے ان کے اجتماعی نظم میں کمزوریاں در آئیں گی۔ یہ نظم اجتماعی دو طرح سے کمزوری کا شکار ہو سکتا ہے۔ایک تو یہ کہ اس میں سیاسی خلفشار پیدا ہو اور مفارقت جماعت کی وجہ سے ملت وحدت پر قائم نہ رہے۔ دوسری

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

وجہ یہ ہوگی کہ نظم اجتماعی اپنی دینی ذمہ داریاں یعنی 'دعوت الی الخیر'، 'امر بالمعروف' اور 'نهی عن المنکر' ترک کر دے گا، جس کی وجہ سے اس کے دین میں بگاڑ آئے گا اور اس کے افراد دینی و اخلاقی میدان میں انحطاط کا شکار ہوں گے۔

تہتر فرقوں سے مراد معین تعداد نہیں ہے۔ یہ تمثیلی اسلوب ہے، اسے اس موقع پر استعمال کیا جاتا ہے، جب ایک فریق کو دوسرے کے مقابلے میں کسی کام میں آگے بڑھ جانے پر تنبیہ کرنی مقصود ہو۔ یہاں اس سے مراد یہ ہے کہ ملت اسلامیہ آگاہ رہے کہ یہ تفرقے میں یہود و نصاریٰ سے بھی بڑھ جائے گی۔

فرقوں سے مراد مکاتب فکر نہیں ہیں، بلکہ وہ فرقے ہیں جنھوں نے دین میں تفریق کی یا 'الجماعة' سے تخلف اختیار کیا۔ ایسا کرنے والے فرقے اور گروہ ہی دوزخ میں جائیں گے۔

اوپر جو وجوہ انحطاط بیان ہوئے ہیں، انھی کی اصلاح سے ملت دوبارہ زندہ اور اپنے منصب پر فائز ہو سکتی ہے۔ یعنی معارف اسلامیہ کی تحقیق و تنقیح کے بعد اس کی اصلی صورت اجاگر کی جائے اور اس میں وحدت امت کے اصول پر ایک نظم اجتماعی قائم کیا جائے جو افراد ملت کو نہ صرف باہم متحد رکھے، بلکہ انھیں امر و نہی کے ذریعے سے دین پر قائم بھی رکھے۔

[۱۹۹۶ء]

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

مسئلۂ التزام جماعت

یہ مسئلہ ان حدیثوں سے پیدا ہوتا ہے، جو اس باب میں کتب احادیث میں وارد ہوئی ہیں۔ ان روایتوں کا مضمون، کم و بیش، کچھ اس طرح کا ہے: 'من فارق الجماعة شبرا فمات، إلامات میتة جاهلیة'[1]۔ ان احادیث کے معنی کی تعیین میں، اگرچہ ائمۂ اربعہ ہی کے زمانے سے اختلاف رہا ہے، لیکن اس کے ایک مفہوم پر امت ہمیشہ متفق رہی ہے اور ہمارے نزدیک وہی مفہوم اوفق بالقرآن والسنہ ہے۔

صحیح رائے اور اس سے انحراف

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں جس ریاست کی بنیاد رکھی اور جو بعد میں پورے جزیرہ نمائے عرب میں قائم ہوئی، وہ ریاست مسلمانوں کو ایک سیاسی نظام کے تحت جمع کر کے تشکیل امت کے لیے قائم کی گئی تھی تاکہ وہ نیابت رسول میں شہادت علی الناس کا فریضہ انجام دے سکے، کیونکہ یہ حیثیت حاصل کرنے کے لیے جس طرح یہ ضروری ہے کہ ملت شریعت اور

---

[1] ''جس نے نظم اجتماعی کو چھوڑا تو جب وہ مرا تو جاہلیت کی موت مرا۔'' (صحیح بخاری، کتاب الفتن)

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

نظام عدل پر قائم رہے، اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ وہ جسد واحد کی طرح ہمیشہ ایک رہے۔ اس کے اندر یہود و نصاریٰ کی طرح وہ دینی اور سیاسی فرقے وجود میں نہ آئیں، جن کی وجہ سے ملت ٹکڑے ٹکڑے ہو کر منصب امامت سے معزول یا دوسرے الفاظ میں نیابت رسول کے منصب سے عملاً ہٹ جائے۔ چنانچہ اسے اس ریاست، جو اتنی بڑی ذمہ داری کے لیے قائم کی گئی تھی، کے ساتھ التزام کا حکم اس لیے دیا گیا تاکہ ملت انتشار سے بچی رہے اور رہتی دنیا تک شہادت علی الناس کا سلسلہ جاری رہے۔

چنانچہ دور اول میں ان روایتوں کے مدعا کی تعیین میں کوئی اختلاف نہیں تھا۔ صحابہ رضوان اللہ علیہم ان کے اسی مفہوم پر مجتمع تھے کہ ''الجماعۃ'' سے مسلمانوں کا نظم اجتماعی (ریاست وحکومت) مراد ہے۔ اور یہ مسلمان شہریوں کا فرض ہے کہ وہ اسلامی ریاست کے ساتھ وابستہ رہتے ہوئے، اپنے حکمران کی اطاعت کبھی ترک نہ کریں۔ اور اگر کوئی مسلمان، اس حالت میں اس دنیا سے رخصت ہو کہ وہ ملت اسلامیہ کے فرماں روا کی اطاعت میں نہ ہو تو وہ اللہ کے ہاں، اس حالت میں حاضر ہو گا کہ اپنے حق میں کہنے کے لیے اس کے پاس کوئی حجت نہ ہو گی۔ التزام جماعت کا یہی وہ حکم ہے جس کی وجہ سے تاریخ اسلامی میں بعض حیرت انگیز واقعات نظر آتے ہیں، جن میں سے ایک مشہور مثال محمد بن قاسم کے دربار خلافت میں پابجولاں حاضر ہونے کی ہے۔

پہلا انحراف

اس دور کے بعد بھی مسلمان ان روایتوں کا یہی مفہوم مراد لیتے رہے۔ یہاں تک کہ فقہ اسلامی کا دور تدوین آیا، اصول فقہ مرتب ہونے لگے۔ اس موقع پر پہلی مرتبہ ان روایتوں سے 'اجماع' کے حق میں استدلال کیا گیا اور ان روایتوں کو ایک نئے معنی دیے گئے۔ پھر 'اجماع' ہی کی بحث میں ان روایتوں کو کئی دوسرے معنی ملتے چلے گئے، لیکن اصل میں یہ ایک ہی معنی کے مختلف پہلو ہیں۔ یعنی جس طرح اجماع کی تعریف بدلتی گئی، اسی طرح ان روایتوں کے معنی بدلتے گئے۔ جس

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

نے اجماع کی تعریف یہ کی کہ اس سے مراد مسلمانوں کی اکثریت کا اجماع ہے، اس نے اس کے معنی اکثریت (سواد اعظم) کے قرار دیے اور جس نے اجماع صحابہ کو اجماع مانا، اس نے 'الجماعۃ' کے معنی ہی یہ مراد لیے کہ 'الجماعۃ' 'جماعت صحابہ' ہے۔ اسی طرح جس نے اجماع کو اجماع علما قرار دیا، اس کے نزدیک 'الجماعۃ' درحقیقت علما کی جماعت ہے۔ ابن حجر اپنی رائے بیان کرنے کے بعد ان تمام آرا کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> '''الجماعۃ' کے معنی کی تعیین میں اختلاف کیا گیا ہے۔ ایک جماعت کے نزدیک اس کے معنی 'سواد اعظم' کے ہیں۔ دوسرے گروہ کے نزدیک اس کے معنی 'جماعت صحابہ' کے ہیں۔ تیسرے گروہ کی رائے یہ ہے کہ یہ 'اہل علم کی جماعت' ہے۔'' (فتح الباری ۱۳/۳۷)

ان آرا کے حاملین کے نزدیک 'الجماعۃ' سے مراد اصحاب حل وعقد ہیں۔ اور اصحاب حل وعقد میں سلاطین، علما اور دوسرے اصحاب رسوخ بھی ہیں اور ان کی سب سے پہلی مثال صحابہ رضوان اللہ علیہم کی ہے۔

دوسرا انحراف

اس باب میں ملت اسلامیہ انھی دو آرا پر قائم رہی، جن کا ذکر کیا گیا ہے، حتیٰ کہ عالم اسلام اپنے دور انحطاط میں داخل ہوا۔ مغربی یلغار کے بعد عالم اسلام اپنی حکومت کھو بیٹھا۔ اس یلغار کا ہندوستان کو بھی سامنا کرنا پڑا۔ چنانچہ پورا عالم اسلام اس 'الجماعۃ' سے محروم ہو گیا، جس کے ساتھ جڑے رہنا اس کے فرائض میں شامل تھا۔

جدید دور میں ہندوستان میں ایک آواز بلند ہوئی کہ اب التزام جماعت پر قائم رہنے کا طریقہ یہ ہے کہ 'اقامت دین' کے لیے کوشاں کسی بھی 'جماعت' کے ساتھ وابستہ رہا جائے۔ اگر ایسا نہیں ہو گا تو اس آدمی کی زندگی صحیح اسلامی زندگی نہیں ہو گی۔ دوسرے الفاظ میں یوں کہیے کہ صحیح اسلامی زندگی 'جماعت' کے بغیر نہیں ہوتی۔ زندگی کے صحیح اسلامی ہونے کے لیے سب سے مقدم چیز اسلام کے نصب العین (اقامت دین) سے وابستگی ہے۔ اس وابستگی کا تقاضا ہے کہ آدمی نصب العین

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

کے لیے جد و جہد کرے۔ اور جد و جہد اجتماعی طاقت کے بغیر ممکن نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا جماعت کے بغیر، کسی زندگی کو صحیح اسلامی زندگی سمجھنا بالکل غلط ہے۔

اس طرح کی جماعت اس اسلامی حکومت (الجماعۃ) کے اندر بھی قائم کی جا سکتی ہے جو اسلام کے اصولوں پر نہ چل رہی ہو۔ محض، نظریاتی طور پر، مسلمان ہو۔ البتہ جو ریاست نظریات سے بڑھ کر اقامت دین کا فریضہ بھی سر انجام دے رہی ہو تو پھر یہ جماعت بنانا یقیناً غیر اسلامی فعل ہے۔ یہ جماعت بالکل اسی حکم میں تو نہیں ہے جو 'الجماعۃ' کے بارے میں احادیث میں وارد ہے، لیکن اس سے الگ رہنے والا 'نیم مسلمان' کہا جا سکتا ہے[۲]۔

ہمارے نزدیک پہلا انحراف 'الجماعۃ' کے معنی کی تعیین میں اختلاف کی وجہ سے ہوا۔ اس لیے صحیح معنی کی تعیین کے ساتھ ہی اس کی غلطی بھی واضح ہو جائے گی۔ دوسرا انحراف ایک خاص پس منظر کی وجہ سے ظہور پذیر ہوا۔ چنانچہ ہم 'الجماعۃ' کے معنی کی تعیین کے بعد اس حکم کے تقاضوں پر بحث کریں گے اور دیکھیں گے کہ دوسرے انحراف کے لیے اس حکم میں کوئی گنجایش نہیں ہے۔

'الجماعۃ' کے معنی

عربی زبان میں درج ذیل معنی میں اس لفظ کا استعمال معروف ہے:

۱۔ 'افراد کا مل کر ایک گروہ اور مجموعہ کی شکل اختیار کرنا'، جیسے 'جماعة من الحیوان' وغیرہ۔

۲۔ انتشار و افتراق اور دھڑے بندی کے متضاد، یعنی مربوط اور منظّم ہونے کے معنی میں، مثلاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: 'الجماعة رحمة والفرقة عذاب'[۳]۔ اسی سے 'الجماعۃ' کا لفظ لوگوں کے ایک نظام میں بندھ جانے اور ایک قیادت کے تحت جمع ہونے کے معنی میں استعمال ہونے لگا۔ مثلاً قریش کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت میں یہ قول کہ 'فرق جماعتنا

۲؎ رسائل ومسائل، ابوالاعلیٰ مودودی، ۱/۴۰۸ اور ۴/۳۴۶-۳۴۸۔

۳؎ احمد بن حنبل، عن عبداللہ بن عمر العاص۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org
"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

و سب آلھتنا[۴۱] '، ''اس نے تو ہمارے نظام اجتماعی کو پارہ پارہ کر دیا اور ہمارے دیوتاؤں کو برا بھلا بھی کہتا ہے''۔ ہمارے نزدیک یہ ان احادیث میں بھی اسی معنی میں استعمال ہوا ہے۔ یہاں 'الجماعۃ' سے مراد 'مقتدر جماعت' ہے۔ یعنی اس سے مراد مسلمانوں کا نظم اجتماعی (اقتدار و حکومت) ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی وضاحت خود فرما دی ہے جس کے بعد اس کے معنی کی تعیین میں کوئی شبہ نہیں رہا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرامین

۱۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن عباس کی روایت میں 'الجماعۃ' کے بجائے 'السلطان' کا لفظ استعمال کر کے خود بتا دیا ہے کہ آپ نے یہ لفظ کس معنی میں استعمال فرمایا ہے:

عن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم قال: من كره من أميره شيئا، فليصبر عليه، فانه ليس احد من الناس يخرج من السلطان شبراً، فمات عليه إلامات ميتة جاهلية.

(بخاری، کتاب الفتن۔ مسلم، کتاب الامارۃ)

''آپ نے فرمایا: جسے اپنے امیر کی کوئی بات ناگوار گزرے، اسے چاہیے کہ وہ صبر کرے، کیونکہ جو ایک بالشت کے برابر بھی اقتدار کی اطاعت سے نکلا اور اسی حالت میں مر گیا، اس کی موت جاہلیت پر ہوئی۔''

اس روایت میں 'الجماعۃ' کے بجائے 'السلطان' کا لفظ 'الجماعۃ' کے مترادف کی حیثیت سے استعمال ہوا ہے، جس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ 'الجماعۃ' درحقیقت 'السلطان' یعنی 'سیاسی اقتدار' کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ چنانچہ اس لفظ کا اطلاق کسی ایسی جماعت ہی پر کیا جا سکتا ہے جو کسی سرزمین میں سیاسی طور پر خود مختار قوم کی حیثیت سے رہتی ہو اور اس میں نظام امارت بھی قائم ہو۔ اس لیے سیاسی اقتدار سے محروم کسی دینی جماعت یا تنظیم پر اس لفظ کا اطلاق، قطعاً، صحیح

۴۱؎ احمد بن حنبل، عن نعمان بن بشیر۔

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

نہیں ہے۔

۲۔یہی وجہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مسلمانان عرب کوقریش کی قیادت پر مجتمع دیکھا توان کے لیے اپنے بعد انتقال اقتدار کا فیصلہ سناتے ہوئے فرمایا:

لا یعادیھم أحد إلا کبّه الله فی النار، علی وجهه، ما أقاموا الدین. (بخاری، کتاب الاحکام)	''جب تک وہ دین پر قائم ہیں،اس وقت تک،جس نے ان کی مخالفت کی،اللہ اسے دوزخ میں اوندھے منہ جھونک دیں گے۔''

یہاں قریش 'الجماعۃ' کی حیثیت سے زیر بحث ہیں جو رسول اللہ کے بعد ایک مقتدر جماعت بننے والے تھے۔ظاہر ہے، یہاں قریش سے مراد نہ اصحاب اجماع ہیں اور نہ کوئی دینی و دعوتی تحریک کے داعی۔یہی وجہ ہے کہ اس میں قریش کے ساتھ معاندت کا رویہ اختیار کرنے والے کی وہی سزا بیان کی جا رہی ہے جو 'الجماعۃ' کی معصیت اور اس سے مفارقت کی بیان ہوئی ہے۔چنانچہ ان روایات میں یہ لفظ مقتدر جماعت ہی کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔

اگر یہ مان لیا جائے کہ 'الجماعۃ' سے مراد محض ایک تحریکی جماعت ہے تو پھر اس کا مطلب یہ ہوگا کہ قریش بھی یہاں ایک مقتدر پارٹی کی حیثیت سے زیر بحث نہیں ہیں، بلکہ 'قرشیت' آدمی کو 'الجماعۃ' قرار دے دیتی ہے، چنانچہ کسی سیدزادے سے کسی قسم کی مخالفت ایک ایسا جرم قرار پا جائے گا جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے 'اوندھے منہ' دوزخ میں گرائے جانے کی سزا کی وعید سنائی ہے۔کیا فی الواقع قریش کے ساتھ مخالفت ایسا ہی جرم ہے؟ اگر ایسا ہی ہے تو چاہیے تھا کہ مناقب قریش پر فقہ اسلامی میں ایک پورا باب رقم ہوتا اور اسلام آفاقی دین کے بجائے ایک نسلی دین قرار دیا جاتا اور سیدزادوں کو بھی برہمن زادوں کی طرح اچھوتا اور ناقابل تنقید و مخالفت بنا دیا جاتا۔ظاہر ہے کہ اسلام کا اس تصور سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔

اس کے بعد اگرچہ کسی اور دلیل کی ضرورت تو نہیں رہتی، لیکن چونکہ آثار صحابہ میں بھی ہمارے حق میں بہت سا مواد پایا جاتا ہے۔اس لیے ہم یہ چاہتے ہیں کہ مختصراً اس کا جائزہ لے لیا جائے

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

تاکہ آغاز مضمون میں ہم نے دور اول کے بارے میں جو رائے دی ہے، وہ بھی اقوال صحابہ کی روشنی میں ثابت ہو جائے۔

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

حضرت ابوبکر نے جب خلافت کی ذمہ داری قبول کر لی تو سب لوگوں نے ان کے ہاتھ پر سمع و طاعت کی بیعت کی۔ مگر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کچھ عرصے تک بیعت نہیں کی۔ چنانچہ ایک دن جب انھوں نے حضرت ابوبکر کے ہاتھ پر ان کی خلافت کو تسلیم کرتے ہوئے بیعت کر لی تو ظہر کی نماز کے بعد حضرت ابوبکر نے ان کی بیعت کا اعلان ان الفاظ میں کیا کہ ''آج علی 'الجماعۃ' میں شامل ہو گئے ہیں[۵]۔''

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ

خلفشار کے زمانے میں جب حضرت عثمان مدینہ میں محصور ہو کر رہ گئے تو اس زمانے میں دو آدمی ان سے حج کی اجازت لینے کے لیے آئے اور انھوں نے یہ بھی پوچھا کہ اس فتنہ میں جو باغیوں نے اٹھا رکھا ہے، وہ کیا کر سکتے ہیں؟ حضرت عثمان نے ان سے کہا کہ وہ صرف حکومت کا ساتھ دیں۔ اس موقع پر انھوں نے حکومت کے لیے 'الجماعۃ' ہی کا لفظ اختیار کیا۔ یہ مکالمہ اس طرح ہے:

دخل ابو قتادة ورجل آخر علی عثمان، وهو محصور فإستأذناه فی الحج، فأذن لهما. فقالا له: إن غلب هولاء القوم (دعاة الفتنة) مع من نكون؟ قال عليكم بالجماعة، قالا: ان	''ابو قتادہ اور ایک آدمی حضرت عثمان کے پاس آئے۔ حضرت عثمان، ان دنوں، محصور تھے۔ ان دونوں نے حج کی اجازت طلب کی۔ حضرت عثمان نے اجازت دے دی۔ تو انھوں نے کہا کہ اگر یہ باغی لوگ غالب آجائیں تو ہم کس کا ساتھ دیں؟ حضرت

۵؎ تاریخ الاسلام، الذہبی ۳/ ۱۴، باب خلافت ابی بکر الصدیق۔

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

كانت الجماعة هي التي تغلب عليك مع من نكون؟ قال: فالجماعة حيث كانت.

(الریاض النظرہ ۶۱/۳)

عثمان نے فرمایا:تم پر نظم اجتماعی (الجماعۃ) کا ساتھ دینا واجب ہے (اسی کا ساتھ دو)۔ اس پر انھوں نے کہا: اگر 'الجماعۃ' وہی ہو جو آپ پر غلبہ پا کر (وجود میں آئے) تو پھر ہم کس کا ساتھ دیں؟ سیدنا عثمان نے جواب دیا: نظم اجتماعی ہی کا ساتھ دو، خواہ (زمامِ اقتدار) کسی کے پاس ہو۔"

عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ

اسی طرح یزید بن معاویہ کی بیعت کے موقع پر حضرت عبداللہ بن عمر نے حسین بن علی اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم کو حکومت کے ساتھ وفاداری اور بیعت کر لینے کا مشورہ دیتے ہوئے کہا تھا: 'إتقيا الله و لا تفرقا جماعة المسلمين' یعنی "(خدا کے بندو) اللہ سے ڈرو اور مسلمانوں کے 'نظم اجتماعی' کے لیے انتشار کا باعث نہ بنو۔"[۶]

دیگر صحابہ اور تابعین کی رائے

۱۔ جب حضرت حسن نے اپنے والد حضرت علی کی وفات کے بعد حضرت معاویہ سے معاہدہ کر لیا اور ملت اسلامیہ ایک خلافت کے پرچم تلے جمع ہوگئی تو صحابہ اور تابعین نے اس سال کا نام 'عام الجماعۃ' رکھ دیا تھا یعنی وہ سال جس میں مسلمان ایک حکومت (الجماعۃ) کے تحت جمع ہوئے۔

۲۔ جب خوارج اور اس طرح کے دوسرے گروہوں نے اسلامی حکومت کے خلاف خروج و بغاوت کی راہ اختیار کی تو ان کے مقابلے میں ملت اسلامیہ نے اپنے لیے اہل السنّت والجماعۃ کا لقب

---

۶ تاریخ الامم والملوک، طبری ۱۹۱/۶۔

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

اختیار کیا۔اس میں بھی 'الجماعۃ' اسی معنی میں ہے۔یعنی وہ ملت جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر کاربند ہے۔اورالتزام جماعت یعنی اپنے اندر قیام ریاست اوراس کے ساتھ وابستگی ووفاداری کے نبوی طریق پر قائم ہے۔یہ نام آپ کے ایک فرمان 'ما أنا علیه و اصحابی و الجماعة'[1] کی بنا پر اختیار کیا گیا ہے،جس میں اخروی فلاح کی پیش گوئی کی گئی ہے۔

التزام جماعت کا مطلب

جب یہ بات طے ہوگئی کہ 'الجماعۃ' کا مطلب مسلمانوں کا 'نظم اجتماعی' یعنی ریاست ہے تو پھر یہ بات خود بخود واضح ہوجاتی ہے کہ التزام جماعت سے مراد یہ ہے کہ ہمیں ہر حال میں اپنے نظم اجتماعی کے ساتھ خیر خواہانہ طور پر وابستہ رہنا چاہیے۔جس نے اس وابستگی کو ترک کیا۔اس نے درحقیقت اسلام کو چھوڑ کر جاہلیت کی راہ اختیار کی۔یہ حکم بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دوسرے احکام کی طرح قرآن مجید کی نص پر مبنی ہے۔قرآن مجید کا ارشاد ہے:

وَاعۡتَصِمُوۡا بِحَبۡلِ اللّٰهِ جَمِيۡعًا وَّلَا تَفَرَّقُوۡا وَاذۡكُرُوۡا نِعۡمَتَ اللّٰهِ عَلَيۡكُمۡ اِذۡ كُنۡتُمۡ اَعۡدَآءً فَاَلَّفَ بَيۡنَ قُلُوۡبِكُمۡ فَاَصۡبَحۡتُمۡ بِنِعۡمَتِهٖۤ اِخۡوَانًا وَكُنۡتُمۡ عَلٰى شَفَا حُفۡرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنۡقَذَكُمۡ مِّنۡهَا كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمۡ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمۡ تَهۡتَدُوۡنَ. وَلۡتَكُنۡ مِّنۡكُمۡ اُمَّةٌ يَّدۡعُوۡنَ اِلَى الۡخَيۡرِ وَيَاۡمُرُوۡنَ بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَيَنۡهَوۡنَ عَنِ الۡمُنۡكَرِ

''اللہ کی رسی کو مضبوطی سے مل کر تھامے رہو اور تفرقے میں نہ پڑو اور اللہ کے اس فضل کو یاد رکھو کہ تم ایک دوسرے کے دشمن تھے تو اللہ نے تمھارے دلوں کو ایک دوسرے کے ساتھ جوڑ دیا۔اور تم اس کی عنایت سے بھائی بھائی بن گئے۔اور تم آگ کے ایک گڑھے پر کھڑے تھے تو اللہ نے تمھیں اس سے بچا لیا،اسی طرح اللہ تمھارے لیے اپنی ہدایات کو واضح کرتا ہے تاکہ تم راہ یاب ہو۔اور اس لیے چاہیے کہ تم میں سے ایک (بااختیار)

[1] ابن ماجہ، کتاب الفتن۔

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

وَأُولٓـئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ.

(آل عمران ۳:۱۰۳-۱۰۴)

گروہ ہو، جو نیکی کی دعوت دے، معروف کا حکم کرے اور منکر سے روکے اور ایسا کرنے والے لوگ ہی مراد کو پہنچیں گے۔''

اس باب کی تمام روایتیں اسی آیت پر مبنی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آسمانی ہدایت کے مختلف پہلوؤں کے مطابق ہی یہ احکام دیے ہیں۔ اگر اس آیت پر تدبر کی نگاہ ڈالی جائے تو یہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ حکم دیا ہے کہ ہم 'اعتصام بحبل اللّٰہ' پر قائم رہنے اور تفرقے سے بچنے کے لیے اپنے اندر ایک نظم اجتماعی قائم کریں۔ 'ولتکن منکم امة' سے یہی مراد ہے۔ جب کسی چیز کے بنانے یا قائم کرنے کا حکم دیا جاتا ہے تو بننے کے بعد اس کو قائم رکھنے کے لیے اس کے ساتھ تعاون کرنا اور اس کے خلاف اقدامات نہ کرنا اس حکم میں خود بخود شامل ہے۔ یہی چیز التزام جماعت ہے۔

چنانچہ اس آیت کی روشنی میں التزام جماعت کا مطلب یہ ہے کہ ملت کو نیابت رسول میں منصب امامت پر برقرار رکھنے، اسے قرآن وسنت پر قائم کرنے اور ایک پلیٹ فارم پر مجتمع رکھنے والی حکومت کے ساتھ، اس غرض سے وابستہ رہا جائے تاکہ وہ انتشار کا شکار ہو کر منصب امامت سے معزول نہ ہو جائے۔ یہی وجہ ہے کہ اس سے منحرف ہونے والے کی سزا دوزخ ہے۔ خود قرآن مجید نے بھی 'اولئك هم المفلحون' کے الفاظ سے اعلان کر دیا ہے کہ حکومت کے بارے میں اس حکم کی تعمیل کرنے والے ہی فلاح پائیں گے، جس کا نقیض ظاہر ہے کہ خود بخود ثابت ہو جائے گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی کو 'جاہلیت کی موت' سے تعبیر فرمایا ہے:

من راى من أميره شيئا يكرهه فليصبر فإنه من فارق السلطان شبرًا مات ميتة جاهلية.

(مسلم، کتاب الامارہ)

''جو شخص اپنے حکمران میں کوئی ناپسندیدہ بات دیکھے تو اسے چاہیے کہ وہ اس کی اطاعت پر جما رہے، کیونکہ جو بالشت برابر بھی اقتدار کی اطاعت سے نکلا، وہ جاہلیت کی موت مرا۔''

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

التزام جماعت کے تقاضے

اس حکم سے متعلق بعض دوسرے احکام بھی دیے گئے جن میں سے بعض تو التزام جماعت کا لازمی تقاضا ہیں اور بعض کسی نہ کسی طرح اسی سے متعلق ہیں۔ التزام جماعت کے اس حکم کی توضیح کے لیے یہ ضروری ہے کہ ان احکام کو بھی زیر بحث لایا جائے تاکہ یہ حکم پوری طرح واضح ہو جائے۔

ا۔ حکمران کی اطاعت کا حکم

حکمران کی اطاعت کا حکم التزام جماعت کا لازمی تقاضا ہے، کیونکہ جس حکومت کو ہم نے خود قائم کیا ہو اور اس کے ساتھ التزام بھی ہم پر لازم ہو تو اس کے فرماں روا کی اطاعت اس کا لازمی تقاضا ہے۔

ذیل میں درج آیت کے تحت حکمران کی اطاعت ہم پر واجب ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللّٰهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنكُمْ فَإِن تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُولِ إِن كُنتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا.	’’اے ایمان والو، اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور ان لوگوں کی جو تم میں سے صاحب امر ہوں، پھر تمھارے درمیان، اگر کسی معاملے میں اختلاف رائے ہو تو اُسے اللہ اور رسول کی طرف پھیر دو۔‘‘

(النساء۴: ۵۹)

یہ اطاعت ہمارے دینی فرائض میں شامل ہے جسے کسی صورت میں بھی ترک نہیں کیا جا سکتا۔

شرط اطاعت

مذکورہ بالا آیت کے مطابق مسلمانوں پر صرف انھی ’اولی الامر‘ کی اطاعت واجب ہے جو اسلام کے عقائد کو مانتے اور اصل مرجع اطاعت کی حیثیت اللہ اور اس کے رسول ہی کو دیتے ہوں۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org
"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

اور ہر وہ معاملہ جس کا فیصلہ اللہ اور اس کے رسول نے کتاب وسنت میں کر دیا ہو، اس کے بارے میں اپنے لیے فیصلے کا کوئی حق نہ سمجھتے ہوں۔

یہ مفہوم اس آیت میں 'منکم' کے اضافے اور 'وان تنازعتم فی شی فردوہ الی اللّٰہ والرسول' کے عطف سے پیدا ہوا ہے۔ یعنی حکمران اس وقت تک واجب الاطاعت ہے جب تک وہ 'منکم' کی ضمیر مجرور کا حصہ یعنی مسلمان ہے۔ اور تنازع کی صورت میں 'ردوہ الی اللّٰہ والرسول' کے حکم کا پابند (شریعت کی بالادستی کا قائل) ہے، چنانچہ جب وہ مسلمانوں سے نکل جائے یا شریعت کی بالادستی تسلیم نہ کرے تو اس کی اطاعت مسلمانوں پر واجب نہیں رہے گی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی کو کفر بواح یا کھلے کفر سے تعبیر فرمایا ہے۔

اس اطاعت کے مشروط ہوتے ہی یہ بات خود بخود واضح ہو جاتی ہے کہ حکمران کی اطاعت مذکورہ شرط کے اٹھ جانے سے ترک بھی کی جا سکتی ہے۔ ترک اطاعت چونکہ کسی بھی ریاست کے لیے بہت نازک حالات پیدا کر سکتی ہے، اس لیے اس کے حدود وقیود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود متعین کر دیے ہیں تاکہ مسلمان اس نازک مسئلے میں غلطی نہ کھائیں۔ چنانچہ خروج یا محض ترک اطاعت کے لیے بھی ان کا ملحوظ رکھنا از بس ضروری ہے، ورنہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا اندیشہ ہے۔

ترک اطاعت کا جواز اور حدود وقیود

اس کے حدود قرآن کی آیت 'اولی الامر' کے در و بست ہی میں موجود ہیں، انھی حدود کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف مواقع پر واضح فرمایا ہے۔ ہم اوپر اس آیت کی وضاحت میں ان کی طرف اشارہ کر چکے ہیں۔ عبادہ بن صامت کی روایت میں، آپ نے اس کی وجہ جواز یوں بیان فرمائی ہے:

أن لا ننازع الأمر أهله إلا ان	"(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے
تروا كفرًا بواحاً عندكم من	اس بات پر بیعت لی کہ) ہم اہل اقتدار سے

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

اللّٰہ فیہ برھان.

(مسلم، کتاب الامارہ)

نزاع نہیں کریں گے۔فرمایا کہ تم ایسا کر سکتے ہو، اگر تم ان کی طرف سے کوئی کفر صریح دیکھو، جس کے بارے میں تمھارے پاس اللہ کی طرف سے برہان قاطع موجود ہو۔‘‘

اس روایت میں آپ نے صاف الفاظ میں فرمایا کہ ہم اہل اقتدار کی اطاعت صرف اس صورت میں ترک کر سکتے ہیں کہ جب وہ کسی صریح کفر (کفر بواح) کے مرتکب ہوں۔

کفر بواح سے مراد

اس کی وضاحت بھی آپ نے اسی حدیث میں خود ہی فرما دی ہے۔یعنی ایسا صریح کفر ہو کہ اس کے ثبوت کے لیے کسی بحث مباحثہ اور تاویل کی ضرورت نہ ہو، بلکہ قرآن مجید میں اس کے لیے واضح اور دوٹوک الفاظ میں حکم موجود ہو۔ایسا نہ ہو کہ اپنے کسی خیال کے تحت کسی عمل کو کفر قرار دے دیا جائے اور پھر اس کی بنیاد پر ترک اطاعت یا خروج کی ٹھان لی جائے۔جیسا کہ حضرت علی کے زمانے میں خوارج نے 'تحکیم' کو کفر قرار دے لیا تھا۔چونکہ یہ اجتماعی زندگی کی بقا کا مسئلہ ہے، اس لیے خاص اس معاملے میں یہ نہایت ضروری ہے کہ کسی فعل کو کفر قرار دینے کے لیے ناقابل تردید دلائل موجود ہوں۔

یہاں یہ بات بھی واضح رہے، کفر صرف یہی نہیں ہے کہ اسلام کے عقائد کا انکار کر دیا جائے، بلکہ خود حکمرانوں کے معاملے میں یہ بھی کفر ہے کہ وہ فصل نزاعات، قانون سازی اور حکم جاری کرنے میں اللہ کی دی ہوئی شریعت کی خلاف ورزی پر اصرار کریں۔اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَمَنۡ لَّمۡ يَحۡكُمۡ بِمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓـئِكَ هُمُ الۡكٰفِرُوۡنَ.

(المائدہ ۵:۴۴)

’’اور جو لوگ اللہ کی اتاری ہوئی شریعت کے مطابق فیصلے نہ کریں تو وہ لوگ کافر ہیں۔‘‘

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

کفر کے علاوہ ترک اطاعت جائز نہیں

کفر بواح کے علاوہ، کسی صورت میں بھی، ترک اطاعت جائز نہیں ہے۔ خواہ حکمرانوں کا رویہ دین اور دنیا کے معاملات میں بے پروائی ہی کا کیوں نہ ہو۔ آپ نے یہ بات مختلف روایات میں خود واضح فرما دی ہے:

إنها ستكون من بعدي أمراء يصلون الصلاة لوقتها و يؤخرونها عن وقتها، فصلوها معهم فإن صلوها لوقتها وصليتموها معهم، لكم ولهم وإن أخروها عن وقتها فصليتموها. من فارق الجماعة مات ميتة جاهلية. ومن نكث العهد ومات ناكثاً للعهد، جاء يوم القيامة، لا حجة له. (احمد بن حنبل، مسند المکیین)

”میرے بعد ایسے امرا ہوں گے جو وقت بے وقت نماز پڑھیں گے۔ تو تم ان کے ساتھ نماز پڑھتے رہو، اگر وہ وقت پر نماز پڑھیں گے تو انھیں اور تمھیں اس کا ثواب مل جائے گا اور اگر وہ تاخیر کریں گے تو تمھیں ثواب مل جائے گا اور ان کے لیے اس کا وبال ہوگا (اس لیے کہ) جو نظم ریاست سے الگ ہوا اور اسی حالت میں مر گیا تو جاہلیت کی موت مرا۔ اور جس نے عہد توڑا، اور عہد توڑ کر مرا تو قیامت کے دن اس طرح آئے گا کہ اپنے جرم کے حق میں پیش کرنے کے لیے اس کے پاس کوئی حجت نہ ہوگی۔“

اسی طرح دنیوی امور کے بارے میں روایات سے آپ کا یہی حکم سامنے آتا ہے:

عن عبادة بن الصامت فقال: دعانا رسول الله صلى الله عليه وسلم. فكان فيها اخذ علينا: ان بايعنا على السمع والطاعة في منشطنا

”عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں بلایا کہ ہم سے سمع و طاعت کی بیعت کریں، اس بات پر کہ ہم طوعاً و کرہاً اور تنگی و کشادگی میں،

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

ومكرهنا وعسرنا ويسرنا واثرة علينا وأن لاننازع الامر اهله إلا أن تروا كفرًا بواحاً عندكم من اللّٰه فيه برهان.

(بخاری، کتاب الفتن)

اور اپنے اوپر دوسروں کی ترجیح کے باوجود بھی صاحب امر سے جھگڑا نہ کریں گے۔ اور فرمایا: سوائے اس صورت کے کہ تم لوگ اس کی طرف سے کسی کھلے کفر کا ارتکاب ہوتا دیکھ لو اور کفر بھی ایسا کہ جس کے بارے میں تمھارے پاس قرآن وسنت میں واضح دلیل ہو، (محض اپنے کسی خیال پر ایسا نہیں کیا جا سکتا)۔''

اسی طرح شخصی طور پر ناپسندیدہ حکمران کی اطاعت کے بارے میں بھی آپ نے یہی حکم دیا:

عن انس بن مالك رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم إسمعوا وأطيعوا وإن استعمل عليكم عبد حبشي، كان راسه زبيبة.

(بخاری، کتاب الاحکام)

''انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سمع و طاعت پر قائم رہو، خواہ تمھارے اوپر ایک حبشی غلام، جس کا سر منقے کی طرح چھوٹا سا ہو، حکمران بنا دیا جائے۔''

گویا اس طرح کی ہر حالت میں حکمران کی اطاعت ہم پر فرض ہے۔ ان صورتوں میں نہ حکمران کی اطاعت ترک کی جا سکتی ہے اور نہ اس کے خلاف بغاوت (خروج) کی جا سکتی ہے۔ البتہ کفر بواح کے بعد، جیسا کہ ہم نے ذکر کیا، خروج اور ترک اطاعت جائز ہو جاتے ہیں۔ لیکن یہ واضح رہے کہ خروج کسی صورت میں بھی واجب نہیں ہوتا قرآن وحدیث کے تمام ذخیرے میں خروج اور ترک اطاعت کو واجب قرار نہیں دیا گیا، بلکہ اس کے جواز پر بھی کفر بواح کے علاوہ تین شرطیں اور عائد کی گئی ہیں۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

شرائط خروج

جہاد کے لیے اقتدار اولین شرط ہے اور یہ خروج کے لیے بھی ہو گی، البتہ اس کے علاوہ تین مزید شرائط اس پر لاگو ہوتی ہیں:

۱۔ پہلی شرط جیسا کہ ہم نے ذکر کیا کہ یہ ہے کہ اس اقدام کا حق اس وقت تک حاصل نہیں ہوتا جب تک اولوالامر کھلے کفر کا ارتکاب نہ کریں۔ ہم اسے پوری تفصیل سے اوپر بیان کر چکے ہیں۔

۲۔ دوسری شرط اس اقدام کے لیے یہ لگائی گئی ہے کہ حکومت استبدادی ہو جو نہ مسلمانوں کی رائے سے قائم ہوئی ہو اور نہ ان کی رائے سے اسے تبدیل کر دینا کسی شخص کے لیے ممکن ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلام نے حکومت کے انعقاد اور اس میں تبدیلی کے لیے 'امر هم شورىٰ بينهم'[8] کا قاعدہ مقرر کیا ہے۔ اس لیے بغاوت کے ذریعے سے تبدیلی لانے کی کوشش اس حکم کی صریح خلاف ورزی ہے۔

۳۔ دوسری شرط ہی کا ایک لازمی تقاضا یہ بھی ہے کہ علم بغاوت بلند کرنے والے کو مسلمانوں کی اکثریت کی تائید حاصل ہو۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

من بايع رجلا عن غير مشورة من المسلمين فلا يبايع، هو ولا الذى بايعه تغرة ان يقتلا. (بخاری، کتاب الحدود)	''جس شخص نے مسلمانوں کی رائے کے بغیر کسی کی بیعت کی، وہ اور جس کی بیعت کی گئی، دونوں اپنے اس اقدام کی وجہ سے اپنے آپ کو قتل کے لیے پیش کریں گے۔''

یہ وہ شرائط ہیں جن کی خلاف ورزی کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں ہے۔ چنانچہ یہ اگر پوری نہ ہوں تو خروج کرنے کے بجائے وہ جہاد ہی افضل ہے، جس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

إن من أعظم الجهاد كلمة	''بے شک کلمۂ حق ایک بڑا جہاد ہے،

---

[8] الشوریٰ ۴۲: ۳۸۔ ''ان (اہل ایمان) کے معاملات باہمی مشورے سے چلتے ہیں۔''

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

عدل عند سلطان جائر. جب وہ کسی جابر بادشاہ کے سامنے کہا جائے۔‘‘

(ترمذی، کتاب الفتن)

۲۔ بغاوت کی مخالفت کا حکم

اس سلسلے کا دوسرا حکم یہ ہے کہ ایسے حکمران کے خلاف، جس کی حکومت پر قوم مجتمع ہو، اگر بغاوت اٹھے تو اس کے مقابلے میں حکمران کا ساتھ دیا جائے:

فوا ببيعة الاول فالأول. واعطوا حقهم، فإن الله سائلهم عما استرعاهم. (مسلم، کتاب الامارہ)

’’جس کی پہلے بیعت کی ہو، اس کی بیعت کو پورا کرو۔ یہ ان کا حق ہے، اسے ادا کرو۔ اور جس کی ذمہ داری اللہ نے ان (حکمرانوں) پر ڈالی ہے، اس کے بارے میں، وہ خود ان سے پوچھ لے گا۔‘‘

اگر ان کا ساتھ نہ دیا جائے تو التزام جماعت کے حکم کی خلاف ورزی ہوگی۔ چونکہ اطاعت اولی الامر کا حکم اس لیے دیا گیا ہے کہ ملت اسلامیہ انتشار اور فتنے سے محفوظ رہے، اس وجہ سے پہلا حکم یہ ہے کہ موجود حکمران کا ساتھ دیا جائے۔ اور دوسرے یہ کہ علم بغاوت بلند کرنے والوں کو سخت سزا دی جائے تا کہ اس طرح کی سوچ رکھنے والوں کی حوصلہ شکنی ہو۔

باغی کی سزا

جس حکومت پر قوم کی اکثریت مجتمع ہو، اس کے خلاف علم بغاوت بلند کرنا اسلام میں ایک سنگین جرم ہے۔ یہ اصل میں ملت اسلامیہ کو توڑنے کا اقدام ہے۔ اور ملت کا انتشار اصل میں منصب امامت سے اس کا عزل ہے، کیونکہ اس منصب پر قائم رہنے کے لیے ملت کو جسد واحد کی طرح ہونا چاہیے۔ اس لیے جو آدمی اس ملت میں انتشار پیدا کرتا ہے، وہ ملت کو اس کے منصب سے معزول کرنے کا باعث بنتا ہے اور اس طرح یہ ’شہادت علی الناس‘ کے فریضہ میں رکاوٹ بنتا ہے۔ قرآن

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org
"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

کی اصطلاح میں یہ 'فساد فی الارض' ہے، جس کی سزا دنیا میں موت اور آخرت میں دوزخ ہے۔

إنه ستكون هنات و هنات فمن أراد أن يفرق أمر هذه الامة، و هي جميع فاضربوه بالسيف كائنا من كان. (مسلم، کتاب الامارہ)

''یہ بات یاد رکھو کہ میرے بعد جلد ہی مصیبت پر مصیبت آئے گی تو جس نے اس ملت کے نظام اجتماعی کو پارہ پارہ کرنے کی کوشش کی، جبکہ یہ اپنی حکومت پر مجتمع ہو تو جو بھی تفریق پیدا کرنے والا ہو، اس کی گردن مار دو، خواہ وہ کوئی بھی ہو۔''

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

۳۔ وحدت ریاست کا حکم

یہ التزام جماعت کا ایک بدیہی تقاضا ہے کہ پوری ملت اسلامیہ ایک ہی نظام ریاست میں بندھی رہے۔ ملت اسلامیہ کا چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں بٹ جانا، منشاے دین کے خلاف ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شہادت حق کے لیے مبعوث فرمایا اور اس سلسلے کو جاری رکھنے کے لیے یہ لازم قرار دیا کہ وہ نہ صرف اپنے اندر نظام خیر کو نافذ کرے، بلکہ یہ بھی کہ امت مسلمہ ایک سیاسی قیادت کے تحت، ریاست ہاے متحدہ اسلامیہ کی صورت میں جسد واحد بن کر رہے۔

چنانچہ قرآن مجید نے جہاں قیام حکومت کا حکم دیا ہے، وہاں تمام عالم اسلام کی ایک حکومت بنانے کا حکم بھی دیا ہے 'ولتكن منكم امة[9]' میں 'امة' کا لفظ اختیار کیا ہے 'امم' کا نہیں۔

۴۔ سواد اعظم کی اتباع

اس باب میں چوتھا حکم اجتماعی امور میں سواد اعظم (اکثریت) کی پیروی کا ہے۔ اسلامی نظام ریاست شوریٰ پر قائم ہوتا ہے، جس میں مشورے کے وقت اختلاف رائے ایک فطری امر

۹ ''اور تمھارے اندر ایک ایسی جماعت ہونی چاہیے۔'' (آل عمران ۳:۱۰۴)

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

ہے۔اگر اختلاف افہام وتفہیم سے طے نہ ہو تو اس صورت میں فیصلے کی بنیاد اکثریت کی رائے پر رکھی گئی ہے:

فـإذا رأيتـم اختـلافـاً، فعليكم بالسواد الأعظم.

(ابن ماجہ، کتاب الفتن)

''جب تم اختلاف پاؤ تو اس صورت میں اکثریت کی رائے کی پیروی تم پر لازم کی گئی ہے۔''

چنانچہ ہم ریاستی امور مثلاً حکمران کے انتخاب، ملکی نظام کی تشکیل، قانون سازی، ملکی امور میں حکمت عملی کی ترتیب جیسے معاملات میں سواد اعظم (اکثریت) کی پیروی کے پابند ہیں۔یہی وہ واحد راستہ ہے، جس کے بعد اختلاف کے باوجود بھی 'الجماعۃ' کے ساتھ وابستہ رہا جا سکتا ہے۔

۵۔محکومی میں 'التزام جماعت'

اگر کسی وقت مسلمان غیر مسلم حکمرانوں کے محکوم ہو جائیں تو بحیثیت قوم ایک ہی قیادت کے تحت جمع ہو جائیں تاکہ ان کے رہنما اپنے حکمرانوں کو دعوت ایمان کے بعد، ان کے ایمان نہ لانے کی صورت میں ان سے اپنی قوم کی آزادی یا مذہبی آزادی جیسے حقوق کا مطالبہ کر سکیں، جیسا کہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے کیا:

وَقَـالَ مُـوسٰـى يَـا فِرعَونُ إِنِّي رَسُـولٌ مِّـنْ رَّبِّ الْـعَـالَـمِـيْـنَ . حَقِيقٌ عَلَى أَنْ لَّا أَقُولَ عَلَى اللّٰهِ إِلَّا الْـحَـقَّ قَـدْ جِـئْـتُـكُم بِبَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَأَرْسِلْ مَعِيَ بَنِي إِسْرَائِيلَ.

(الاعراف ۷:۱۰۴-۱۰۵)

''اور موسیٰ نے کہا: اے فرعون میں پروردگار عالم کا رسول ہوں۔یہی مناسب ہے اور میں اسی کا حریص ہوں کہ اللہ کی طرف حق کے سوا کوئی اور بات منسوب نہ کروں۔میں تمھارے پاس تمھارے پروردگار کی طرف سے واضح نشانی لے کر آیا ہوں۔ پس (میری قوم) بنی اسرائیل کو تم میرے ساتھ جانے دو۔''

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

اوپر ہم قرآن کا حکم دیکھ چکے ہیں کہ ملت اسلامیہ پر ایک ریاست کا نظام قائم کر کے رہنا لازم کر دیا گیا ہے۔ وہ کسی صورت میں بھی اس حالت میں زندگی بسر نہ کریں کہ نہ ان میں کوئی رشتہ و ربط ہو اور نہ وحدت ملت کے لیے کوئی رابطہ۔ وہ محض ایک بھیڑ ہوں، جو اپنے میں سے کسی قائد کی قیادت پر جمع نہ ہوں۔ حتیٰ کہ احادیث سے تو یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اگر تین یا تین سے زیادہ مسافر کسی سفر کو نکلیں تو وہ اپنے اندر کسی ایک کو سربراہ مقرر کر لیں۔ ظاہر ہے کہ اگر کسی سرزمین میں مسلمان ایک قوم کی شکل اختیار کر لیں تو یہ حکم مزید موکد ہو جاتا ہے۔ آپ کا فرمان ہے:

لا یحل لثلاثۃ نفر یکونون بارض فلاۃ الا امروا علیہم احدھم. (احمد بن حنبل، مسند المکثرین من الصحابہ)

”جس گروہ میں تین افراد ہوں، اس کے لیے جائز نہیں کہ وہ کسی ویرانے میں ہوں، سوائے اس کے کہ انھوں نے اپنے اوپر اپنے میں سے ایک سربراہ مقرر کر لیا ہو۔“

یہ تقاضا ظاہر ہے، نیابت کے اصول پر پیدا ہوتا ہے، چنانچہ جہاں مسلمانوں پر ان کی اپنی حکومت قائم نہ ہو وہاں ان پر لازم ہے کہ وہ اس حکم پر عمل کریں، لیکن جہاں مسلمان اپنی حکومت کے تحت جمع ہوں، خواہ وہ حکومت نظری طور ہی پر مسلمان ہو تو اس صورت میں اس قسم کی جماعت سازی، یقیناً غیر اسلامی فعل ہے۔ اس لیے کہ نیابت کے لیے ضروری ہے کہ 'الجماعۃ' کا وجود ہی نہ ہو۔

اگر وہ محکوم ہوں تو اصول نیابت کا یہ تقاضا تو یقیناً ہو سکتا ہے کہ وہ ایک قیادت کے تحت جمع ہو جائیں اور ان کا قائد موسیٰ علیہ السلام کی طرح، اپنے غیر مسلم حکمرانوں کو اسلام کی دعوت دے سکے اور ان کے انکار کی صورت میں اپنی قوم کی آزادی یا وہاں رہنے کے لیے مذہبی آزادی جیسے حقوق کا مطالبہ کر سکے۔ لیکن یہ تقاضا قطعاً پیدا نہیں ہوتا کہ مسلمانوں کے اندر سے ایک گروہ اکٹھا کر کے اسے 'الجماعۃ' قرار دے لیا جائے۔ اس قسم کی جماعت سازی مسلمانوں کو اکٹھا کرنے کے بجائے انھیں ایک دوسرے سے کاٹنے کا باعث بنے گی۔ چنانچہ ہمارے ملک ہی میں دیکھ لیجیے کہ اس فلسفے کے تحت قائم ہونے والی تمام جماعتیں مسلمانوں کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کرنے کے بجائے انھیں کئی گروہوں اور فرقوں میں تقسیم کر چکی ہیں۔

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

اس کے برعکس ریاست پاکستان کو دیکھیے کہ اپنی تمام تر خرابیوں اور کمزوریوں کے باوجود رنگ و نسل اور مذہب و مسلک کے اعتبار سے مختلف اقوام کو ایک ہی پرچم تلے جمع کرنے میں کامیاب ہے۔ ہمارے نزدیک یہی وہ طریقہ ہے، جسے قرآن نے 'ولتکن منکم امة' اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے 'علیکم بالجماعة' کے الفاظ سے تعبیر فرمایا ہے۔ اس لیے کہ اس حکم کی علت اقامت دین نہیں، بلکہ 'اعتصموا بحبل اللّٰہ جمیعا و لا تفرقوا' ہے، چنانچہ وہ طریقہ اس کی تعمیل کیسے ہو سکتا ہے جو حبل اللہ پر جمع کرنے اور تفرقہ سے بچانے کے بجائے انھیں کاٹ کر فرقہ فرقہ کر دے۔ اس پر تفصیلی بحث مضمون کے آخر میں 'دوسرے انحراف پر تنقید' میں ہوگی۔

التزام جماعت کی حکمت

قرآن مجید میں یہ حکم جس سیاق میں آیا ہے، اس پر غور کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ 'ولتکن منکم امة'[10] میں قیام ریاست کا یہ حکم، اس لیے دیا جا رہا ہے کہ ملت متحد رہ کر نیابت رسول کے لیے تیار رہے اور اس حیثیت میں شہادت علی الناس کا فریضہ سر انجام دے سکے۔ اس منصب امامت پر قائم رہنے کے لیے، جس طرح شریعت اور نظام عدل پر قائم رہنا ضروری ہے، اسی طرح، ایک مرکز اور ایک نظم سے وابستگی بھی اشد ضروری ہے۔ چنانچہ، التزام جماعت کے حکم سے مقصود، اصل میں، یہی ہے کہ ملت وحدت ریاست پر قائم رہے۔ اس میں انتشار پیدا نہ ہو۔ انتشار اس کے لیے عذاب الٰہی اور وحدت اس کے لیے رحمت خداوندی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ نے یہ حکم اس تاکید کے ساتھ دیا ہے کہ اگر ان تمام روایات کو جمع کر لیا جائے تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ گویا توحید، معاد اور رسالت پر ایمان کے بعد یہ اسلام کا سب سے بڑا حکم ہے، جس سے انحراف اسی طرح دوزخ کی سزا کا موجب ہے، جس طرح ان بنیادی عقائد سے انحراف۔

چنانچہ، آپ نے اس بات کی طرف مختلف اسالیب میں اشارہ کیا ہے کہ انتشار ملت اس کے افراد اور اس کے اجتماعی وجود کے لیے زہر قاتل ہے۔ اور التزام جماعت ان فتنوں کے لیے

---

[10] ''تم میں ایک (بااختیار) گروہ ہونا چاہیے (یعنی حکومت)۔'' (آل عمران ۳:۱۰۳)

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

ڈھال ہے۔

فتنوں کے لیے ڈھال

۱۔ یہ فطری سی بات ہے کہ فتنوں سے بچنے کے لیے اور دشمن کے مقابلے میں، مضبوط و محکم رہنے کے لیے ضروری ہے کہ ملت ایک مرکز سے وابستہ ہو۔ چنانچہ، جب تک ملت اسلامیہ ایک مرکز سے وابستہ رہے گی، اس وقت تک فتنوں سے محفوظ رہے گی، کیونکہ ایک متحد گروہ ایک منتشر بھیڑ سے بہتر ہے۔ جس طرح اکیلا آدمی بھاری دشمن کا مقابلہ نہیں کر سکتا، اسی طرح اکیلا مسلمان بھی شیطان جیسے دشمن کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ اور انتشار کے باعث، ملت اسلامیہ، اجتماعی سطح پر، بھی دشمن کے مقابلے میں، زیادہ دیر نہیں ٹھہر سکتی۔ چنانچہ، رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

عن معاذ بن جبل ان النبی صلی اللّٰہ علیہ و سلم قال: إن الشیطان ذئب الانسان، کذئب الغنم، یاخذ الشاۃ القاصیۃ والناحیۃ، فإیاکم والشعاب و علیکم بالجماعۃ والعامۃ والمسجد.

(احمد بن حنبل، کتاب مسند الانصار)

”معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا: شیطان انسان کے لیے ایسے ہی ہے جیسے بکریوں کے ریوڑ کے لیے بھیڑیا، جو ریوڑ سے الگ اور اس سے گریزاں ہو کر چلنے والی بھیڑ کھا جاتا ہے۔ شیطان کے اس شر سے بچنے کے لیے تم پر واجب ہے کہ ہر ممکن انتشار سے بچو، اور حکومت کی اطاعت پر کمر بستہ رہو۔ ریوڑ کے ساتھ رہو، اس سے الگ ہو کر نہ چلو۔ اسی مقصد کے لیے مسجد سے بھی جڑے رہو، اس لیے کہ وہ اجتماعیت کا مرکز ہے۔“

ایک اور موقع پر آپ نے اس تمثیل کو اس طرح بیان فرمایا ہے کہ میرے بعد فتنے اٹھیں گے۔ پہلی امتوں میں، ان فتنوں کو کچلنے کے لیے، انبیا آتے رہے، مگر چونکہ اب کسی اور نبی کو نہیں

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org
"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

آنا، اس لیے تم ان فتنوں سے بچنے کے لیے اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھنا، حقوق العباد ادا کرتے رہنا اور نظم اجتماعی سے وابستہ رہنا۔ ورنہ فتنوں کا یہ شیطانی بھیڑیا تمھیں بھی نگل جائے گا۔ نسائی کی روایت ہے:

أیھا الناس، أنہ لم یکن نبی قبلی، الا کان حقاً علیہ ان یدل امتہ علی ما یعلمہ خیر الھم، وینذرھم ما یعلمہ شرا لھم، ألا و ان عافیۃ ھذہ الامۃ فی اولھا، وسیصیب آخرھا بلاء و فتن، یرقق بعضھا بعضاً، تجیٔ الفتنۃ، فیقول المؤمن: ھذہ مھلکتی، ثم تنکشف ثم تجیٔ فیقول: ھذہ ھذہ، تجیٔ، فیقول: ھذہ ھذہ، ثم تنکشف، فمن أحب أن یزحزح عن النار، ویدخل الجنۃ، فلتدرکہ منیتہ وھو یؤمن باللّٰہ والیوم الآخر، و یأتی إلی الناس ما یحب أن یؤتی الیہ ومن بایع إماماً، فاعطاہ صفقۃ یدہ، وثمرہ قلبہ فلیطعہ إن استطاع. (کتاب البیعہ)

''اے لوگو، مجھ سے پہلے کوئی نبی ایسا نہیں گزرا کہ جس پر یہ لازم نہ رہا ہو کہ وہ اپنی قوم کی رہنمائی ان کے بھلے کی طرف کرے، اور ان کے بُرے سے انھیں متنبہ کر دے۔ (میں بھی تمھیں اچھے اور بُرے سے آگاہ کرنے آیا ہوں)، تو آگاہ رہو کہ اس امت کا پہلا دور تو عافیت کا دور ہے۔ بعد کا دور فتنوں کا ہے، جس میں فتنے پے در پے اٹھیں گے۔ تو جب کوئی فتنہ اٹھے گا تو بندۂ مومن کہے گا کہ یہ میری ہلاکت ہے، پھر دوسرا فتنہ اٹھے گا، تو وہ کہے گا، یہ میری ہلاکت ہے۔ پھر وہ فتنہ بھی فرو ہو جائے گا۔ تو جو چاہتا ہے کہ ان فتنوں کی وجہ سے دوزخ سے بچا کر جنت میں داخل کیا جائے تو چاہیے کہ اسے اس حالت میں موت آئے کہ وہ اللہ اور آخرت کو مانتا ہو۔ اور لوگوں کے ساتھ ویسے ہی پیش آئے، جیسا وہ چاہتا ہے کہ خود اس کے ساتھ پیش آیا جائے۔ اور جو کسی حکمران کے ہاتھ پر بیعت کرے اور اس کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دے کر، صدق

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

دل سے اطاعت کا عہد کرے تو اسے چاہیے
کہ وہ، حتی الامکان، اس کی اطاعت کرتا
رہے۔‘‘

یعنی ملت کے اندرونی اور بیرونی دشمنوں کی سازشوں اور ریشہ دوانیوں سے بچنے کے لیے یہ لازم کیا گیا ہے کہ ہم ’الجماعۃ‘ کے ساتھ وابستہ رہیں۔

۲۔اس حکم میں، پیش نظر، ایک چیز یہ بھی ہے کہ ان فتنوں کا مقابلہ تائید الٰہی کے بغیر ممکن نہیں ہے، اور تائید الٰہی صرف اس صورت میں نازل ہوگی، جب ہم اس کے حکم کے مطابق باہم دگر متحد رہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

يد الله على الجماعة.
(مستدرک، کتاب العلم)

’’الجماعۃ کے قائم رہنے میں اللہ کی تائید و نصرت ہے۔‘‘

اسی طرح آپ کا فرمان ہے:

الجماعة رحمة و الفرقة عذاب.
(مسند احمد، اول مسند الکوفیین)

’’الجماعۃ کا قائم رہنا اللہ کی رحمت ہے اور اس ’الجماعۃ‘ کا بکھر جانا عذاب الٰہی ہے۔‘‘

کامیاب فرقہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کے ان فرقوں کے لیے بشارت دی ہے کہ جنت میں صرف وہی لوگ جائیں گے، جو ’الجماعۃ‘ کے ساتھ وابستہ رہیں گے۔

إن أمتي ستفترق على ثنتين و سبعين فرقة، كلها في النار، إلا واحدة و هي الجماعة.
(ابن ماجہ، کتاب الفتن)

’’بلاشبہ، میری امت بہتر فرقوں میں بٹ جائے گی، جن میں سے ایک کے سوا سب جہنم میں جائیں گے اور وہ ’’الجماعۃ‘ ہے۔‘‘

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

یہاں یہ بات واضح رہے کہ فرقوں سے مراد مکاتب فکر نہیں ہیں، بلکہ، یہاں ان سے مراد وہ فرقے ہیں جو سیاسی یا دینی طور پر انتشار کا باعث ہوئے۔ مثلاً خوارج، جو ایک سیاسی فرقہ تھے۔ جنھوں نے 'الجماعۃ' سے انحراف کیا۔ یہی مضمون ایک اور روایت میں ان الفاظ میں آیا ہے:

أعبدوا ربكم، وصلّوا خمسكم، وصوموا شهركم، وأدوا زكاة اموالكم، و أطيعوا ذا امركم، تدخلوا جنة ربكم.	"اپنے پروردگار کی بندگی کرو اور پانچوں نمازیں پڑھو، اپنے اموال سے زکوٰۃ ادا کرو اور اپنے حکمران کی اطاعت کرو، پھر تم اپنے رب کی جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔"

(مسند احمد، کتاب باقی مسند الانصار)

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

استدراک

آج، مغرب کے استیلا کے بعد عالم اسلام آزاد ہو چکا ہے، مگر اس وقت، وہ چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں بٹا ہوا ہے۔ مسلمان، قومیت کی دلفریبیوں میں الجھ کر، افغانی و تورانی بن چکے ہیں۔ وحدت امت کا تصور ایک خواب پریشان محسوس ہوتا ہے۔ اسلامی ریاستوں کے اس تعدد کی وجہ سے ملت 'اعتصام بحبل اللّٰہ' پر قائم نہیں رہی۔ دین کے چہرے پر، دن بدن، ایسی گرد جمتی جا رہی ہے کہ شاید ہی کبھی صاف ہو سکے۔

ملت اسلامیہ میں ایک ہی ریاست قائم ہونی چاہیے تھی، لیکن صورت حال یہ ہے کہ وہ کئی ملکوں میں بٹ چکی ہے۔ اس صورت میں دین کا حکم یہ ہے کہ اگر تمھارے پاس ایک خطۂ ارضی ہو، جس میں تمھیں سیاسی خود مختاری بھی حاصل ہو تو اپنے اندر ایک حکومت قائم کر لو۔ بھیڑ بکریوں کی طرح، بے نظم و پراگندہ، نہ رہو۔ اور اس حکومت کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ شریعت اسلامیہ کے مطابق قانون سازی کر کے اپنے معاشرے کو اسلام کے اصولوں پر چلائے۔ دین کے اسی اصول کے مطابق پاکستان میں نظم ریاست قائم ہو چکا ہے۔ اس لیے ہم دین کے ان تمام احکام کے مکلّف ہیں، جو ریاست سے متعلق قرآن وسنت میں بیان ہوئے ہیں۔ اس صورت میں جب تک

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

ملت ایک نہیں ہو جاتی اور اس میں ایک متحدہ ریاست قائم نہیں ہو جاتی، ریاست پاکستان کی وہی حیثیت رہے گی، جو 'الجماعۃ' کی ہے۔ہم پر اس کے وہی حقوق قائم ہوں گے، جو 'الجماعۃ' کے ہیں (جن کو تفصیل سے بیان کیا جا چکا ہے)۔شریعت کی رو سے، اس کے قوانین کی اطاعت، اس کے حکمران کی فرماں برداری اور اس کے خلاف سازشوں سے گریز ہمارے دین و ایمان کا تقاضا ہے۔ مسلمانوں پر یہ حرام کیا گیا ہے کہ وہ اپنی ریاست کے قوانین سے بے پروائی کا رویہ اختیار کریں۔ اس کا ہر قانون، خواہ وہ ہماری نظر میں کتنا ہی ظالمانہ ہو، واجب الاطاعت ہے۔ ہمیں اس کی خلاف ورزی نہیں کرنی چاہیے۔

علما کی ذمہ داری

اس صورت حال میں عالم اسلام کے تمام علما پر ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ اپنے اپنے ملکوں میں اسلام کے احکام اپنے حکمرانوں کو بتاتے رہیں۔ انھیں یاد دلائیں کہ اسلام حکمرانوں پر ریاستی امور سے بڑھ کر، چند مزید ذمہ داریاں ڈالتا ہے کہ وہ 'دعوت الی الخیر'، 'امر بالمعروف' اور 'نہی عن المنکر' کے فرائض سرانجام دیں۔ اس ضمن میں علما کو اس کا خیال رکھنا چاہیے کہ وہ عملی سیاست میں آ کر حکمرانوں کے حریف بننے کے بجائے اپنی مسند انذار پر قائم رہیں۔ جسے اللہ نے ان کے لیے مخصوص فرمایا ہے کہ وہ قوم و ملت کی اصلاح کے لیے، ان میں منذر بن کر کھڑے ہوں، جیسا کہ سورۂ توبہ میں ارشاد ہے:

وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوْٓا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ. (۹:۱۲۲)	''اور یہ تو نہ تھا کہ سبھی مسلمان اٹھتے، تو ایسا کیوں نہ ہوا کہ ان کے ہر گروہ میں سے، کچھ لوگ نکل کر آتے تاکہ دین میں بصیرت حاصل کرتے اور اپنی قوم کے لوگوں کو انذار کرتے، جب ان کی طرف لوٹتے، اس لیے کہ وہ بھی بچتے۔''

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

یہ بعینہٖ وہی ذمہ داری ہے، جو انبیاے بنی اسرائیل ادا کرتے رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: 'علماء أمتی کأنبیاء بنی اسرائیل' کہ میری امت کے علما کی وہی ذمہ داری ہے، جو بنی اسرائیل کے انبیا کی تھی۔ (یہاں یہ واضح رہے کہ اس جملے میں رسول اور نبی کا فرق پوری طرح ملحوظ رہے)۔ یہی بات، دوسرے موقع پر، آپ نے یوں بیان فرمائی ہے: 'العلماء ورثة الأنبياء' کہ علما انبیا کے فریضۂ انذار اور ان کے علم کے وارث ہیں۔ جس کو یہ مقام بلند عطا ہوا ہو، اس کو چاہیے کہ وہ اس مرتبہ کا خیال کرے اور غلط راستے اختیار کر کے اس منصب کو رسوا نہ کرے کہ جس کے بعد لوگوں کا اس سے اعتماد اٹھ جائے۔[11]

ایک غلطی کا ازالہ

ہمارے علما نے قیام پاکستان سے لے کر اب تک اصلاح احوال کے لیے وہ راستہ اختیار کیا ہے جو کسی پہلو سے بھی ٹھیک نہیں ہے۔ یعنی اصلاح کے بجائے حکمرانوں کے خلاف محاذ آرائی۔ ابھی تک ہماری، کم وبیش، پچاس سالہ تاریخ میں، کوئی داعی یہ دعوت لے کر نہیں اٹھا کہ 'اے حکمرانو، تمھارے کرنے کا کام یہ ہے، اسے کرو'، بلکہ، ہر طرف، یہی غلغلہ بلند ہوتا رہا ہے کہ یہ حکمران اس قابل نہیں ہیں کہ ہمارے دین کو نافذ کر سکیں۔ چنانچہ، ہم اپنی حکومت قائم کریں گے۔ اس کے لیے 'انقلابی' اور 'انتخابی' بنیادوں پر تبدیلی قیادت کا کام ہو رہا ہے۔ حالانکہ، پہلا کام اصلاح قیادت کا ہونا چاہیے۔ ان کی اصلاح سے گریز کر کے، ان کا تختہ الٹ کر، انقلاب لانے کی مساعی التزام جماعت کی روح سے انحراف ہے۔ التزام جماعت کا پہلا تقاضا یہی ہے کہ جس حکمران کو مسلمانوں نے اپنی آزادانہ رائے سے منتخب کیا ہے، اس کا ساتھ دیں، خواہ وہ ظالم وفاسق ہو یا نیکوکار۔ ساتھ دینے سے ہماری مراد وہی ساتھ دینا ہے، جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک فرمان میں واضح

---

[11] نبی اور رسول کا فرق ملحوظ نہ رکھنے والے علما نے بعض ایسی چیزیں اپنے لیے خاص سمجھ لیں، جو رسولوں کے لیے خاص تھیں اور انبیا بھی سنت الٰہی کے مطابق ان سے محروم تھے۔ مثلاً سورۂ حدید میں رسول کے ساتھ تعلق کی اساسات کو عموم میں لے جانا اور عذاب الٰہی کو اپنی دعوت کی ناکامی کے بعد لازم سمجھنا، وغیرہ۔

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

فرمایا ہے کہ ظالم اور مظلوم، دونوں کا ساتھ دو۔ لوگوں نے دریافت کیا: حضور مظلوم کا ساتھ دینا تو سمجھ میں آتا ہے، ظالم کا ساتھ دینا کیا ہوا؟ آپ نے فرمایا: ظالم کا ساتھ دینا اسے ظلم سے روکنا ہے، ہمارے نزدیک، دین کی رو سے، اس دیس میں، دعوت دین کی کامیابی اور دین کی سربلندی کے لیے ضروری ہے کہ علما اس غلطی کا ازالہ کریں۔

سیاست دانوں کا طرز عمل

جیسا کہ ہم نے ذکر کیا، ممالک اسلامیہ غلامی سے نکل چکے اور اب انھیں اپنی اپنی سرزمین میں سیاسی خود مختاری حاصل ہو چکی ہے۔ لیکن ہمارے سیاست دان ابھی تک ہر حکمران کو انگریزی حکمران خیال کرتے اور ان کے خلاف ہر وہ حربہ استعمال کرتے ہیں جو انگریز سے آزادی حاصل کرنے کے لیے اختیار کیا گیا۔ حتیٰ کہ ان کی یہ پوری کوشش ہوتی ہے کہ کسی نہ کسی طرح، یہ حکومت اپنی معیاد پوری کیے بغیر ناکام ہو کر واپس چلی جائے اور انھیں اقتدار کی اس کشمکش میں ایک اور موقع مل جائے تاکہ وہ مسند اقتدار پر قبضہ کر سکیں۔ ہمارے نزدیک یہ رویہ غیر اسلامی ہے۔

اسلام کے اصولوں کے مطابق جس حکومت پر عوام کی اکثریت (سواد اعظم) مطمئن ہو، اس کے خلاف، ایسا رویہ ہمارے دین و ایمان کے خلاف ہے۔ ہم نے اس مضمون میں یہ بات پوری طرح واضح کر دی ہے کہ جو حکومت مسلمانوں کی اجماعی رائے یا مجرد اکثریتی رائے سے قائم ہو، اس کے ساتھ تعاون و تناصر اور التزام ہر مسلمان پر واجب ہے۔ اس پر واجب ہے کہ وہ اس حکومت کو مضبوط رکھنے کے لیے ہر ممکن تعاون کرے۔ بیرونی دشمن اگر حزب اختلاف کو یہ کہیں کہ ان شرائط پر ہم تمھیں حکومت دلا دیتے ہیں تو حضرت معاویہ کی طرح ان کا جواب یہ ہونا چاہیے کہ یہ میرا اور علی کا معاملہ ہے، اگر تم نے کوئی حرکت کی تو تم اپنے خلاف، مجھے علی کے پرچم تلے، ایک سپاہی کی حیثیت سے دیکھو گے۔ یہی رویہ حکومت اور ریاست کے بارے میں اسلام ہمیں سکھاتا ہے۔ ایسا نہیں ہونا چاہیے کہ حرص اقتدار میں قوم وملت کا وجود داؤ پر لگا دیا جائے اور دشمنان اسلام ملت کے جسم کو نوچتے رہیں۔

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

اس کا مطلب یہ بھی نہیں ہے کہ سیاست دان سیاسی تبدیلیوں کے لیے جدو جہد نہیں کر سکتے۔ اسلام میں یہ چیز روا ہی نہیں، ضروری بھی ہے تا کہ حکمران طبقہ راہ راست پر رہے، لیکن اس جدو جہد کو اس دائرہ کے اندر محدود رہنا چاہیے، جس کے بارے میں، ہم پچھلے صفحات میں تفصیل سے لکھ آئے ہیں[۱۲]۔

عروج ملت کا صحیح راستہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

إن أمتي ستفترق علی ثنتين و سبعين فرقة. كلها في النار، إلا واحدة، وهي الجماعة.

''بلا شبہ میری امت بہتر فرقوں میں بٹ جائے گی، ایک کے سوا سب جہنم میں جائیں گے، اور وہ فرقہ 'الجماعۃ' ہے۔''

(ابن ماجہ، کتاب الفتن)

ایک اور روایت میں آپ نے کامیاب فرقے کی خصوصیات یہ بیان فرمائی ہیں: 'الجماعة و ما انا عليه و اصحابي' وہ فرقہ جو میری سنت اور 'الجماعۃ' پر کاربند رہے۔ اس بشارت میں ملت کو آنے والے خطرات سے بچنے کا طریقہ بھی مضمر ہے اور خطرات میں گھری ہوئی ملت کو ان سے نکالنے کا راستہ بھی۔

اگر اس روایت پر غور کیجیے تو یہ بات واضح طور پر معلوم ہوتی ہے کہ ملت کو اپنے منصب پر قائم رکھنے کے لیے انھی دو چیزوں کی ضرورت ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے پر قائم رہے، جسے آپ نے 'ما أنا عليه و أصحابي' کے الفاظ سے تعبیر فرمایا ہے۔ دوسری چیز یہ ہے کہ مسلمان 'الجماعۃ' کو اپنے اندر قائم کریں اور اس سے التزام رکھیں۔ یعنی ایک نظم کے تحت ساری ملت جمع ہو جائے۔

۱۲؎ تفصیل کے لیے ان عنوانات پر دوبارہ نگاہ ڈال لیجیے: ''التزام جماعت کا مطلب''، ''التزام جماعت کے تقاضے''۔

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

ظاہر ہے، جب ملت صحیح دین پر قائم رہے گی اور نظم اجتماعی کی پابند رہے گی، جو نہ صرف ملت کو وحدت پر قائم رکھے، بلکہ اسے 'دعوت الی الخیر'، 'نہی عن المنکر' اور 'امر بالمعروف' کے ذریعے سے اللہ کے دین پر قائم بھی رکھے تو نہ انفرادی سطح پر اخلاقی و دینی انحطاط آئے گا اور نہ وہ فرقے ہی وجود میں آئیں گے جن کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ میری امت میں وہ یہود و نصاریٰ سے بھی زیادہ ہوں گے۔

چنانچہ اس بشارت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ انفرادی انحطاط اور فرقوں کے وجود میں آنے کی اصل وجوہ کیا ہیں:

ایک وجہ یہ ہے کہ ملت کا اجتماعی نظم کمزور ہو جائے گا۔ کمزور ہونے سے مراد یہ ہے کہ لوگ 'علیکم بالجماعة' کے اصول پر کاربند رہیں گے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ لوگ اصل دین سے ہٹ جائیں گے۔ یعنی وہ 'ما انا علیہ و اصحابی' پر قائم نہ رہیں گے۔

ان وجوہات سے یہ بات، آپ سے آپ، نکل آتی ہے کہ اس ملت کو دوبارہ اٹھانے کے لیے یہ ضروری ہے کہ انھی دونوں برائیوں کا استیصال کیا جائے جو انحطاط کا سبب ہیں۔ یعنی دین کی تنقیح کی جائے، اس کی وہ صورت اجاگر کی جائے جسے 'ما انا علیہ و اصحابی' کہا جا سکے۔ عرصۂ دراز سے جو گرد اس دین کے چہرے پر پڑ چکی ہے، اسے صاف کیا جائے تاکہ لوگوں کا اپنے دین پر اعتماد بحال ہو۔ کیونکہ افراد کا اعتماد اور یقین ہی تعمیر ملت کے لیے سرمایہ ہے۔

ہمارے ہاں سب کچھ ہوا ہے، مگر یہی کام نہیں ہوا۔ آپ کسی بھی 'انقلابی' سے جا کر پوچھیے کہ وہ کون سا نظام، انقلاب کے بعد لائیں گے تو ان کا جواب بس یہی ہوتا ہے کہ 'اسلامی نظام'۔ ان سے پوچھیے کہ اسلامی نظام کی اساسات کیا ہیں؟ وہ کن جزئیات پر مبنی ہے؟ اس کے اصول وضوابط کیا ہیں؟ وہ کن قوانین پر بنا ہے؟ اس کی فروعات کیا ہیں؟ تو کسی کو یہ سوال ہی سمجھ میں نہیں آئیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ دیکھیں گے کہ ہمیں 'اسلامی جمہوریت'، 'اسلامی سوشلزم' اور 'اسلامی بنک کاری'

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

جیسے، غیر حقیقی، نعرے سننے کو ملتے ہیں۔

پھر یہی نہیں کہ اس دین کو ایک مرتبہ پھر اصل نصوص پر انحصار کرتے ہوئے واضح کر دیا جائے، بلکہ یہ بھی ضروری ہے کہ موجودہ دور کے سوالات کا دین کے اصل ماخذوں پر براہ راست غور کر کے جواب دیا جائے، اس کے بغیر 'اعتصام بحبل اللّٰہ' ممکن نہیں ہے۔ کیونکہ جب تک کسی ذہن کے اشکالات دور نہیں ہوتے، اس وقت تک وہ کسی فکر کو اپنا نہیں سکتا۔ یہ اس لیے بھی ضروری ہے کہ اس قوم کے ذہین اور کارفرما عناصر اس دین کی حقانیت کو تسلیم کر لیں، کیونکہ ان کے قائل ہوئے بغیر، کسی تبدیلی کے خواب دیکھنا، خواب پریشان سے کم مضحکہ خیز چیز نہیں ہے۔

دوسری بیماری کو دور کرنے کے لیے ضروری ہے کہ مسلمانوں میں اپنی حکومت کے لیے وہی روح پیدا کی جائے، جو مسلمانوں کا شعار رہی ہے، وہ حکومت کو اپنا دشمن خیال نہ کریں، وہ ظالم ہو تب بھی اسے ظلم سے منع کر کے، اس کا ساتھ دیں، وہ اسے گرانے کے درپے نہ رہیں، بلکہ اس کو مضبوط کریں، تاکہ ملت کے اندر وہ اتحاد اور اتفاق پیدا ہو، جو کسی قوم کے عروج کے لیے ضروری ہے۔

حکومت کے ساتھ اس رویہ کے بعد ہی یہ ممکن ہے کہ ہم اس کی اصلاح کر سکیں۔ اگر ہمارے ماتھے پر اس کے حریف ہونے کا کتبہ چسپاں ہوگا، تو وہ ہماری بات نہیں سنے گی۔ جبکہ اسے اگر یہ معلوم ہو کہ ہم حزب مخالف کے رکن ہوتے ہوئے بھی اس کے خیر خواہ ہیں، اس کے ساتھ تعاون اور تناصر کا جذبہ رکھتے ہیں تو وہ یقیناً ہماری بات سنے گی۔ اس کے بعد ہی یہ ممکن ہو سکے گا کہ ہم اس حکومت کو ان اساسات پر دوبارہ قائم کریں، جن کو قرآن نے اپنے الفاظ میں یوں بیان فرمایا ہے:

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ. (آل عمران ۳:۱۰۴)

”اور چاہیے کہ تم میں سے ایک (با اختیار) گروہ ہو، جو نیکی کی دعوت دے، معروف کا حکم کرے اور منکر سے روکے اور (واضح رہے کہ) یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔“

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

پہلا انحراف

ہم مضمون کے شروع میں یہ عرض کر چکے ہیں کہ پہلا انحراف 'الجماعۃ' کے غلط معنی کی تعیین کی وجہ سے ہوا، اس لفظ کے صحیح معنی کے بیان کرنے اور اس کے اطلاقات کا صحیح تصور پیش کرنے کے بعد، اب اس پر تنقید کرنا، کوئی ضروری نہیں ہے، البتہ دوسرا انحراف چونکہ دین میں بعض خرابیوں کا باعث بنا ہے اور آج بھی کئی گروہ اسی نقطۂ نظر کے قائل ہیں، اس لیے ان کی غلطی واضح کرنا ازبس ضروری ہے۔

دوسرا انحراف

یہ انحراف اس زمانے میں وجود میں آیا، جب امت مسلمہ اپنی 'الجماعۃ' سے محروم ہوگئی تھی۔ چنانچہ مولانا ابوالکلام آزاد نے یہ مبارک صدا لگائی کہ ہم اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق، ہندوستان کے دارالکفر میں، ایک امیر کے تحت جمع ہو کر 'الجماعۃ' بن کر رہیں۔ مگر بدقسمتی سے یہ دعوت اسلام ہی کی طرح اجنبی قرار پائی۔ اس میں انھوں نے اسی ثلاثۃ نفر[۱۳] والی روایت ہی سے استدلال کیا۔ قیام پاکستان کے بعد یہ دعوت بگڑ کر یہ شکل اختیار کر گئی کہ چونکہ ہماری حکومت محض نظریاتی طور پر مسلمان ہے، عملی طور پر مسلمان نہیں، اس لیے اقامت دین کے لیے، صالحین پر مشتمل ایک جماعت قائم کی جائے، جس سے جتنے لوگ متفق ہوں وہ تو بہر حال اس کے امیر کی قیادت میں جمع ہو جائیں اور اس طرح مسلمانان پاکستان کسی نہ کسی تنظیم یا جماعت سے لازماً وابستہ رہیں۔ اور جو لوگ کسی بھی جماعت کے منشور سے متفق نہ ہوں، ان پر کم از کم یہ لازم ہے کہ وہ اپنی الگ جماعت اسی مقصد کے لیے ضرور بنائیں، کیونکہ بے جماعت کی زندگی اسلامی زندگی نہیں ہے۔

ہمارے نزدیک، دین و شریعت اور عقل و فطرت کے لحاظ سے، اس پر درج ذیل اعتراضات

۱۳؎ دیکھیے گزشتہ بحث: 'مسئلہ التزام جماعت' کے تحت عنوان: 'محکومی میں التزام جماعت'۔

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

وارد ہوتے ہیں:

ا۔ نیابت کا اصول یہ تقاضا تو بلا شبہ کرتا ہے کہ دار الکفر میں، سب مسلمانوں کو ایک نظم کے تحت جمع ہو جانا چاہیے، لیکن یہ تقاضا ہرگز نہیں کرتا کہ جو لوگ جس جماعت کے منشور سے متفق ہوں، وہ اس کے ساتھ مل کر جماعت بن کر رہیں، اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ ملت سینکڑوں گروہوں میں بٹ جائے گی۔ آپ اس کا مشاہدہ کرنا چاہیں تو پاکستان کے مسلمانوں کی ان جماعتوں پر نگاہ ڈال لیجیے جو 'الجماعۃ' ہونے ہی کا دعویٰ کرتی ہیں۔ ان میں سے بعض تو وہ ہیں جو اپنے ساتھ نہ ملنے والوں کو کافر یا نیم مسلمان قرار دیتی ہیں۔ چنانچہ وہ حکم جو ملت کو 'حبل اللہ' کے ذریعے سے مربوط کرنے اور انھیں ایک منظّم اور مضبوط قوم بنانے کے لیے اترا تھا، وہ ملت کے لیے، ان روایتوں کی غلط تاویل کی بنا پر انتشار کا باعث بن گیا ہے۔

اس کے برعکس، ریاست پاکستان کو دیکھیے کہ اپنی تمام تر خرابیوں کے باوجود اپنے اندر رنگ و نسل اور مذہب و مسلک کے اعتبار سے مختلف اقوام کو ایک ہی پرچم تلے جمع کرنے میں کامیاب ہے۔ ہمارے نزدیک یہی وہ طریقہ ہے، جسے قرآن نے 'ولتکن منکم امة' اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے 'علیکم بالجماعة' کے الفاظ سے تعبیر فرمایا ہے۔ اس لیے کہ اس حکم کی علت اقامت دین نہیں، بلکہ 'اعتصموا بحبل اللّٰہ جمیعاً و لا تفرقوا'[۱۴] ہے، چنانچہ وہ طریقہ اس حکم کی تعمیل کیسے ہو سکتا ہے، جو تفرقہ سے بچانے اور جمع کرنے کے بجائے، انھیں کاٹ کر فرقہ فرقہ کر دے۔

ان جماعتوں کا مسلمانوں کو متفقین کی فہرستیں بنا کر الگ الگ کر لینا قرآن کے حکم کے خلاف ہے۔ قرآن مجید نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم سب مل کر، اللہ کی رسی (قرآن) کو مضبوطی سے تھام لیں۔ اس آیت کا مطلب صرف یہی نہیں ہے کہ آسمان سے اللہ کی ایک رسی لٹک رہی ہے، اسے پکڑ کر، اللہ کے دین سے جڑ جاؤ، بلکہ اس کا مطلب یہ بھی ہے کہ تمھارے درمیان، اللہ کی ایک رسی موجود ہے، جس سے بندھ کر تم، باہم دگر، متحد ہو جاؤ۔ 'جمیعًا' اور 'و لا تفرقوا' سے اسی بات کی

۱۴؎ اللہ کی رسی کو سب مل کر تھام لو، تفرقے میں نہ پڑو۔

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

طرف اشارہ ہے، اگر اس آیت میں یہ مفہوم شامل نہ سمجھا جائے تو اس میں ان دونوں لفظوں کا مطلب فوت ہو جاتا ہے۔

'اعتصام'، 'حبل' اور 'جمیعًا' کے الفاظ اس بات کی طرف اشارہ کر رہے ہیں کہ یہ آیت، اصل میں دین سے اعتصام اور باہمی اتحاد و اتفاق کے مضمون کی حامل ہے۔ چنانچہ، دیکھیے کہ اللہ کے ساتھ جڑنے میں تو خوارج بھی کسی سے پیچھے نہیں تھے، مگر یہ چیز انھیں ملت میں تفرقہ سے نہ روک سکی، اس لیے کہ وہ اس رسی کے ذریعے سے 'الجماعۃ' سے نہیں جڑے جو انھیں 'جمیعًا' کے دائرے میں لے آتی۔ اور ظاہر ہے، یہ چیز اقامت دین کے لیے قائم جماعتوں سے حاصل نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ ان کی بنیاد 'جمیعًا' (سب کے سب) پر نہیں، بلکہ جتنے جس سے متفق ہوں، کے اصول پر رکھی گئی ہے۔ گویا یہ جماعتیں 'اعتصموا بحبل اللّٰہ جمیعاً و لا تفرقوا' میں 'جمیعًا' اور 'و لا تفرقوا' کے برخلاف، مسلمانوں کو ٹولیوں میں بانٹ رہی ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اس حکم کو پورا کرنے کا طریقہ یہی بتایا ہے کہ ملت اسلامیہ، کسی وقت بھی، نظم اجتماعی کے بغیر نہ رہے۔ قرآن کے اس حکم کا جماعت سازی سے قطعاً کوئی تعلق نہیں ہے۔

۲۔ اس رائے میں یہ غلطی اس وقت مزید سنگین ہو جاتی ہے، جب کوئی شخص پاکستان یا مثال کے طور پر مصر و عراق میں مسلمانوں کو یہ دعوت دے کہ 'علیکم بالجماعۃ' کی رو سے تم پر یہ لازم ہے کہ کسی نہ کسی جماعت میں شامل ہو کر اس کے ہاتھ پر سمع و طاعت کی بیعت کرو۔ دراں حالیکہ، یہ حکومتیں لفظ کے ہر مفہوم میں 'الجماعۃ' ہیں۔ ان ریاستوں کے تمام باشندے، ان حکومتوں کے ہاتھ پر، سمع و طاعت کی بیعت کیے ہوئے ہیں، چنانچہ کیا ایسا نہیں کہ سڑک کے کنارے پر کھڑے ایک کانسٹیبل کے اشارے پر بھی ہم زبان حال سے 'سمعنا و اطعنا' کہتے ہوئے رک جاتے ہیں۔

یہی 'سمع و طاعت' ہے اور یہی 'الجماعۃ' ہے۔ ہم علی وجہ البصیرت، پورے اطمینان کے ساتھ، یہ کہہ سکتے ہیں کہ 'علیکم بالجماعۃ' کی بنا پر، جماعت سازی 'علیکم بالجماعۃ' اور 'السمع و الطاعۃ' کی نہایت غلط تشریح ہے، جس کی قرآن و سنت میں ہرگز کوئی بنیاد نہیں ہے۔

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

چنانچہ، دیکھیے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جب یہ پوچھا گیا کہ اگر 'الجماعۃ' نہ ہو تو کیا کیا جائے؟ آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ اقامت دین کے لیے جماعت سازی اس حکم کا تقاضا ہے، بلکہ آپ نے فرمایا کہ ان تمام گروہوں سے الگ رہنا ہی دین کا تقاضا ہے، جو 'الجماعۃ' کی غیر موجودگی میں جگہ جگہ پیدا ہو جائیں، خواہ اس کے لیے تمھیں کسی درخت کی کھوہ ہی میں کیوں نہ رہنا پڑے۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

قلت: فإن لم تكن لهم جماعة ولا امام؟ قال: فاعتزل تلك الفرق كلها و لو أن تعض بأصل شجرة حتى يدركك الموت، و أنت على ذالك. (بخاری، کتاب الفتن)

''میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ اگر مسلمانوں میں 'الجماعۃ' نہ رہے اور نہ ان میں کوئی حکمران ہی رہے تو پھر کیا کیا جائے؟ آپ نے فرمایا: (ایسے میں تمھیں چاہیے کہ) ان کے موجودہ گروہوں کو چھوڑ کر الگ ہو جانا، اگرچہ اس کے لیے تمھیں کسی درخت کی جڑ سے چمٹ کر رہنا پڑے، یہاں تک کہ تمھیں موت آ لے۔''

گویا، ہم وطن عزیز میں جو 'الجماعۃ' کے نام پر گروہ در گروہ ہو رہے ہیں، اس کی وجہ یہی ہے کہ ہم نے اصل 'الجماعۃ' جو ریاست پاکستان کی صورت میں قائم ہے کے بجائے ان جماعتوں کو 'الجماعۃ' قرار دے لیا ہے جن کو 'الجماعۃ' قرار دینے کے لیے نہ قرآن و سنت میں کوئی بنیاد ہے اور نہ لفظ 'الجماعۃ' میں اس کی کوئی گنجایش ہے۔

۳۔ یہ رائے جو اصول نیابت کی بنیاد پر اختیار کی گئی ہے، اس میں اصول نیابت کا اطلاق بھی صحیح نہیں ہے۔ اصول نیابت کا مطلب تو یہ ہوتا ہے کہ ایک چیز جو کسی وجہ سے معدوم ہو گئی ہے، اس کی جگہ، اس کی نیابت میں کوئی چیز اس کی قائم مقام بنا لی جائے، مثلاً دار الکفر یا محکومی کی حالت میں تو اس کا یہ اطلاق ٹھیک ہے کہ اس صورت میں 'الجماعۃ' یہ ہے کہ اس سرزمین کے تمام مسلمان (جمیعًا) ایک قیادت کے تحت جمع ہو جائیں۔ لیکن 'الجماعۃ' (نظم ریاست) موجود ہو اور اس کے

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

ہوتے ہوئے ایک نئی 'الجماعۃ' کو وجود دینا، نیابت کسی طرح نہیں ہے۔ اس کی حیثیت 'متوازی الجماعۃ' کی ہے یا یہ ریاست کے اندر ریاست کو قائم کرنا ہے۔ اسلام کے اصولوں کی رو سے یہ سیدھی سادھی بغاوت ہے۔

۴۔ ''اقامت دین'' کے نام پر قائم کی گئی یہ جماعتیں 'الجماعۃ' قرار پانے کے بعد خود بخود، اس نتیجے کی طرف بڑھ گئیں کہ ان کے امرا اور جماعت کے ارکان کے مابین، تعلق سمع و طاعت کی بنیاد پر ہو۔ اس لیے کہ 'الجماعۃ' کے امیر کے لیے یہ حق دین نے قائم کیا ہے اور چونکہ یہ جماعتیں بھی 'الجماعۃ' ہیں، اس لیے ان کے امیر بھی سمع و طاعت کے حق دار ہیں۔ جبکہ قرآن وسنت کی رو سے 'سمع و طاعت' کا یہ حق اللہ، اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور حکمران کے سوا کسی کو حاصل نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

يَـٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا أَطِيْعُوا اللّٰهَ وَأَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ إِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ. (النساء ۴: ۵۹)	''اے ایمان والو، اللہ کی اطاعت کرو، اور رسول کی اطاعت کرو، اور ان لوگوں کی جو تم میں سے اولی الامر ہوں، پھر اگر تمھارے درمیان اختلاف رائے ہو تو اسے اللہ اور رسول کی طرف پھیرو۔''

چنانچہ، اس انحراف کی وجہ سے، نہ صرف یہ کہ دین میں 'الجماعۃ' کے ایک نئے تصور کو وجود دیا گیا، بلکہ اللہ، رسول اور حکمران کا حق داعیوں کو بھی دے دیا گیا، اور وہ حکم جو ملت کو انتشار سے بچانے کے لیے اترا تھا، وہ ان جماعتوں کے سربراہوں کے روا و ناروا احکام کی تعمیل کا نام بن کر رہ گیا ہے۔

۵۔ 'الجماعۃ' سے علیحدگی چونکہ اسلام کا قلادہ گردن سے اتارنے کے مترادف ہے، چنانچہ ان جماعتوں سے علیحدگی (تخلف) بعض کے نزدیک، نیم مسلمانی ہے، اور بعض کے نزدیک، یہ سیدھا سادھا کفر ہے۔ یہ کتنے دکھ کی بات ہے کہ جو حکم ان مختلف مکاتب فکر کو باہم دگر جوڑنے کے لیے آیا تھا، وہ محض ان جماعتوں کی وجہ سے نہ صرف یہ کہ پارہ پارہ ہو رہے ہیں، بلکہ انھیں ان سے تخلف

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

کی بنا پر، نیم مسلمان اور بعض کے نزدیک، کافر بھی قرار دیا جا رہا ہے۔

ان دلائل کی بنا پر ہم دوسرے انحراف کو صحیح نہیں سمجھتے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۹۹۵ء]

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

التزام جماعت کا صحیح مفہوم

عن ابن عباس قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه و سلم: من رای من امیرہ شیئا یکرھہ، فلیصبر، فانه من فارق الجماعة شبرا، فمات (علیه الامات[1]) میتة جاھلیة.

(بخاری، کتاب الفتن، کتاب الاحکام)

ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے اپنے امیر کی کوئی ناپسندیدہ بات دیکھی، اسے چاہیے کہ صبر سے کام لے، کیونکہ جو بالشت برابر بھی، جماعت (نظم اجتماعی) سے الگ ہوا، اور اسی حالت میں مر گیا، اس کی موت جاہلیت پر ہوئی۔

شرح حدیث

اس سے دین اور دنیا کا ہر ناپسندیدہ عمل مراد ہے۔ روایت کے الفاظ میں کوئی قرینہ ایسا نہیں

---

[1] اخرجہ البخاری فی کتاب الفتن، والمسلم فی کتاب الامارہ۔

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

ہے، جس کی بنا پر، ہم اس ناپسندیدگی کو دین یا دنیا میں سے کسی ایک کے ساتھ خاص کر سکیں۔ دوسرے مواقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی یہ بات واضح فرما دی ہے کہ ان ناپسندیدہ امور کا تعلق دین اور دنیا، دونوں سے ہے اور اس کی حد بھی متعین فرما دی ہے کہ یہ بے پروائی بڑھتے بڑھتے صریح کفر تک نہیں پہنچنی چاہیے۔ مثلاً عاصم بن عبداللہ کی روایت میں آپ نے فرمایا:

انها ستكون من بعدى امراء يصلون الصلاة لوقتها ويوخرونها عن وقتها فصلوها معهم فان صلوها لوقتها و صليتموها معهم لكم ولهم، وان اخروها عن وقتها فصليتموها معهم فلكم وعليهم من فارق الجماعة مات ميتة جاهلية ومن نكث العهد و مات ناكثا للعهد جاء يوم القيامة لاحجة له. (احمد بن حنبل، مسند المکیین)

”میرے بعد ایسے امرا ہوں گے، جو وقت بے وقت نماز پڑھیں گے۔ تم ان کے ساتھ نماز پڑھتے رہو۔ اگر وہ وقت پر نماز پڑھیں گے، تو انھیں اور تمھیں اس کا ثواب مل جائے گا اور اگر وہ تاخیر کریں گے تو تمھیں ثواب مل جائے گا اور ان کے لیے اس کا وبال ہو گا۔ یہ اس لیے کہ جو نظم ریاست سے الگ ہوا اور اسی حالت میں مر گیا، وہ جاہلیت کی موت مرا اور جس نے عہد توڑا اور عہد توڑ کر مرا، وہ قیامت کے دن اس طرح آئے گا کہ اپنے جرم کے حق میں پیش کرنے کے لیے اس کے پاس کوئی حجت نہ ہو گی۔“

دینی امور کی طرح، دنیوی امور کے بارے میں، آپ نے فرمایا:

عن عبادة بن الصامت فقال دعانا رسول الله صلى الله عليه وسلم فكان فيما اخذ علينا ان بايعنا على السمع والطاعة فى منشطنا ومكرهنا وعسرنا

”عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں بلایا۔ اور اس لیے بلایا کہ سمع و طاعت کی بیعت کریں (کہ ہم ہر طرح کے حالات میں اپنے حکمران کی اطاعت کریں گے)،

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org
"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

ویسرنا واثرة علینا وان لا ننازع الامر اھلہ الا ان تروا کفرا بواحا عندکم من اللّٰہ فیہ برھان. (بخاری، کتاب الفتن)

خوش دلی اور ناراضی کے باوجود، تنگی و آسانی میں اور جب ہم پر دوسروں کو ترجیح دی جائے تب بھی۔ اور اس پر بھی بیعت کریں کہ ہم اپنے امیر سے نہ جھگڑیں۔ آپ نے فرمایا: سوائے اس صورت کے کہ تم اس کی طرف سے کسی کھلے کفر کا ارتکاب ہوتا دیکھ لو اور کفر بھی ایسا کہ جس کے بارے میں واضح دلیل ہو، (محض اپنے کسی خیال پر ایسا نہیں کیا جا سکتا)۔''

ناپسندیدہ حکمران کے بارے میں بھی آپ نے یہی فرمایا:

عن انس بن مالك رضی اللّٰہ عنه قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم اسمعوا واطیعوا وان استعمل علیکم عبد حبشی کان راسه زبیبة. (بخاری، کتاب الاحکام)

''انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سمع وطاعت پر قائم رہو، خواہ تمھارے اوپر ایک حبشی غلام، جس کا سر منقے کی طرح چھوٹا سا ہو، حکمران بنا دیا جائے۔''

ان روایات کی روشنی میں، ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ 'شیئا یکرھه' (ناپسندیدہ باتوں) سے کوئی بھی ناپسندیدہ اور مکروہ چیز مراد ہے۔

'صبر' کا مطلب، لوگ، عام طور پر، عجز و مسکنت سمجھتے ہیں، یعنی یہ کہ مصیبت کو 'بہر حال' برداشت کرنا، جو بے بسوں اور درماندوں کا شیوہ ہے۔ لیکن، لغت عرب اور استعمالات قرآن میں اس کا اصل مفہوم یہ نہیں ہے[2]۔ صبر، عجز و تذلل قسم کی کوئی چیز نہیں ہے، بلکہ یہ درحقیقت تمام عزم اور قوت کی وہ بنیاد ہے جس سے انسان کے اندر ثابت قدمی اور اپنے موقف پر استحکام کے ساتھ جمے

۲ تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمایے: لفظ 'صبر' کی تحقیق: تدبر قرآن ۱/۱۸۸، امین احسن اصلاحی۔

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

رہنے کا وصف پیدا ہوتا ہے۔اس حدیث میں بھی یہ لفظ اپنے اس حقیقی مفہوم یعنی اپنے موقف پر ڈٹے رہنے کے لیے استعمال ہوا ہے۔

’صبر‘ سے مراد حکمران کی اطاعت اور ’الجماعۃ‘ سے التزام رکھنا ہے، یعنی اوپر کی مذکورہ تینوں صورتوں میں ایک مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے حکمران کی اطاعت کرتا رہے تاکہ وہ الجماعۃ (ریاست اسلامیہ) کے ساتھ وابستہ رہے اور یہ اطاعت اس پر اس وقت تک لازم ہے، جب تک حکمران شریعت کی بالادستی تسلیم کرتے رہیں۔عبادہ بن صامت کی مذکورہ روایت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان: ’الا ان تروا کفرا بواحا‘ اسی شرط کو بیان کرتا ہے۔

کفر بواح کے ارتکاب سے پہلے ہر حالت میں حکمران کی اطاعت کا یہ حکم نص قرآنی پر مبنی ہے:

أَطِيعُوا اللّٰهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُولِ. (النساء۴:۵۹)

”اے ایمان والو، اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو، اور ان لوگوں کی جو تم (مسلمانوں) میں سے صاحب امر ہوں۔ پھر اگر کسی معاملے میں، اختلاف رائے ہو، تو اسے اللہ اور اس کے رسول کی طرف پھیر دو۔“

یہ آیت حکمران کو بھی ہمارا مطاع قرار دیتی ہے اور اس سے یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ جس طرح اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم بغیر کسی شرط کے مطاع ہیں، حکمران اس طرح بلاشرط مطاع نہیں ہوسکتا۔ چنانچہ یہ شرط لگا دی گئی کہ جب تک وہ قرآن وسنت پر عامل ہے اور شریعت اسلامیہ کو قانون بالا (Supreme Law) تسلیم کرتا ہے، اس وقت تک اس کی اطاعت کی جائے۔ چنانچہ اس حقیقت کی طرف ’اولی الامر منکم‘ میں ’منکم‘ کے اضافے سے اشارہ فرمایا گیا ہے۔ یہ اگرچہ بیان واقعہ کا اسلوب ہے، لیکن اس سے اس حکم پر ایک شرط عائد ہوگئی ہے کہ ’وہ جب تک تم میں سے‘ یعنی مسلمانوں میں سے ہے، اس وقت تک واجب الاطاعت ہے۔ اور تم میں سے ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ ’اطیعوا اللّٰہ و اطیعوا الرسول‘ کے حکم پر عامل ہو، یعنی جب تک وہ اللہ اور اس کے رسول کی بالادستی کو تسلیم کرتا ہو۔

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

بالادستی سے مراد یہ ہے کہ فصل نزاعات اور قانون سازی میں اللہ کی دی ہوئی شریعت کی پابندی کی جائے۔ یہاں یہ بات بھی واضح رہے کہ کفر صرف یہی نہیں ہے کہ آدمی اسلام کے عقائد کا انکار کر دے، بلکہ حکمرانوں کے معاملے میں یہ بھی کفر ہے کہ وہ فصل نزاعات اور قانون سازی میں اللہ کی دی ہوئی شریعت کی خلاف ورزی کریں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ فَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْكَافِرُوْنَ... هُمُ الظّٰلِمُوْنَ... هُمُ الْفَاسِقُوْنَ. (المائدہ ۵:۴۴-۴۷)	''اور جو لوگ اس قانون کے مطابق فیصلہ نہ کریں، جسے اللہ نے نازل کیا ہے، وہی کافر ہیں ... وہی ظالم ہیں ... وہی فاسق ہیں۔''

اسی آیت کی بنیاد پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہے کہ 'فلیصبر' یعنی تو اسے چاہیے کہ حکمران کی اطاعت پر ثابت قدم رہے۔ ہم اوپر بھی اشارہ کر آئے ہیں کہ حکمران کی اطاعت کا یہ حکم التزام جماعت کے لیے دیا گیا ہے۔ التزام جماعت کے بارے میں، ہم آگے چل کر واضح کریں گے۔

'بالشت برابر' حدیث میں، اس کے لیے 'شبرا' کا لفظ آیا ہے۔ یہ عربی زبان کا ایک معروف لفظ ہے، جس کے معنی بالشت کے ہیں، 'شبرا' جب اس طرح بولا جائے تو اسی معنی میں مستعمل ہے، جس میں مثلاً: 'مثقال ذرة' یا 'حبة خردل' وغیرہ استعمال ہوتے ہیں۔ یہ سب تراکیب والفاظ قلت وتفریط میں مبالغے پر دلالت کرتے ہیں۔ چنانچہ یہاں اس سے مراد 'نہایت ادنیٰ درجے میں 'الجماعۃ' سے روگردانی' ہے۔ اس اسلوب سے اس جرم کی یہ سنگینی واضح ہوتی ہے کہ اس کی ادنیٰ سے ادنیٰ صورت بھی، آدمی کو اسلام کی اطاعت سے نکال کر جاہلیت کے دائرہ میں لے جا سکتی ہے۔

'الجماعۃ' سے مراد سیاسی نظم کی پابند قوم یا گروہ ہے۔ اس کا مفہوم بالکل وہی ہے، جس کے لیے جدید اصطلاح میں 'اسٹیٹ' کا لفظ بولا جاتا ہے۔ جب ملت اسلامیہ اپنی سرزمین میں خود مختار ہو اور اسی کا کوئی فرد اس پر حکمران ہو تو ان کے اس عمل سے جو ریاست یا نظم سیاسی وجود میں آئے گا، وہ 'الجماعۃ' کہلائے گا۔ اس میں یہ مفہوم بھی شامل ہے کہ پوری دنیا کے مسلمان ایک ہی نظم اجتماعی

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org
"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

سے وابستہ ہوں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر 'الجماعۃ' کے بجائے 'السلطان' کا لفظ استعمال فرمایا ہے:

عن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال من کرہ من امیرہ شیئا فلیصبر علیہ فانہ لیس احد من الناس یخرج من السلطان شبرا فمات علیہ الامات میتۃ جاھلیۃ.

''آپ نے فرمایا: جسے اپنے امیر (حکمران) کی کوئی بات ناگوار گزرے، اسے چاہیے کہ وہ صبر کرے، کیونکہ جو ایک بالشت کے برابر بھی اقتدار کی اطاعت سے نکلا اور اسی حالت میں مر گیا، اس کی موت جاہلیت پر ہوئی۔''

(بخاری، کتاب الفتن۔ مسلم، کتاب الامارہ)

ان دونوں روایتوں میں 'الجماعۃ' اور 'السلطان' ایک دوسرے کے مترادف کی حیثیت سے استعمال ہوئے ہیں۔ جس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ 'الجماعۃ' درحقیقت 'السلطان' یعنی 'سیاسی اقتدار' کے معنی اپنے اندر لیے ہوئے ہے۔ چنانچہ اس لفظ کا اطلاق کسی ایسی جماعت ہی پر کیا جا سکتا ہے جو کسی سرزمین میں سیاسی طور پر خود مختار قوم کی حیثیت سے رہتی ہو اور اس میں نظام امارت بھی قائم ہو، اس لیے سیاسی اقتدار سے محروم کسی دینی جماعت یا تنظیم پر اس لفظ کا اطلاق صحیح نہیں ہے۔

یہ لفظ مقتدر جماعت ہی کے معنی میں عربی زبان میں مستعمل تھا۔ چنانچہ آثار صحابہ میں بھی، یہ لفظ اسی معنی میں استعمال ہوا ہے۔ جو اس بات پر، مزید مہر تصدیق ثبت کرتے ہیں کہ اس لفظ کا مفہوم یہی ہے:

''ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جب خلافت کی ذمہ داری قبول کر لی تو سب لوگوں نے ان کے ہاتھ پر سمع وطاعت کی بیعت کی، مگر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کچھ عرصے تک بیعت نہیں کی۔ چنانچہ ایک دن جب انھوں نے حضرت ابوبکر کے ہاتھ پر ان کی خلافت کو تسلیم کرتے ہوئے بیعت کر لی تو ظہر کی نماز کے بعد حضرت ابوبکر نے ان کی بیعت کا اعلان ان الفاظ میں

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

کیا کہ ''آج علیٰ 'الجماعۃ' میں شامل ہوگئے ہیں۔'' (تاریخ الامم والملوک طبری ۱۹۱/۶)

جب حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے اپنے والد حضرت علی رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے معاہدہ کرلیا اور ملت اسلامیہ ایک خلافت کے تحت جمع ہوگئی تو صحابہ نے، اس مناسبت سے اس سال کا نام 'عام الجماعۃ' رکھ دیا تھا، یعنی وہ سال جس میں مسلمان ایک نظام اجتماعی کے تحت جمع ہوئے۔ اس کا مطلب یہ بھی ہے کہ صحابۂ کرام حکومت و ریاست کے ساتھ ساتھ وحدت امت (وحدت ریاست) کا مفہوم بھی 'الجماعۃ' میں شامل سمجھتے تھے۔

اسی طرح یزید بن معاویہ کی بیعت کے موقع پر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے حسین بن علی اور عبداللہ بن زبیر رضوان اللہ علیہم کو حکومت کے ساتھ وفاداری اور بیعت کا مشورہ دیتے ہوئے یہی الفاظ استعمال کیے تھے کہ 'اتقیا اللّٰہ و لا تفرقا جماعۃ المسلمین'۔ (طبری ۱۹۱/۶)
''خدا کے بندو، اللہ سے ڈرو، اور مسلمانوں کے 'نظمِ اجتماعی' کے انتشار کا باعث نہ بنو۔''

اس لیے اس مفہوم کی روایات کی بنیاد پر بعض لوگوں کا یہ تو تصور صحیح نہیں ہے کہ کسی بھی ایسی تنظیم یا جماعت سے منسلک رہنا ضروری ہے جو غلبۂ اسلام کے لیے کوشاں ہو۔ حدیث کے اس مطلب کی روشنی میں جس کو ہم نے اوپر واضح کیا ہے یہ حکم ہمارے ملک میں حکومت پاکستان کے ساتھ وفادار رہنے اور اس کے قوانین کی پابندی کرنے سے پورا ہو جاتا ہے۔ اور ہم علی وجہ البصیرت یہ سمجھتے ہیں کہ حکومت پاکستان ہی اس سرزمین کے مسلمانوں کے لیے 'الجماعۃ' ہے۔

ریاست اسلامیہ کے ساتھ امساک اور وفاداری کا یہ حکم بھی قرآن مجید کی نص پر مبنی ہے۔ اللہ رب العزت کا فرمان ہے:

وَاعۡتَصِمُوۡا بِحَبۡلِ اللّٰهِ جَمِيۡعًا	''اللہ کی رسی کو مضبوطی سے مل کر تھامے رہو
وَّلَا تَفَرَّقُوۡا وَاذۡكُرُوۡا نِعۡمَتَ اللّٰهِ	اور تفرقے میں نہ پڑو اللہ کے اس فضل کو یاد
عَلَيۡكُمۡ اِذۡ كُنۡتُمۡ اَعۡدَآءً فَاَلَّفَ	رکھو کہ تم ایک دوسرے کے دشمن تھے تو اللہ
بَيۡنَ قُلُوۡبِكُمۡ فَاَصۡبَحۡتُمۡ بِنِعۡمَتِهٖۤ	نے تمھارے دلوں کو جوڑ دیا۔ اور تم آپس
اِخۡوَانًا ۚ وَكُنۡتُمۡ عَلٰى شَفَا حُفۡرَةٍ	میں بھائی بھائی بن گئے۔ اور تم آگ کے

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

مِّنَ النَّارِ فَأَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيَاتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ. وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ أُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ.

(آل عمران ۳: ۱۰۳-۱۰۴)

ایک گڑھے پر کھڑے تھے تو اللہ نے تمھیں اس سے بچالیا۔ اسی طرح اللہ تمھارے لیے اپنی ہدایات کو واضح کرتا ہے تاکہ تم میں سے ایک گروہ اس اختیار کے ساتھ قائم ہو کہ وہ نیکی کی دعوت دے، معروف کا حکم دے اور منکر سے روک دے اور اس گروہ کو قائم کرنے والے ہی فلاح پائیں گے۔''

اس باب کی تمام روایات ہمارے نزدیک اسی آیت پر مبنی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت ہی کے ایک پہلو کی توضیح کرتے ہوئے یہ احکام دیے ہیں۔ اگر اس آیت پر تدبر کی نگاہ ڈالی جائے تو یہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ حکم دیا ہے کہ ہم 'اعتصام بحبل اللّٰہ' پر قائم رہنے اور تفرقے سے بچنے کے لیے اپنے اندر ایک نظم اجتماعی قائم کریں۔ چنانچہ 'ولتکن منکم امۃ' کا یہی مطلب ہے۔ پھر جب کسی چیز کے بنانے یا قائم کرنے کا حکم دیا جاتا ہے تو بننے کے بعد اس کو قائم رکھنے کے لیے اس کے ساتھ تعاون کرنا اور اس کے خلاف اقدامات نہ کرنا اس حکم میں خود بخود شامل ہے۔ یہی چیز دراصل التزام جماعت ہے۔

'الگ ہونے' سے مراد ریاست اسلامیہ یا نظم اجتماعی کو چھوڑ کر الگ ہونا ہے، جس کی ایک صورت حکومت کی اطاعت ترک کرنا یا اس کے خلاف بغاوت کرنا ہے۔ حافظ ابن حجر 'فارق الجماعۃ' کی شرح میں لکھتے ہیں: 'وھی کنایۃ عن معصیۃ السلطان و محاربتہ'۔ ''یہ حکومت کی نافرمانی اور اس سے محاربہ سے کنایہ ہے۔'' (فتح الباری ۱۳/ ۷) یعنی اس کی ادنیٰ حالت حاکم کی اطاعت سے محض ہاتھ کھینچ لینا ہے اور اس کی انتہائی صورت بغاوت (محاربہ) ہے۔

یعنی اس نے اپنے اس اقدام سے رجوع نہ کیا اور توبہ کرنے سے پہلے ہی وفات پا گیا۔

یعنی جو شخص حکومت اسلامیہ کی اطاعت اس حالت میں ترک کر دے کہ صاحب اقتدار کی طرف سے 'کفر بواح' (کھلا کفر) ظاہر نہ ہوا ہو تو ایسا شخص اگر اسی حالت میں مر جائے تو اس کا مرنا

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

ایسا ہی ہے جیسا کہ اسلام قبول کیے بغیر مر جانا۔ اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ میں بھی بیان فرمایا ہے:

من فارق الجماعة شبرا فكانما خلع ربقة الاسلام من عنقه.	''جو نظام ریاست سے الگ ہوا تو گویا اس نے اسلام کا قلادہ گردن سے اتار پھینکا۔''

(احمد بن حنبل عن حارث الاشعری)

چنانچہ اس جرم پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے 'من شذ شذ فی النار' کے الفاظ میں دوزخ کی سزا کی وعید بھی سنائی ہے کہ جو 'الجماعۃ' سے الگ ہوا، اسے دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مسلمانان عرب کو قریش کی قیادت پر مجتمع دیکھا تو ان کے لیے اپنے بعد انتقال اقتدار کا فیصلہ سناتے ہوئے فرمایا:

لا يعاديهم احد الا كبه الله في النار على وجهه ما اقاموا الدين.	''جب تک وہ دین پر قائم ہیں، اس وقت تک، جس نے ان کی مخالفت کی، اللہ اسے دوزخ میں اوندھے منہ جھونک دیں گے۔''

(بخاری، کتاب الاحکام)

یعنی اس جرم کا ارتکاب کسی شخص کو اس سزا کا مستحق بھی بنا سکتا ہے۔

[۱۹۹۴ء]

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

حکمران کی اطاعت اور کفر صریح

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

عن عبادة بن الصامت ، فقال، دعانا رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ، فکان فیما اخذ علینا ان بایعنا علی السمع والطاعة فی منشطنا ومکرھنا و عسرنا و یسرنا واثرة علینا . ان لا ننازع الامر اھلہ، قال: إلا ان تروا کفرا بواحا، عندکم من اللّٰہ فیہ برھان. (بخاری، کتاب الفتن۔ مسلم، کتاب الامارہ)

عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں بلایا تاکہ ہم ہر حالت کے لیے سمع وطاعت کی بیعت کریں کہ نرمی و جبر، تنگی و فراخی اور اپنے اوپر دوسروں کو ترجیح دیے جانے (کے باوجود بھی حکمران کی اطاعت سے نہیں نکلیں گے)،اور نہ ان سے جھگڑا کریں گے۔فرمایا کہ صرف (اس صورت میں تم حکمران کی اطاعت سے نکل سکتے ہو) کہ تم کوئی صریح کفر اس کی طرف سے دیکھو، جس کے

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

بارے میں تمھارے پاس اللہ کی واضح حجت ہو۔

شرح حدیث

یہ روایت قرآن مجید کے حکم 'أَطِيعُوا اللّٰهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنكُمْ' (النساء۴:۵۹) ''اللہ کی اطاعت کرو اور اس کے رسول کی اطاعت کرو، اور امیر کی جب تک وہ تم میں سے ہو'' کی شرح میں بیان کی گئی ہے۔ اس حکم کے مطابق حکمران کی اطاعت ہم پر واجب ہے۔ یہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حکم کے مقتضیات بیان کرتے ہوئے یہ فرمایا ہے کہ حکمران کی اطاعت ہم پر واجب ہے، خواہ وہ ہمیں تنگی میں ڈالے، ہم پر جبر کرے اور دوسروں کو ہمارے اوپر ترجیح دے۔ دوسرے مواقع پر آپ نے دینی امور میں بے پروائی کرنے والے اور کسی ناپسندیدہ حکمران کی اطاعت کا حکم دیا ہے:

انها ستكون من بعدي امراء يصلون الصلاة لوقتها ويوخرونها عن وقتها فصلوها معهم فان صلوها لوقتها وصليتموها معهم لكم ولهم، وان اخروها عن وقتها فصليتموها معهم فلكم وعليهم، من فارق الجماعة مات ميتة جاهلية ومن نكث العهد ومات ناكثا للعهد، جاء يوم القيامة لا حجة له.

(احمد بن حنبل، مسند المکیین)

''میرے بعد ایسے امرا ہوں گے، جو وقت بے وقت نماز پڑھیں گے۔ تم ان کے ساتھ نماز پڑھتے رہو۔ اگر وہ وقت پر نماز پڑھیں گے تو انھیں اور تمھیں اس کا ثواب مل جائے گا۔ اور اگر وہ تاخیر کریں گے تو تمھیں ثواب مل جائے گا اور ان کے لیے اس کا وبال ہو گا۔ یہ اس لیے کہ جو نظم ریاست سے الگ ہوا، اور اسی حالت میں مر گیا، وہ جاہلیت کی موت مرا۔ اور جس نے عہد توڑا اور عہد توڑ کر مرا، وہ قیامت کے دن اس طرح آئے گا کہ اس بات کے جواز میں پیش کرنے کے

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

لیے، اس کے پاس کوئی حجت نہ ہوگی۔''

ناپسندیدہ حکمران کی اطاعت کے بارے میں بھی آپ نے یہی فرمایا:

عن انس بن مالك رضی اللّٰہ عنہ قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم اسمعوا واطیعوا وان استعمل علیکم عبد حبشی کان راسہ زبیبة.

(بخاری، کتاب الاحکام)

''انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سمع و طاعت پر قائم رہو، خواہ تم پر ایک حبشی غلام، جس کا سر منقے کی طرح چھوٹا سا ہو، حکمران بنا دیا جائے۔''

ان تمام حالتوں میں حکمران کی اطاعت سے نکلا نہیں جا سکتا، یعنی نہ اس کی اطاعت ترک کی جا سکتی ہے اور نہ اس کی حکومت الٹنے کے لیے اقدام کیا جا سکتا ہے۔ ایسی صورت میں کیا گیا اقدام گویا اسلام کا قلادہ گردن سے اتارنے کے مترادف ہے۔ آپ کا فرمان ہے:

من خرج من الجماعة، قید شبرة، فقد خلع ربقة الاسلام من عنقه.

(احمد بن حنبل، مسند الانصار)

''جو الجماعۃ سے نکلا، خواہ اس کا نکلنا بالشت برابر ہو، تو یہ ایسا ہے کہ اس نے اسلام کا قلادہ اپنی گردن سے اتار دیا۔''

حکمران کی اطاعت اصل میں قانون ریاست کی اطاعت سے کنایہ ہے۔ اسلام کا حکم یہ ہے کہ شریعت اسلامیہ کی طرح ریاست کے قانون کی پیروی بھی کی جائے گی، خواہ وہ قانون کیسا ہی ہو۔ ملک کے ساتھ وفاداری سے لے کر گلی اور سڑک پر چلنے کے لیے بنے ہوئے ضابطے تک کی پیروی اس حکم میں شامل ہے۔

مطلب یہ ہے کہ اولی الامر کی اطاعت ان کی طرف سے کفر بواح کے ارتکاب تک واجب ہے۔ اس کے بعد اگر کوئی ان کی اطاعت سے نکل جائے تو 'میتة جاھلیة' کے حکم کی زد میں نہیں آتا، کیونکہ 'اطیعوا اللّٰہ واطیعوا الرسول و اولی الامر منکم' کے مطابق مسلمانوں پر صرف انھی اولی الامر کی اطاعت واجب ہے، جو اصل مرجع اطاعت کی حیثیت اللہ اور اس کے

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

رسول ہی کو دیتے ہوں۔ اور ہر وہ معاملہ جس کا فیصلہ اللہ اور اس کے رسول نے کتاب وسنت میں کر دیا ہو، اس کے بارے میں اپنے لیے فیصلے کا کوئی حق نہ سمجھتے ہوں۔ یہ مفہوم اس آیت میں 'منکم' کے اضافے سے پیدا ہوا ہے۔ یعنی حکمران اس وقت تک واجب الاطاعت ہے، جب تک وہ 'منکم' کی ضمیر مجرور کا حصہ، یعنی مسلمان ہے۔ جب وہ مسلمانوں سے نکل جائے گا، اس کی اطاعت مسلمانوں پر واجب نہیں رہے گی۔

اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ حکمران کھلے کفر کے ارتکاب کے بعد مسلمانوں کے اندر سے نکل جائے گا۔ اور کفر صرف یہی نہیں ہے کہ حکمران عقائد اسلامیہ کا انکار کر دے، بلکہ یہ بھی ہے کہ وہ امور ریاست، فصل نزاعات اور قانون سازی میں قرآن وسنت کے خلاف فیصلہ پر اصرار کرے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: 'وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ.' (المائدہ ۵: ۴۴) چنانچہ اس طرح کی صورت میں شذوذاً اختیار کیا جا سکتا ہے اور اگر ممکن ہو تو انھیں اس منصب سے معزول کرنے کی جدوجہد بھی کی جا سکتی ہے۔ لیکن یہ واضح رہے کہ خروج یا بغاوت کی اجازت ضرور دی گئی ہے، لیکن یہ نہ دین کے واجبات میں سے ہے اور نہ دین نے کسی بھی حیثیت سے اس کا حکم دیا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ ایسا کفر اولی الامر کی طرف سے سامنے آ جائے کہ جس کو کفر قرار دینے کی بنیاد وہم وگمان یا منطقی موشگافیوں پر نہ ہو، بلکہ قرآن وسنت میں اس کے ثبوت کے لیے برہان قاطع موجود ہو۔ اسی شرط کے بیان کے لیے آپ نے 'وعندکم من اللّٰہ فیہ برھان' کے الفاظ استعمال فرمائے ہیں۔ یعنی ایسا نہ ہو کہ محض اپنے گمان پر اس کے کفر کا فتویٰ جاری کر کے اطاعت سے ہاتھ کھینچ لیا جائے۔ چنانچہ یہ ضروری ہے کہ حکمران کی تکفیر کرنے کے لیے رائے کی بنیاد قرآن مجید کی صریح نصوص اور برہان قاطع پر رکھی جائے۔ جس میں کسی قسم کی تاویل کی گنجایش نہ ہو۔

[۱۹۹۴ء]

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

التزام جماعت کی حکمت

عن ابی ذر، عن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم، انه قال: اثنان خیر من واحد، وثلاث خیر من اثنین، واربعة خیر من ثلاثة، فعلیکم بالجماعة. (احمد بن حنبل، مسند الانصار)

ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا: دو ایک سے بہتر ہوتے ہیں اور تین دو سے اور چار تین سے، اسی لیے تم پر نظم اجتماعی سے وابستگی واجب کی گئی ہے۔

شرح حدیث

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معمول کی زندگی کے تجربات سے ایک دلیل دے کر 'التزام جماعت' کی اہمیت بیان کی ہے کہ یہ سیدھا سا اصول ہے کہ اکیلا آدمی دو کے مقابلے میں کمزور ہے اور اسی طرح دو تین کے مقابلے میں اور تین چار کے مقابلے میں۔ اسی لیے تم پر 'الجماعۃ' (نظم اجتماعی) سے وابستگی واجب کر دی گئی ہے، کیونکہ ایک متحد، منظّم جماعت، جس میں سیاسی نظم قائم ہو اور لوگ ایک حکمران کی اطاعت میں زندگی گزار رہے ہوں، وہ ایک منتشر بھیڑ کے مقابلے میں بہتر ہے،

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

جس کا ہر فرد دوسرے سے الگ اور بے تعلق ہو۔

فتنوں سے بچنے اور دشمن کے مقابلے میں مضبوط و محکم رہنے کے لیے ضروری ہے کہ قوم ایک مرکز سے وابستہ ہو۔ چنانچہ جب تک ملت اسلامیہ ایک مرکز سے وابستہ رہے گی، اس وقت تک فتنوں سے محفوظ رہے گی۔ جس طرح اکیلا آدمی بھاری دشمن کا مقابلہ نہیں کر سکتا، اسی طرح اکیلا مسلمان بھی شیطان جیسے دشمن کا مقابلہ نہیں کر سکے گا اور انتشار کے باعث ملت اسلامیہ بھی دشمن کے مقابلے میں زیادہ دیر نہ ٹھہر سکے گی۔ آپ نے اسی بات کو ایک تمثیل میں واضح فرمایا ہے:

عن معاذ بن جبل ان النبی صلی اللّٰه علیه و سلم قال ان الشیطان ذئب الانسان کذئب الغنم یاخذ الشاة القاصیة و الناحیة، فایاکم و الشعاب و علیکم بالجماعة و العامة و المسجد. (احمد بن حنبل، مسند الانصار)

''معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: شیطان انسان کے لیے ایسے ہی ہے، جیسے کہ بکریوں کے ریوڑ کے لیے بھیڑیا جو ریوڑ سے الگ اور اس سے گریزاں ہو کر چلنے والی بھیڑ کو کھا جاتا ہے۔ شیطان کے اس شر سے بچنے کے لیے تم پر واجب ہے کہ ہر ممکن انتشار سے بچو اور حکومت کی اطاعت پر کمر بستہ رہو (اور سیاسی امور میں) اکثریت کی پیروی کرو۔ (اور ریوڑ کے ساتھ رہو، اس سے الگ ہو کر نہ چلو اور اسی مقصد کے لیے) مسجد سے بھی جڑے رہو کہ وہ اجتماعیت کا مرکز ہے۔''

ایک اور موقع پر آپ نے اس تمثیل کو کھول کر بیان کیا ہے کہ میرے بعد فتنے اٹھیں گے، پہلی امتوں میں ان فتنوں کو کچلنے کے لیے انبیا آتے تھے، مگر چونکہ اب کسی اور نبی کو نہیں آنا، اس لیے تم ان فتنوں سے بچنے کے لیے اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھنا، حقوق العباد ادا کرتے رہنا اور نظم اجتماعی سے وابستہ رہنا۔ ورنہ فتنوں کا یہ شیطانی بھیڑیا تمھیں بھی نگل جائے گا:

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

ایها الناس انه لم یکن نبی قبلی الا کان حقا علیه ان یدل امته علی ما یعلمه خیرا لهم و ینذرهم ما یعلمه شرا لهم الا و ان عافیة هذه الامة فی اولها و سیصیب آخرها بلاء وفتن یرقق بعضها بعضا تجیء الفتنة فیقول المومنین هذه مهلکتی ثم تنکشف ثم تجیء فیقول هذه هذه، ثم تجیء فیقول هذه هذه، ثم تنکشف فمن احب ان یزحزح عن النار و یدخل الجنة فلتدرکه منیته وهو یومن بالله و الیوم الآخر و یاتی الی الناس ما یحب ان یوتی الیه و من بایع اماما فاعطاه صفقة یده و ثمرة قلبه فلیطعه ان استطاع.

(نسائی، کتاب البیعہ)

''اے لوگو، مجھ سے پہلے کوئی نبی ایسا نہیں گزرا جس پر یہ لازم نہ رہا ہو کہ وہ اپنی قوم کی رہنمائی ان کے بھلے کی طرف کرے، اوران کے بُرے سے انھیں متنبہ کر دے۔ (میں بھی تمھیں اچھے اور بُرے سے آ گاہ کرنے آیا ہوں) تو آ گاہ رہو کہ اس امت کا پہلا دور تو عافیت کا دور ہے۔ بعد کا دور فتنوں کا ہے، جس میں فتنے پے در پے اٹھیں گے۔ تو جب کوئی فتنہ اٹھے گا تو بندۂ مومن کہے گا کہ یہ میری ہلاکت ہے۔ پھر وہ فتنہ فرو ہو جائے گا، پھر ایک اور فتنہ اٹھے گا تو وہ کہے گا کہ یہ میری ہلاکت ہے۔ پھر وہ فتنہ بھی جاتا رہے گا۔ تو جو چاہتا ہے کہ ان فتنوں کی وجہ سے دوزخ میں پڑنے سے بچا کر جنت میں داخل کیا جائے تو چاہیے کہ اسے اس حالت میں موت آئے کہ وہ اللہ اور آخرت کو مانتا ہو اور لوگوں کے ساتھ ویسے ہی پیش آئے، جیسا وہ چاہتا ہے کہ اس کے ساتھ پیش آیا جائے۔ اور جو کسی حکمران کے ہاتھ پر بیعت کرے اور اس کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دے کر دل سے اطاعت کا عہد کرے تو اسے چاہیے کہ وہ حتی الامکان، اس کی اطاعت کرتا رہے۔''

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

یعنی ملت کے اندرونی اور بیرونی دشمنوں کی سازشوں اور کارگزاریوں سے بچنے کے لیے یہ لازم کیا گیا ہے کہ ہم 'الجماعۃ' کے ساتھ وابستہ و پیوستہ رہیں۔

یہ حکم سورۂ آل عمران کی ایک آیت پر مبنی ہے۔قرآن مجید نے یہ تلقین کی ہے کہ ہم دین پر صحیح معنی میں اسی صورت میں قائم رہ سکتے ہیں اور فرقہ بندی کے فتنوں سے اسی طرح بچ سکتے ہیں کہ ہم اپنے اندر کے صالح لوگوں یعنی اصحاب حل وعقد کے ایک گروہ کو اقتدار کی ذمہ داری سونپ دیں اور وہ ہمارے اندر دعوت حق کی خدمت سرانجام دیں۔اس دعوت کے بعد بھی اگر ضرورت پڑے تو نیکی کو اختیار کرنے کا حکم دیں۔اور نیکی کی دعوت اور اس کے فروغ کے باوجود برائی معاشرے میں سر اٹھائے تو اس کو بزور روک دیں تاکہ نظام خیر پر چلتا رہے۔چنانچہ قرآن کا فرمان ہے:

وَاعۡتَصِمُوۡا بِحَبۡلِ اللّٰهِ جَمِيۡعًا وَّلَا تَفَرَّقُوۡا وَاذۡكُرُوۡا نِعۡمَتَ اللّٰهِ عَلَيۡكُمۡ اِذۡ كُنۡتُمۡ اَعۡدَآءً فَاَلَّفَ بَيۡنَ قُلُوۡبِكُمۡ فَاَصۡبَحۡتُمۡ بِنِعۡمَتِهٖۤ اِخۡوَانًا وَكُنۡتُمۡ عَلٰى شَفَا حُفۡرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنۡقَذَكُمۡ مِّنۡهَا كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمۡ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمۡ تَهۡتَدُوۡنَ. وَلۡتَكُنۡ مِّنۡكُمۡ اُمَّةٌ يَّدۡعُوۡنَ اِلَى الۡخَيۡرِ وَيَاۡمُرُوۡنَ بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَيَنۡهَوۡنَ عَنِ الۡمُنۡكَرِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ.

(آل عمران ۳: ۱۰۳، ۱۰۴)

''اللہ کی رسی کو مضبوطی سے مل کر تھامے رہو اور تفرقے میں نہ پڑو اور اللہ کے اس فضل کو یاد رکھو کہ تم ایک دوسرے کے دشمن تھے تو اللہ نے تمھارے دلوں کو ایک دوسرے کے ساتھ جوڑ دیا۔اور تم ایک دوسرے کے بھائی بن گئے۔اور تم آگ کے ایک گڑھے پر کھڑے تھے تو اللہ نے تمھیں اس سے بچا لیا۔اسی طرح اللہ تمھارے لیے اپنی ہدایات کو واضح کرتا ہے تاکہ تم راہ یاب ہو۔اور اس لیے چاہیے کہ تم میں سے ایک (بااختیار) گروہ ہو، جو نیکی کی دعوت دے، معروف کا حکم کرے اور منکر سے روکے اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔''

اس باب کی تمام روایات اسی آیت پر مبنی ہیں۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت ہی

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

کے مختلف پہلووں کی توضیح کرتے ہوئے یہ احکام دیے ہیں۔ اگر اس آیت پر تدبر کی نگاہ ڈالی جائے تو یہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ حکم دیا ہے کہ ہم 'اعتصام بحبل اللّٰہ' پر قائم رہنے اور تفرقے سے بچنے کے لیے اپنے اندر ایک نظم اجتماعی قائم کریں۔ 'ولتکن منکم امۃ' کا مطلب یہی ہے۔ چنانچہ جب کسی چیز کے بنانے یا قائم کرنے کا حکم دیا جاتا ہے تو بننے کے بعد اس کو قائم رکھنے کے لیے اس کے ساتھ تعاون کرنا اور اس کے خلاف اقدامات نہ کرنا اس حکم میں خود بخود شامل ہے۔ یہی چیز 'علیکم بالجماعۃ' ہے۔

قرآن مجید میں یہ حکم جس سیاق میں آیا ہے، اس پر غور کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ 'ولتکن منکم امۃ' میں قیام ریاست کا یہ حکم اس لیے دیا جا رہا ہے کہ جماعت صحابہ متحد رہ کر نیابت رسول کے لیے تیار رہے اور رسول اللہ کی نیابت میں 'شہادت علی الناس' کا فریضہ سرانجام دے سکے۔

اس منصب امامت پر قائم رہنے کے لیے جس طرح شریعت اور نظام عدل پر قائم رہنا ضروری ہے، اسی طرح ایک مرکز اور نظم اجتماعی سے وابستگی بھی اس کے لیے اشد ضروری ہے۔ چنانچہ 'التزام جماعت' کے حکم سے مقصود اصل میں یہی ہے کہ ملت وحدت ریاست پر قائم رہے۔ اس میں انتشار پیدا نہ ہو۔ انتشار اس کے لیے عذاب الٰہی اور وحدت اس کے لیے رحمت خداوندی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ نے یہ حکم اس قدر تاکید کے ساتھ دیا ہے کہ اگر اس موضوع کی تمام روایات کو جمع کر کے پڑھا جائے تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ گویا توحید، معاد اور رسالت کے بعد یہ اسلام کا سب سے بڑا حکم ہے، جس سے انحراف اسی طرح دوزخ کی سزا کا باعث ہے جس طرح توحید و رسالت سے انحراف۔

اس حکم میں پیش نظر ایک چیز اور بھی ہے جس کو آپ نے اپنے دوسرے ارشادات میں واضح فرمایا ہے کہ ان فتنوں کا مقابلہ تائید الٰہی کے بغیر ممکن نہیں ہے اور تائید الٰہی صرف اس صورت میں نازل ہو گی جب ہم اس کے حکم کے مطابق باہم دگر متحد رہیں۔ مسند احمد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دو فرمان اس طرح نقل ہوئے ہیں:

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org
"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

يد الله على الجماعة. ''الجماعۃ، کے قائم رہنے میں اللہ کی تائید و نصرت ہے۔''

الجماعة رحمة والفرقة عذاب. ''الجماعۃ کا قائم رہنا اللہ کی رحمت ہے، اور اس کا منتشر ہونا عذاب الٰہی ہے۔''

چنانچہ مذکورہ آیت کی روشنی میں 'علیکم بالجماعة' کا مطلب یہ ہے کہ ملت کو نیابت رسول میں منصب امامت پر برقرار رکھنے کے لیے اسے قرآن وسنت پر قائم اور ایک پلیٹ فارم پر مجتمع رکھنے والی ریاست کے ساتھ اس غرض سے وابستہ رہا جائے کہ وہ انتشار کا شکار ہو کر منصب امامت سے معزول نہ ہو جائے۔ یہی وجہ کہ اس سے منحرف ہونے والے کی سزا دوزخ ہے، کیونکہ وہ انتشار ملت کا باعث بنتا ہے خود قرآن نے بھی یہ کہا ہے 'اولئك هم المفلحون' کہ حکومت کے بارے میں مذکورہ حکم کی تعمیل کرنے والے ہی فلاح پائیں گے، جس کا نقیض ظاہر ہے خود بخود ثابت ہو جائے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی بات کو 'میتة جاهلية' سے تعبیر فرمایا ہے:

من رای من امیره شیئا یکرهه فلیصبر فانه من فارق السلطان شبرا مات میتة جاهلية. (مسلم، کتاب الامارہ)

''جو شخص اپنے حکمران میں کوئی ناپسندیدہ بات دیکھے تو اسے چاہیے کہ وہ اس کی اطاعت پر جما رہے، کیونکہ جو بالشت برابر بھی اقتدار کی اطاعت سے نکلا، وہ جاہلیت کی موت مرا۔''

خلاصہ یہ کہ فتنوں سے بچنے اور دشمن کے مقابلے میں مضبوط ومحکم رہنے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق یہ ضروری ہے کہ اہل ایمان نظم اجتماعی سے جڑے رہیں۔ جب تک وہ ملت اسلامیہ کے اس مرکز سے وابستہ رہیں گے، اس وقت تک فتنوں سے محفوظ رہیں گے، کیونکہ ایک متحد گروہ ایک منتشر بھیڑ سے بہتر ہے۔ جس طرح اکیلا آدمی بھاری دشمن کا مقابلہ نہیں کر سکتا، اسی طرح اکیلا مسلمان بھی شیطان جیسے دشمن کا مقابلہ نہ کر سکے گا۔ اور انتشار کے

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

باعث ملت اسلامیہ بھی دشمن کے مقابلے میں زیادہ دیر نہ ٹھہر سکے گی۔ اسی طرح کا حکم وہ بھی ہے جس میں مسلمان کو دارالکفر میں رہنے سے روکا گیا ہے۔

[۱۹۹۴ء]

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

سواد اعظم کی اتباع

عن ابن عمر قال: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه و سلم: لا یجمع اللّٰه هذه الأمة علی الضلالة ابدا . و قال ید اللّٰه علی الجماعة. فإذا شذ الشاذ منهم إختطفته الشیاطین[1] . فاذا رأیتم إختلافاً[2] . فاتبعوا السواد الأعظم، فإنه من شذ، شذ فی النار. (مستدرک، کتاب العلم)

ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ میری امت کو کبھی ضلالت پر جمع نہیں کرے گا۔ اور آپ نے فرمایا: نظم اجتماعی پر اللہ کا ہاتھ ہے۔ تو جو اس سے الگ ہوا، شیاطین اسے اچک لے جائیں گے۔ چنانچہ، جب تم (اس میں) اختلاف پاؤ تو (اس کے ساتھ وابستہ رہنے کے لیے) سواد اعظم کی

---

[1] تلبیس ابلیس، ابن جوزی، باب ۱۔

[2] سنن ابن ماجہ، کتاب الفتن۔

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

رائے کی پیروی کرو، اس لیے کہ جو الجماعۃ سے الگ ہوا، وہ دوزخ میں پڑا۔

شرح حدیث

سب سے پہلے، یہ واضح کرنا ضروری ہے کہ یہ روایت، دراصل، دو روایتوں کا مجموعہ ہے: ابتدا سے 'علی الضلالة ابدا' تک پہلی روایت ہے اور 'وقال: ید اللّٰہ علی الجماعة' سے آخر تک دوسری روایت۔ ہمارے نزدیک کسی موقع پر استدلال کرتے ہوئے دونوں روایتوں کو ایک ہی موقع پر بیان کیا گیا، مگر بعد کے راویوں نے اسے ایک ہی روایت کی حیثیت سے بیان کر دیا۔ ہماری اس رائے کی بنیاد درج ذیل دلائل پر ہے:

۱۔ یہ روایت موجودہ صورت میں قرآن وسنت کے مسلمات کے خلاف ہے۔ 'لا یجمع اللّٰہ ھذہ الامة علی الضلالة ابدا' پر 'فاتبعوا السواد الأعظم' کے عطف سے روایت میں یہ معنی پیدا ہو جاتے ہیں کہ امت جس بات پر متفق ہو یا سواد اعظم جس رائے کو اختیار کر لے، وہی حق ہے، لہٰذا اسی کی پیروی کی جائے۔ اگر اس کا مطلب یہی ہے تو پھر یہ لازم ہے کہ ہم ملت اسلامیہ کے سواد اعظم (اکثریت) کی رائے کو حق مانیں، خواہ اکثریت کی رائے دین کے مسلمات کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔ جبکہ ہمارا ایمان یہ ہے کہ قرآن مجید ہی اصل حاکم ہے۔ اس کے خلاف سواد اعظم تو کیا، اگر ساری دنیا بھی یک زباں ہو جائے، تب بھی قرآن ہی کی بات مانی جائے گی۔

۲۔ قرآن مجید اور احادیث کی نصوص سے یہ بات ثابت ہے کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ دین اجنبی ہو جائے گا۔ اور 'ثُلَّةٌ مِّنَ الْأَوَّلِينَ. وَقَلِيلٌ مِّنَ الْآخِرِينَ'[۳] کے مطابق، اخیار امت کی تعداد کم ہوتی جائے گی۔ اور 'خیر القرون قرنی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم'[۴] کے اصول پر شر عام ہوتا جائے گا اور 'بدأ الاسلام غریبا وسیعود غریبا'[۵] کے

۳؎ الواقعہ ۵۶: ۱۳-۱۴۔ ''پہلے والوں میں بہت اور بعد والوں میں کم۔''

۴؎ عن اسانید المختلفہ۔ ''سب سے بہتر میرا زمانہ ہے، پھر اس سے کم، اس سے بعد کا زمانہ ہے، پھر اس

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

مطابق حق لوگوں کے لیے اجنبی ہوتا جائے گا۔ چنانچہ نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ حق کے علم بردار بالعموم کم ہی ہوتے ہیں۔

۳۔ اس روایت کی انھی مشکلوں کے حل کے لیے عام طور پر سواد اعظم سے صحابہ، جمہور علما یا اخیار امت مراد لیے جاتے ہیں۔ یہ رائے ہمارے نزدیک قابل قبول نہیں ہے، کیونکہ روایت کے الفاظ میں کوئی قرینہ ایسا نہیں، جس کی بنیاد پر سواد اعظم کے یہ معنی مراد لیے جائیں، بلکہ کلام کی ترکیب ایسی ہے کہ سواد اعظم سے مسلمانوں کی اکثریت ہی مراد لی جا سکتی ہے۔

۴۔ 'لا یجمع اللّٰہ ھذہ الامة علی الضلالة ابدا' کے بعد 'و قال' سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ یہ دونوں باتیں الگ الگ ہیں۔ بعض طرق میں 'و قال' حذف ہو گیا ہے۔ اس کی وجہ غالباً راویوں کا سہو ہے۔ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی اس روایت میں 'و قال' کا موجود ہونا ہمارے نزدیک اس بات کا قطعی فیصلہ کر دیتا ہے کہ یہ دو الگ الگ روایتیں ہیں۔ چنانچہ ہمارے نزدیک ان روایتوں کو الگ الگ سمجھنا ضروری ہے۔ اس وجہ سے ہم ان کی شرح بھی الگ الگ کریں گے۔

عن ابن عمر قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: لا یجمع اللّٰہ ھذہ الأمة علی الضلالة ابدا.	''ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ میری امت کو کبھی ضلالت پر جمع نہیں کرے گا۔''

'جمع نہ کرنے' سے مراد یہ ہے کہ ملت اپنے تمام افراد کے ساتھ کبھی ضلالت یا گمراہی اختیار نہیں کرے گی، بلکہ کچھ لوگ ہر زمانے میں ضرور حق پر قائم رہیں گے۔

گمراہی اختیار کرنے سے مراد، دین کے کسی جز میں گمراہی بھی مراد ہو سکتی ہے اور پورے دین میں بھی اور اسی طرح اصول میں اور فرع میں بھی۔ آپ کے اس فرمان کا مطلب یہ نہیں ہے کہ چونکہ ملت کبھی گمراہی پر جمع نہیں ہو گی، اس لیے اگر وہ کسی بات پر جمع ہو جائے تو وہ بات یقیناً حق ہو

کے بعد کا۔''

۵؎ عن اسانید المختلفہ۔ ''اسلام آیا تو اجنبی تھا اور عنقریب، یہ پھر اجنبی ہو جائے گا۔''

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

گی۔اس کے بارے میں ہم اوپر لکھ چکے ہیں کہ یہ رائے قرآن وحدیث کے مسلمات کے خلاف ہے۔

ملت اپنے تمام افراد کے ساتھ کبھی ضلالت پر جمع نہیں ہو گی، بلکہ اہل حق کی قلیل یا کثیر جماعت ہر زمانے میں موجود رہے گی۔

اس روایت کی بنیاد قرآن مجید کی اس آیت پر ہے:

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ أُمَّةً وَّسَطًا	''اسی طرح ہم نے تمھیں ایک بہترین
لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ	امت بنایا تاکہ تم لوگوں پر (اس دین کی)
وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا.	شہادت دینے والے بنو اور یہ رسول تم پر
(البقرہ ۲:۱۴۳)	شہادت دے۔''

امت اسلامیہ کو اس منصب پر فائز کرنے کا یہ لازمی تقاضا تھا کہ وہ جس حق کی شہادت کے لیے برپا کی جارہی ہے، وہ حق ہمیشہ زندہ رہے۔چنانچہ اس کے لیے ملت میں دو اہتمام کیے گئے ہیں: ایک یہ کہ قرآن مجید کو ہر قسم کی کمی بیشی اور تحریف سے محفوظ کر دیا گیا ہے۔دوسرے یہ کہ اس امت کے اندر ہمیشہ کے لیے ایک گروہ کو حق پر قائم کر دیا گیا تاکہ حق کے طالبوں کے لیے ان کا علم وعمل مشعل راہ کا کام دیتا رہے۔ ہماری زیر بحث روایت میں اسی دوسرے اہتمام کے نتیجے کو بیان کیا گیا ہے کہ ملت کے اندر چونکہ اہل حق کا ایک گروہ ہمیشہ موجود رہے گا، اس لیے پوری ملت کبھی گمراہی پر جمع نہ ہوگی۔

اگر اس آیت کی روشنی میں اس روایت کو سمجھا جائے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ملت، بحیثیت مجموعی ضلالت پر کبھی جمع نہ ہوگی۔اس میں ہمیشہ اہل حق کا ایک گروہ موجود رہے گا تاکہ حق کے طالبوں کے لیے ان کا علم وعمل شمع رہنما بنا رہے اور خلق کو قرآن وسنت کی ہدایت کی جو روشنی مطلوب ہے، وہ کبھی گل نہ ہونے پائے۔سیدنا مسیح علیہ السلام کے الفاظ میں یہ پہاڑی کے وہ چراغ ہیں جن سے راہ ڈھونڈنے والے اپنی منزل پائیں گے۔یہی چراغ ہر ظلمت میں روشن رہیں گے اور باطل کے ہر طوفان کے مقابلے میں حق کی حمایت میں اپنی لو کو مزید بڑھاتے رہیں گے۔

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

چنانچہ اس طرح کے لوگ خواہ ان کی تعداد کم ہی کیوں نہ ہو، اس امت میں ہمیشہ باقی رہیں گے۔ فتنوں کا کیسا ہی زور ہو، ضلالت امت کے رگ وریشے میں کتنی ہی گہری اتر جائے، خوب جب ناخوب اور بدعت جب سنت قرار پا جائے تو اس وقت بھی اللہ تعالیٰ اس امت کے ایک حصے کو حق پر قائم رکھے گا۔ وہ اپنے زمانے میں حق کی منادی کرتے رہیں گے اور ان کے علم وتقویٰ کا معاشرے پر بہت رعب ہوگا۔ یہی بات ایک اور موقع پر آپ نے ان الفاظ میں بیان فرمائی ہے:

لا تزال طائفة فی أمتی قائمة بامر اللّٰہ لا یضرهم من خذلهم او خالفهم حتی یاتی امر اللّٰہ، وهم ظاهرون علی الناس. (مسلم، کتاب الامارہ)

’’میری امت کا ایک گروہ ہمیشہ اللہ کے حکم پر قائم رہے گا۔ جو کوئی ان کو دبانا چاہے یا ان کی مخالفت کرے گا تو وہ ان کو کچھ نقصان نہ پہنچا سکے گا، یہاں تک کہ اللہ کا فیصلہ سنا دیا جائے، اس وقت تک، یہ گروہ لوگوں پر غالب رہے گا۔‘‘

زیر بحث روایت سے عام طور پر یہ مطلب سمجھا جاتا ہے کہ ملت چونکہ ضلالت پر جمع نہیں ہو سکتی، اس لیے جب بھی یہ کسی بات پر جمع ہو جائے تو وہ بات یقیناً حق ہوگی۔ ہمارے نزدیک یہ بات ٹھیک نہیں ہے۔ اس کے وجوہ ہم مضمون کی تمہید میں بیان کر آئے ہیں۔ یہاں اتنی بات مزید واضح رہے کہ روایت کے الفاظ سے یہ منطقی نتیجہ نکالنے کو تو نکالا جا سکتا ہے، مگر یہ متکلم کا منشا نہیں ہے۔ وہ تو صرف یہ بشارت سنانا چاہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حق کو باقی رکھنے کا یہ اہتمام کر دیا ہے، چنانچہ پوری کی پوری ملت اپنے کسی دور میں بھی گمراہ نہ ہوگی، بلکہ اس میں اہل حق کا ایک گروہ ہمیشہ رہے گا:

ید اللّٰہ علی الجماعة، فإذا شذ الشاذ منهم إختطفته الشیاطین، فإذا رأیتم إختلافا فاتبعوا السواد الأعظم، فإنه من شذ،

’’نظم اجتماعی (ریاست) پر اللہ کا ہاتھ ہے۔ تو جو اس سے الگ ہوا، شیاطین اسے اچک لے جائیں گے۔ چنانچہ، جب تم (اس میں) اختلاف پاؤ تو (اس کے ساتھ وابستہ رہنے

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

شذ فی النار.

کے لیے) سواد اعظم کی رائے کی پیروی کرو۔ اس لیے کہ جو الجماعۃ سے الگ ہوا، وہ دوزخ میں پڑا۔''

'ید اللّٰہ علی الجماعۃ' ''نظم اجتماعی (ریاست) پر اللہ کا ہاتھ ہے''۔ 'ید اللّٰہ علیہ' رحمت اور سر پرستی سے کنایہ ہے۔ یعنی ان پر اللہ کی رحمت سایہ فگن رہے گی اور اللہ تمھیں اپنی پناہ اور نگرانی میں رکھے گا۔ 'السلطان ظل اللّٰہ علی الارض[6]' کا اسلوب اور مضمون بھی یہی ہے۔ اس میں 'الجماعۃ' (نظم اجتماعی یا ریاست) کے ساتھ وابستگی کی برکات کی طرف اشارہ ہے۔

'الجماعۃ' سے مراد مسلمانوں کا نظم اجتماعی (ریاست) ہے۔ ریاست بنا کر ایک منظّم قوم کی حیثیت سے رہنا مسلمانوں پر لازم کیا گیا ہے۔

'السواد الاعظم' سے مراد قوم وملت کی اکثریت ہے۔ اس حکم کا تعلق نظم سیاسی سے ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کا عطف 'ید اللّٰہ علی الجماعۃ' پر ہوا ہے۔ چنانچہ سیاسی نظام میں قوم کے نمائندے جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے 'العرفاء' کا نام دیا ہے، ان کی اکثریت بھی سواد اعظم ہے۔

ایک نظم اجتماعی (ریاست) کے تحت متحد اور منظّم رہنے میں اللہ کی رحمت ملت کے شامل حال رہے گی۔ اس سے الگ ہونے والا شیاطین کے نرغے میں آجائے گا۔ اس لیے نظم اجتماعی (ریاست) ہی سے وابستہ رہو۔ جب اختلاف ہو جائے تو اس نظم کو چھوڑنے کے بجائے اکثریت کی رائے مان کر اس سے وابستہ رہو تا کہ امت مسلمہ اور تم اللہ کی تائید ونصرت اور رحمت سے محروم نہ ہو۔

اس روایت میں آپ نے دو باتیں فرمائی ہیں۔ ایک یہ کہ اللہ کی تائید 'الجماعۃ' ہی کو حاصل رہے گی۔ اور دوسرے یہ کہ اختلاف کی صورت میں سواد اعظم کی اتباع کی جائے اور جس نے اس

---

[6] خطبۂ مسنونہ، عن 'اسانید المختلفہ'۔

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

کی اتباع نہ کی اس کی سزا دوزخ ہے۔اب ہم قرآن مجید سے ان دونوں باتوں کی بنیاد الگ الگ بیان کریں گے۔

پہلی بات آپ نے یہ فرمائی کہ اللہ کی تائید 'الجماعۃ' ہی کو حاصل رہے گی۔آپ کا یہ فرمان قرآن مجید کی درج ذیل آیات پر مبنی ہے:

وَاعۡتَصِمُوۡا بِحَبۡلِ اللّٰهِ جَمِيۡعًا وَّلَا تَفَرَّقُوۡا وَاذۡكُرُوۡا نِعۡمَتَ اللّٰهِ عَلَيۡكُمۡ اِذۡ كُنۡتُمۡ اَعۡدَآءً فَاَلَّفَ بَيۡنَ قُلُوۡبِكُمۡ فَاَصۡبَحۡتُمۡ بِنِعۡمَتِهٖۤ اِخۡوَانًا وَكُنۡتُمۡ عَلٰى شَفَا حُفۡرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنۡقَذَكُمۡ مِّنۡهَا كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمۡ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمۡ تَهۡتَدُوۡنَ. وَلۡتَكُنۡ مِّنۡكُمۡ اُمَّةٌ يَّدۡعُوۡنَ اِلَى الۡخَيۡرِ وَيَاۡمُرُوۡنَ بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَيَنۡهَوۡنَ عَنِ الۡمُنۡكَرِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ. (آل عمران ۳: ۱۰۳-۱۰۴)	''اللہ کی رسی کو مضبوطی سے مل کر تھامے رہو اور تفرقے میں نہ پڑو، اللہ کے اس فضل کو یاد رکھو کہ تم ایک دوسرے کے دشمن تھے تو اللہ نے تمھارے دلوں کو جوڑ دیا اور تم آپس میں بھائی بھائی بن گئے۔اور تم آگ کے ایک گڑھے پر کھڑے تھے تو اللہ نے تمھیں اس سے بچا لیا، اسی طرح اللہ تمھارے لیے اپنی ہدایات کو واضح کرتا ہے تاکہ تم راہ یاب ہو۔ اور اس لیے چاہیے کہ تم میں ایک گروہ (اس اختیار کے ساتھ) قائم ہو جو نیکی کی دعوت دے، معروف کا حکم دے اور منکر سے روک دے اور اپنے اندر اس گروہ کو قائم کرنے والے ہی فلاح پائیں گے۔''

ان آیات پر تدبر کی نگاہ ڈالی جائے تو یہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ حکم دیا ہے کہ ہم 'اعتصام بحبل اللّٰہ' پر قائم رہنے اور تفرقے سے بچنے کے لیے اپنے اندر ایک نظم اجتماعی قائم کریں۔'ولتکن منکم امۃ' کا مطلب یہی ہے یعنی مسلمانوں پر یہ واجب کیا گیا ہے کہ وہ ایک حکمران کے تحت، ایک ہی سیاسی نظام میں متحد قوم کی حیثیت سے رہیں۔اسی چیز کو اس حدیث میں 'الجماعۃ' سے تعبیر کیا گیا ہے۔ظاہر ہے کہ ملت اسلامیہ اگر اللہ کے اس حکم پر کاربند رہتی ہے

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

تو یقیناً اللہ تعالیٰ بھی اپنی رحمت اور تائید سے ملت اسلامیہ کو محروم نہ کریں گے۔ اسی بات کو قرآن مجید نے 'اولٰئك هم المفلحون' کے الفاظ میں بیان کیا ہے، یعنی ایسا طریقہ اختیار کرنے والے اس دنیا اور آخرت، دونوں میں فوز وفلاح پائیں گے۔

اس روایت میں دوسری بات جو آپ نے فرمائی وہ یہ ہے کہ جب تم اختلاف دیکھو تو سواد اعظم (اکثریت) کی پیروی کرو۔ آپ کا یہ فرمان قرآن کی آیت شوریٰ "امرهم شورىٰ بينهم"[ے] پر مبنی ہے۔ سواد اعظم کی اتباع اس شورائی نظام کا لازمی تقاضا ہے، جس کا حکم قرآن مجید نے دیا ہے۔ اس کی وضاحت ہم آگے چل کر کریں گے۔

ہم یہ واضح کر چکے ہیں کہ ملت اسلامیہ پر ایک حکومت کے تحت متحد ہو کر رہنا واجب کیا گیا ہے۔ یہ بحیثیت امت اس کے فرائض میں سے ہے۔ اس روایت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حکم کی تعمیل سے حاصل ہونے والے ثمرات میں سے ایک کی طرف توجہ دلائی ہے جس کا مقصد اس حکم کی تعمیل پر ابھارنا اور یہ سمجھانا ہے کہ اللہ کی تائید ونصرت کی مستحق متفرق جماعتیں نہیں، بلکہ ایک سیاسی نظم کی پابند ملت ہے جو طوائف الملوکی کا شکار نہ ہو۔ جس کا نظام 'امرهم شورىٰ بينهم' کے اصول پر چلتا ہو، جو ایک ہی حکمران پر مجتمع ہو اور کسی منتشر بھیڑ کی طرح پراگندہ نہ ہو، کیونکہ نظام اجتماعی سے تخلف شیطانی چالوں میں سے ہے جو قوموں اور ان کے افراد کو اتنا کمزور کر دیتی ہے کہ وہ اپنے دشمن اور شیطان کے نرغے میں بآسانی آجاتے ہیں جس کا نتیجہ اللہ کی تائید ونصرت سے محروم ہو جانا ہے، جبکہ ان دشمنوں کے مقابلے میں مضبوط و مستحکم ہونا اللہ کی تائید و نصرت کی علامت ہے۔

'جب تم اختلاف پاؤ تو سواد اعظم کی رائے کی پیروی کرو' اس حکم کا تعلق سیاسی نظام سے ہے۔ شریعت اسلامیہ نے جس سیاسی نظام کے لیے قانون سازی کی ہے، اس کے لیے بنیادی اصول یہ دیا ہے کہ وہ مسلمانوں کے باہمی مشورے پر چلے۔ چنانچہ جس سیاسی نظم (الجماعة) کی بنیاد باہمی مشورے (شوریٰ) کے اصول پر رکھی گئی ہے، اس میں اختلافی امور میں فیصلہ کرنے کے

ے الشوریٰ ۴۲: ۳۸۔ "ان کا نظام ان کے باہمی مشورے پر مبنی ہے۔"

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ سواد اعظم (اکثریت) کی رائے ہی نافذ العمل مانی جائے۔ دوسرے الفاظ میں یوں کہیے کہ اسلام کا نظام حکومت، چونکہ 'امرهم شورىٰ بينهم' کے اصول پر مبنی ہے۔ اس لیے یہ واضح سی بات ہے کہ جب بھی مشورہ لیا جائے گا تو دو میں سے ایک صورت لازماً پیدا ہوگی: شوریٰ بالا جماع کسی فیصلے پر پہنچ جائے گی یا اختلاف رائے ہو جائے گا۔ اختلاف کی صورت میں اگر معاملہ افہام و تفہیم سے بھی طے نہ پائے تو پھر دین کا حکم ہے کہ سواد اعظم، یعنی اکثریت کی رائے کو فیصلہ کن قرار دیا جائے۔ یہی حکم ہماری زیر بحث حدیث میں دیا گیا ہے کہ 'فاذا رأيتم إختلافا فاتبعوا السواد الأعظم' کہ جب بھی اختلاف پیدا ہو جائے تو اکثریت کی رائے کی پیروی کرو۔

یعنی اکثریت (سواد اعظم) کی رائے کی بنیاد پر قانون سازی کرلو، کیونکہ اختلاف کی صورت میں فیصلہ کرنے کا یہی طریقہ قابل عمل اور نزاع سے بچانے والا ہے اور اسی پر عمل پیرا ہو کر التزام جماعت پر قائم رہا جا سکتا ہے۔ یہ ٹھیک نہیں ہے کہ آدمی محض اختلاف رائے کی بنا پر ملت کے نظم اجتماعی سے تخلف یا علیحدگی اختیار کر کے عتاب الٰہی کا شکار بنے۔

چونکہ اس حکم کا تعلق سیاسی اور اجتماعی امور سے ہے، اس لیے ہم حکمران کے انتخاب، ملکی نظام کی تشکیل، قانون سازی، قانون سازی میں شریعت کے مدعا کی تعیین اور اہم قومی امور میں حکمت عملی کی ترتیب جیسے معاملات میں بصورت اختلاف و اتفاق، سواد اعظم کی رائے کی پیروی کے پابند ہیں۔

تخلف اختیار کرنے سے مراد یہ ہے کہ سواد اعظم کے طے کردہ قانون کی اتباع چھوڑ کر محض رائے کے اختلاف کی بنا پر ریاست کی نافرمانی اور اس سے تخلف کی راہ اختیار کی جائے، ایسا کرنے والا جہنمی ہے، کیونکہ وہ 'من فارق الجماعة مات ميتة جاهلية' (مسلم، کتاب الامارہ) کے حکم میں آتا ہے۔

اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ اسلامی ریاست میں کوئی آدمی اپنی ذاتی رائے رکھ ہی نہیں سکتا۔ ہماری مراد صرف یہ ہے کہ جب ایک اختلافی امر میں اتفاق رائے سے فیصلہ نہ ہو سکے تو

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

اکثریت کی رائے کو ملکی قانون کی صورت میں نافذ کر دیا جائے گا۔نفاذ کے بعد وہ رائے ریاستی قانون ہے، جس کی اتباع ہر شخص پر لازم ہے۔اختلاف رائے کی بنیاد پر اس قانون کی خلاف ورزی نہیں کی جا سکتی، البتہ جس کو اختلاف ہو وہ اس قانون پر عمل کرتے ہوئے اپنی رائے کے حق میں رائے عامہ ہموار کر سکتا اور اسی طرح قانون کے دائرے میں رہتے ہوئے اسے ملکی قانون بنانے کی کوشش بھی کر سکتا ہے۔

زیر بحث روایت درحقیقت دو روایتوں کا مجموعہ ہے۔پہلی روایت میں یہ فرمایا گیا ہے کہ اس ملت کے افراد کی ہدایت و رہنمائی کے لیے ہمیشہ صالح علما کا ایک گروہ موجود رہے گا۔یہ اہتمام اس لیے کیا گیا ہے کہ ملت شہادت حق کی ذمہ داری ادا کر سکے۔

دوسری روایت میں یہ فرمایا گیا ہے کہ ایک نظم سیاسی سے جڑ کر رہنے میں اللہ کی رحمت مسلمانوں کے شامل حال ہو گی۔مسلمانوں پر ایک نظم اجتماعی سے وابستہ رہنا فرض کیا گیا ہے، اس نظام کی بنیاد شوریٰ کے اصول پر رکھی گئی ہے۔اختلاف کی صورت میں طریقہ یہ بتایا گیا ہے کہ اکثریت کی رائے کو فیصلہ کن مان کر نظام چلایا جائے اور یہ ہدایت کی گئی ہے کہ محض اختلاف کی بنا پر نظم اجتماعی سے تخلف اختیار نہ کیا جائے، بلکہ اختلاف رائے کے باوجود اسی قانون پر چلا جائے جسے عوام یا عوام کے معتمد ارباب حل وعقد کی اکثریت کی تائید حاصل ہو۔

[۱۹۹۴ء]

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

کیا پاکستان 'الجماعۃ' ہے؟

ادارہ معارف اسلامی، منصورہ، لاہور

۱۸ مارچ ۱۹۹۴

محترمی ومکرمی جناب ساجد حمید صاحب،

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

آپ نے 'اشراق' بابت فروری ۱۹۹۴ ''التزام جماعت کا صحیح مفہوم'' کے عنوان کے تحت، التزام جماعت کے بارے میں احادیث نقل کرنے کے بعد فرمایا ہے:

''اس لفظ (یعنی الجماعۃ) کا اطلاق کسی ایسی جماعت ہی پر کیا جا سکتا ہے، جو کسی سرزمین میں، سیاسی طور پر، خود مختار قوم کی حیثیت سے رہتی ہو اور اس میں نظام امارت بھی قائم ہو، اس لیے سیاسی اقتدار سے محروم کسی دینی جماعت یا تنظیم پر اس لفظ کا اطلاق صحیح نہیں ہے۔'' (۱۵)

نیز یہ کہ:

''بعض لوگوں کا یہ تصور صحیح نہیں ہے کہ کسی بھی ایسی تنظیم یا جماعت سے منسلک رہنا ضروری ہے جو غلبۂ اسلام کے لیے کوشاں ہو۔ جماعت کے اس مطلب کی روشنی میں جس کو ہم نے اوپر واضح کیا ہے (یعنی یہ کہ 'الجماعۃ' اور 'السلطان' مترادف اصطلاحات ہیں) یہ حکم ہمارے ملک میں

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

حکومت پاکستان کے ساتھ وفادار رہنے اور اس کے قوانین کی پابندی کرنے سے پورا ہو جاتا ہے اور ہم، علی وجہ البصیرت، یہ سمجھتے ہیں کہ حکومت پاکستان ہی اس سرزمین کے مسلمانوں کے لیے الجماعۃ ہے۔" (١٦)

اپنے اس موقف کے بیان سے چند ہی سطریں پہلے آپ سورۂ نساء کی آیت ۵۹[١] کے حوالہ سے کفر بواح کی صراحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

"کفر، صرف یہی نہیں ہے کہ آدمی اسلام کے عقائد کا انکار کرے، بلکہ حکمرانوں کے معاملے میں یہ بھی کفر ہے کہ وہ فصل نزاعات اور قانون سازی میں اللہ کی دی ہوئی شریعت کی خلاف ورزی کریں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ومن لم یحکم بما انزل اللّٰہ فاولئك هم الكفرون. هم الظالمون. هم الفاسقون[٢]۔"

میرے محترم بھائی، آپ بتائیں کہ کیا پاکستان میں 'فصل نزاعات' اور 'قانون سازی' شریعت الٰہی کے مطابق اور ان کے تابع ہیں کہ آپ نے پاکستان کی حکومت کو 'الجماعۃ' اور 'السلطان' کے قائم مقام قرار دے دیا ہے۔

پاکستان میں ۱۹۸۵ء سے مسلم لیگ اور پیپلز پارٹی باری باری عنان حکومت سنبھالتی چلی آ رہی ہیں۔ مسلم لیگ کا محمد خان جونیجو مرحوم کے عہد میں یہ اعلان تھا کہ وہ شریعت کی برتری کا قانون نہیں بننے دیں گے۔ اس کے بعد میاں نواز شریف کی حکومت نے جو شریعت ایکٹ پاس کیا، اس کے ذریعے سے ملک کے سیاسی اور اقتصادی نظام، ملک کی پارلیمنٹ اور صوبائی اسمبلیوں اور حکومتی ڈھانچہ، سب کو شریعت سے مستثنیٰ کر دیا گیا۔ پیپلز پارٹی کی خاتون سربراہ بار بار اعلان کر چکی ہے کہ ان کے نزدیک شرعی سزائیں اور قانون شہادت سب غیر انسانی، ظالمانہ اور وحشیانہ ہیں، وہ ان

---

١ "اے ایمان والو، اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور ان لوگوں کی جو تم میں سے صاحب امر ہوں۔ پھر تمھارے درمیان، اگر کسی معاملے میں اختلاف رائے ہو تو اسے اللہ اور رسول کی طرف پھیر دو۔"

٢ المائدہ ۵: ۴۴، ۴۵، ۴۷۔ "اور جو لوگ اس قانون کے مطابق فیصلہ نہ کریں، جسے اللہ نے نازل کیا ہے، وہی کافر ہیں۔ وہی ظالم ہیں۔ وہی فاسق ہیں۔"

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

کو نہیں مانتی۔ آپ فرمائیں کہ کفر بواح اور کیا ہوتا ہے؟ کیا ان جماعتوں کی قیادت میں بننے والی حکومت آپ کے نزدیک، علی وجہ البصیرت، اس سرزمین کے مسلمانوں کے لیے 'الجماعۃ' اور 'السلطان' کے حکم میں آتی ہے اور ایسی حکومتوں کے وفادار رہنے اور ان کے قوانین کی پابندی کرنے سے اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا منشا و مطالبہ پورا ہو جاتا ہے؟ میں نہیں سمجھتا کہ کوئی خداترس مسلمان اس کا جواب اثبات میں دے سکتا ہے۔ ہاں، یہ بات درست ہے کہ پاکستان کے دستور میں اللہ کی حاکمیت کو تسلیم کیا گیا ہے۔ حکومت کے لیے یہ لازم قرار دیا گیا ہے کہ وہ اللہ کی مقرر کردہ حدود کے اندر رہتے ہوئے اپنے اختیارات استعمال کرے گی۔ پاکستان میں تمام اجتماعی سیاسی تصورات آزادی، جمہوریت، مساوات، رواداری اور عدل اجتماعی میں اسلامی اصولوں کی پوری پابندی کی جائے گی اور کوئی قانون قرآن وسنت کے منافی نہیں بنایا جائے گا۔ اس بنا پر اہل اسلام نے پاکستان کو ایک اسلامی ریاست تسلیم کیا اور قرار دیا ہے، لیکن یہ بھی امر واقعہ ہے کہ اب تک اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور شریعت الٰہی کی وفادار کوئی حکومت یہاں قائم نہیں ہوئی۔ اسی وجہ سے یہاں اسلامی نظام اور نظام مصطفیٰ کے قیام و نفاذ اور شریعت کی بالاتری عملاً قائم کرنے کے مطالبات اٹھے اور اٹھ رہے ہیں۔ اور اس غرض کے لیے مسلمانوں کی متعدد جماعتیں ملک کے اندر کام کر رہی ہیں۔ اس لیے اسلام کے مقابلے میں اور اس کے منافی و برعکس حکومتوں کو ہٹانے کے لیے کوشاں جماعتوں سے منسلک اور وابستہ ہونا اور ان کی قوت کا ذریعہ بننا ہر مسلمان اور صاحب ایمان کے لیے لازم ہے۔ اگر کسی مسلمان کو ملک میں اس غرض کے لیے موجود جماعتوں میں سے کسی پر بھی اعتماد نہیں ہے تو اس کے لیے یہ لازم ہے کہ وہ آگے بڑھ کر خود جماعت قائم کرے۔ لیکن یہ جدوجہد ہر صاحب ایمان مسلمان پر فرض ہے۔ اس کے بغیر وہ خدا کے حضور بری الذمہ نہیں ہو سکتا۔ اللہ نے اپنا رسول غلبۂ دین کے لیے مبعوث فرمایا اور قرآن مجید صاف صاف کہتا ہے کہ ہم نے تمھارا نام مسلمان (اللہ کا فرماں بردار) رکھا ہے اور تمھارا یہ ذمہ ہے کہ جو کچھ رسول تمھیں بتائے اور کر کے دکھائے، اسے اسی طرح سے آگے دوسرے لوگوں تک پہنچاؤ اور کر کے دکھاؤ، جیسے

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

رسول نے یہ کام کیا ہے۔

خاکسار

میاں طفیل محمد

قابل صد احترام جناب میاں طفیل محمد صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

آپ کا گرامی نامہ موصول ہوا۔ یہ جان کر خوشی ہوئی کہ آپ نے اس طالب علم کی عزت افزائی کے لیے وقت نکالا اور اس کے مضمون کو نہ صرف پڑھا، بلکہ نہایت شفقت کے ساتھ اس پر نقد کے لیے قلم بھی اٹھایا۔

اس خط میں آپ نے التزام جماعت کے حوالے سے اس نقطۂ نظر پر نقد کیا ہے کہ ''ریاست پاکستان سے وفاداری اور اس کے قانون کی پیروی ہی التزام جماعت ہے''۔ آپ کے اعتراض کو اگر مختصر الفاظ میں بیان کروں تو وہ یہ ہے کہ 'ہماری حکومت کہنے کو تو مسلمان ہے، مگر عملاً اور قولاً کفر بواح کی مرتکب ہے، اس لیے اسے 'الجماعۃ' کیسے کہا جا سکتا ہے۔

آپ کا یہ فرمانا بجا ہے کہ حکومت پاکستان فصل نزاعات اور قانون سازی میں شریعت کو عملاً بالادست تسلیم نہیں کرتی اور یہ بھی درست ہے کہ اپنے بیانات میں بھی اسلامی اقدار ونظریات کی کوئی خاص حمایت کرتی نظر نہیں آتی۔ اسی طرح یہ بھی درست ہے کہ اس حکومت کی اصلاح کے لیے جماعتی سطح پر جدوجہد کوئی غیر دینی عمل نہیں ہے۔ ہمارے نزدیک یہ دائرۂ مباحات کی چیز ہے، اس کے جواز وعدم جواز کے لیے کسی نص کی ضرورت نہیں ہے۔ اور نہ اسے 'الجماعۃ' کہنے ہی کی کوئی ضرورت ہے۔ چنانچہ تمدنی حالات کے تحت غلبۂ دین کے لیے جماعت سازی کسی دینی نص کی محتاج نہیں ہے اور ان جماعتوں کے ساتھ تعلق کے لیے سمع وطاعت کے بجائے 'اوفوا بالعقود[1]' کی بنیاد ہی صحیح بنیاد ہے۔

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

ہمارے نزدیک یہ بات بھی ٹھیک ہے کہ اس ملک میں تبدیلیٔ قیادت کے لیے آئینی طریقہ ہی اختیار کیا جائے، کیونکہ شریعت کو اس پر اصرار ہے کہ بغاوت کی راہ اسی وقت اختیار کی جا سکتی ہے، جب تبدیلیٔ قیادت کے لیے کوئی اور راستہ نہ ہو، اور اس میں یہ بھی ضروری ہے کہ ملک کی اکثریت بغاوت کرنے والوں کے ساتھ ہو اور انھیں کسی خطۂ ارضی میں اقتدار بھی حاصل ہو۔

باقی رہا یہ امر کہ ریاست پاکستان 'الجماعة' ہے یا نہیں؟ تو اس میں مجھے آپ کی رائے سے اختلاف ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ریاست پاکستان کے 'الجماعة' ہونے کے ہم ہی نہیں عملاً آپ بھی قائل ہیں۔ آپ نے اس ریاست کے شہری کی حیثیت سے اپنا شناختی کارڈ بنا رکھا ہے، اسی کے پاسپورٹ پر آپ بیرون ملک سفر پر جاتے ہیں، اسی کے 'اولوا الامر' کی اطاعت کرتے ہیں، اس کی سڑکوں پر چلتے ہوئے، اس کے ایک ادنیٰ کانسٹیبل کے اشارے پر زبان حال سے 'سمعنا و اطعنا'[2] کہتے ہوئے رک جاتے ہیں، اس کے ہر قانون کی پیروی کرتے اور اپنے مقدمات میں اس کی عدالتوں کے دروازے کھٹکھٹاتے ہیں، آپ کی جماعت اس کی اسمبلیوں میں جانے کے لیے انتخاب میں حصہ لیتی، اس کے انتخابی نتائج کو شرح صدر کے ساتھ قبول کرتی اور ہر نئی منتخب حکومت کے لیے ایک مرتبہ پھر 'سمع و طاعت' کا مظاہرہ کرتے ہوئے حزب اختلاف کی نشستیں سنبھال لیتی ہے اور حلف اٹھا کر اس ریاست کی وفاداری اور اس کے آئین کی پاس داری کا عہد کرتی ہے۔ یہ سب کچھ کیا 'التزام جماعت' نہیں ہے، اس کے سوا 'التزام جماعت' اور کس چیز کا نام ہے؟ ہمارے نزدیک 'علیکم بالجماعة'[3] کا تقاضا بس یہی ہے۔ ہم اور آپ اللہ کے فضل سے اسی پر کاربند ہیں۔

شریعت کی رو سے تو کفر بواح کی مرتکب حکومت بھی اس وقت تک 'الجماعة' ہوتی ہے، جب تک اسے عامة الناس کا اعتماد حاصل ہے۔ اس باب کی تمام روایتوں کا مطالعہ کرنے سے یہی

۱؎ المائدہ ۵: ۱۔ ''معاہدوں کی پابندی کرو۔''

۲؎ ''ہم نے سنا اور اطاعت کی۔''

۳؎ ''تمھارے اوپر الجماعت کا التزام لازم کیا گیا ہے۔''

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کی وہ حکمران قیادت جس کی حکومت پر مسلمان رعایا مجتمع ہو، وہ لفظ کے ہر مفہوم میں 'الجماعۃ' ہے۔ اسی سے مفارقت، اطاعت سے علیحدگی اور تخلف ممنوع ہے، اسی کے خلاف ہتھیار اٹھانا ناجائز ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: 'من اتاکم وامرکم جمیع علی رجل واحد یرید ان یشق عصاکم او یفرق جماعتکم فاقتلوہ'[۴]۔ اس میں دیکھ لیجیے کہ 'الجماعۃ' ہونے کی اصل شرط مسلمانوں کا اس کی حکومت پر اجتماع ہے، نہ کہ حکومت کا صالح ہونا۔ اسی بات کو حدیث کے جلیل القدر شارح علامہ ابن حجر رحمہ اللہ نے یوں بیان کیا ہے: ''من فارق الجماعۃ، معصیت سلطان اور محاربہ سے کنایہ ہے''۔ چنانچہ مسلمانوں کی کسی بھی حکومت کے لیے 'الجماعۃ' یا 'السلطان' ہونے کے لیے پہلی اور آخری شرط یہی ہے کہ اس کے پاس اقتدار ہو، اور مسلمان رعایا اس کے اقتدار کو تسلیم کرتی ہو۔

سادہ تر الفاظ میں یوں کہیے کہ جدید علم سیاسیات میں 'ریاست' کی جو تعریف کی جاتی ہے[۵]، بعینہٖ وہی تعریف 'الجماعت' کی ہوگی۔ یہ ریاست اگر اپنی دینی ذمہ داریاں ادا نہیں کرتی تو اس سے اس کا 'الجماعت' ہونا مجروح نہیں ہوتا۔ ہم بس اتنا کہہ سکتے ہی کہ یہ 'الجماعت' صالح نہیں ہے، بگاڑ کا شکار ہے یا یہ 'الجماعت' کفر بواح کا ارتکاب کر رہی ہے۔

پورے ذخیرۂ احادیث میں کہیں بھی 'الجماعت' کی تعریف میں یہ بات بیان نہیں ہوئی جسے آپ اس کی تعریف میں شامل فرما رہے ہیں، بلکہ واضح طور پر یہ بتایا گیا ہے کہ اگر حکمران دینی امور میں بے پروائی سے بھی کام لیں تو ان کی اطاعت پر کاربند رہو، مثلاً آپ کا فرمان ہے: 'انکم سترون بعدی اثرۃ و امورا تنکرونھا، قالوا: فماتا مرنا یا رسول اللّٰہ؟ قال: ادوا الیھم حقھم و سلوا اللّٰہ حقکم'[۶]۔ یہ اور اس مضمون کی دیگر روایتوں سے یہ واضح ہوتا

---

[۴] مسلم، کتاب الامارہ۔ ''جو تمھارے پاس بغاوت اٹھانے کے لیے آئے، جبکہ تم ایک آدمی کی حکومت پر مجتمع ہو اور وہ چاہتا ہو کہ تمھارا شیرازہ بکھیر دے یا تمھارے نظم جمعیت کو پارہ پارہ کر دے تو اس کو قتل کر دو۔''

[۵] ہم نے اس خط میں، ریاست اور حکومت کے الفاظ کم وبیش مترادفات کے طور پر استعمال کیے ہیں۔ اس لیے کہ ریاست حکومت کے بغیر وجود میں نہیں آسکتی۔

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

ہے کہ حکومت کے 'الجماعت' ہونے کا تعلق صالح ہونے سے نہیں، بلکہ محض اقتدار سے ہے۔

یہی طرزعمل صحابہ کے ہاں بھی نظر آتا ہے، مثلاً زیرنقد مضمون میں ہم نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا وہ قول بھی نقل کر دیا تھا جس میں انھوں نے یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہ کی حکومت کو بھی 'الجماعت' کہا ہے۔ عبداللہ بن عمر نے حسین بن علی اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم کو یہ بات ان الفاظ میں کہی تھی: 'اتقیا اللّٰہ، و لا تفرقا جماعة المسلمین'[7]۔ گویا یہ بات واضح ہوئی کہ مسلمانوں کی حکومت وہ خواہ کیسی ہو، اپنی حیثیت میں 'الجماعت' ہے۔

موجود حکومت، اگر ہماری رائے میں کفر بواح کا ارتکاب کر رہی ہے تو اس سے صرف یہ ثابت ہوگا کہ ہم اس حکومت کے خلاف شرائط وحدود کے مطابق بغاوت کر سکتے ہیں، لیکن یہ بات قطعاً کسی نص سے معلوم نہیں ہوتی کہ یہ حکومت اب 'الجماعت' نہیں رہی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اسے اس سرزمین کے مسلمانوں نے منتخب کیا ہے، حتیٰ کہ حکمران پارٹی کی مخالف جماعتیں بھی اس کی حکومت کو انتخاب کے بعد تسلیم کر چکی ہیں۔ یہ چیز اس حکومت کے لیے 'الجماعت' ہونے کے لیے کافی ہے۔ چنانچہ یہ ملت اسلامیہ کے اس حصے کے لیے جو پاکستان کی سرزمین میں آباد ہے 'الجماعت' ہے۔ کوئی شخص قرآن وسنت کی واضح نصوص پر اگر اس کے بارے میں ارتکاب کفر کی رائے رکھتا ہے تو اسے چاہیے کہ وہ اس کی تبدیلی کے لیے ہر جائز راستہ اختیار کرے اور اگر اسے اکثریت کی تائید حاصل ہے اور وہ بغاوت کے سوا تبدیلی کے لیے کوئی راہ نہیں پاتا تو کسی سرزمین میں سیاسی اقتدار قائم کرنے کے بعد وہ بغاوت بھی کر سکتا ہے۔

البتہ یہ واضح رہے کہ جن لوگوں کے نزدیک یہ حکومت کفر بواح کی مرتکب نہیں ہے، ان کے لیے

---

[6] مسلم، کتاب الامارہ۔ ''میرے بعد تم دیکھو گے کہ حق تلفی ہوگی اور منکر امور کو اپنایا جائے گا۔ صحابہ نے عرض کی: پھر آپ ہمیں کیا حکم دیتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: تم حکمرانوں کا حق ادا کرتے رہو اور اپنا حق اللہ سے مانگو۔''

[7] ''اللہ سے ڈرو اور مسلمانوں کے نظم اجتماعی کو پارہ پارہ نہ کرو۔''

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

آپ کی بغاوت کا ساتھ دینا لازم نہیں، بلکہ ان پر یہ واجب ہے کہ وہ پہلے سے قائم حکومت (الجماعت) کا ساتھ دیں۔ اس لیے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: 'فوا ببیعة الاول فالاول'[8]۔

'الجماعت' کے بارے میں یہ الجھنیں اس دور میں چند وجوہ سے پیدا ہوئی ہیں:

اس کی پہلی وجہ یہ ہے کہ اس دور میں 'علیکم بالجماعة' کی علت تبدیل کر دی گئی ہے۔ قرآن مجید اور احادیث سے اس حکم کی علت یہ معلوم ہوتی ہے کہ ملت اپنے سیاسی مرکز سے جڑ کر انتشار اور انارکی کا شکار نہ ہو، وہ اپنے دشمن سے محفوظ رہے اور شیاطین جن وانس کے فتنوں سے بچی رہے۔ (مفصل بحث کے لیے دیکھیے ہمارا مضمون 'مسئلۂ التزام جماعت')۔ اس علت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے 'الجماعة رحمة و الفرقة عذاب' اور 'ید الله علی الجماعة' اور 'یا ایها الناس علیکم بالجماعة و ایاکم و الفرقة' اور 'اثنان خیر من واحد، و ثلاث خیر من اثنین، و اربعة خیر من ثلاثة، فعلیکم بالجماعة'[9] کے الفاظ میں بیان کیا ہے۔ ان میں دیکھ لیجیے کہ اس کی علت اتحاد و اتفاق کا حصول اور افتراق سے بچنے کو قرار دیا گیا ہے نہ کہ نفاذ دین اور اس غلبہ کو۔ اسی بات کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس روایت میں بھی بیان فرمایا جس کو میں پہلے بھی بیان کر چکا ہوں کہ: 'من اتاکم و امرکم جمیع علی رجل واحد یرید ان یشق عصاکم او یفرق جماعتکم فاقتلوه'۔

لیکن اس دور میں اس کی علت غلبۂ دین یا نفاذ دین کو قرار دے دیا گیا ہے (جس کی قرآن وسنت میں کوئی بنیاد نہیں ہے)۔ اس میں تو شبہ نہیں کہ نفاذ دین 'الجماعت' کے فرائض میں سے ہے، لیکن یہ 'علیکم بالجماعة' کے حکم کی علت ہرگز نہیں ہے۔ 'علیکم بالجماعة' کی علت مذکورہ فتنوں

---

۸ مسلم، کتاب الامارہ۔ ''جس سے پہلے بیعت کی ہو، اس کی بیعت کو پہلے وفا کرو پھر اس کے بعد پہلے کی۔''

۹ مسند احمد۔ ''الجماعت کے ساتھ جڑ کر رہنے میں اللہ کی رحمت ہے اور اس سے علیحدگی میں عذاب الٰہی ہے'' اور ''اللہ کی تائید الجماعت' کے ساتھ ہے'' اور ''اے لوگو، الجماعت کے ساتھ التزام تم پر واجب کیا گیا ہے، اور تفرقہ تم پر حرام کیا گیا ہے'' اور ''دو ایک سے بہتر ہیں، اور تین دو سے، اور چار تین سے، اس لیے 'الجماعت' سے جڑ کر متحد ہو کر رہو۔''

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

سے نجات ہے، جن سے بچنے کے لیے ہم پر واجب ہے کہ ہم اپنی حکومت کا ساتھ دیں۔ آپ مجھے بتائیے کہ اگر ہندوستان خدانخواستہ کل پاکستان پر حملہ کر دے تو کیا آپ محض اس وجہ سے اس حکومت کی وفاداری اور اس کا ساتھ (التزام) چھوڑ دیں گے کہ یہ فصل نزاعات اور قانون سازی میں شریعت کی بالادستی تسلیم نہیں کرتی۔

اس الجھن کی دوسری وجہ یہ ہے کہ 'علیکم بالجماعة' کا مدعا صحیح نہیں سمجھا گیا۔ یہ الفاظ کسی ریاست کی ذمہ داریوں کے حوالے سے مسلمانوں کو التزام کا حکم نہیں دیتے، بلکہ مسلمان رعایا کے اپنی حکومت کے ساتھ تعلق کو متعین کرتے ہیں تاکہ وہ اتفاق و اتحاد سے زندگی گزار سکیں۔ چنانچہ 'علیکم بالجماعت' مسلمانوں کا اپنی حکومت کے ساتھ محض حکومت ہونے کے ناتے سے رویے اور تعلق کا نام ہے نہ کہ حکومت کے کردار اور رویے کے حوالے سے۔ میں نے اوپر ایک روایت نقل کی ہے جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس تعلق کے لیے نہایت سخت الفاظ استعمال کیے ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: 'ادوا الیھم حقھم و سلوا اللّٰہ حقکم'، یعنی تم اپنا حق اطاعت ادا کرتے رہو اور وہ اپنے فرائض ادا نہ کریں تو اللہ تعالیٰ سے اس کا مطالبہ کرو، یعنی ان فرائض کے پورا نہ کرنے کی وجہ سے ان کی اطاعت ترک نہ کرو۔

اس الجھن کا تیسرا سبب یہ ہے کہ پاکستان میں اس 'الجماعت' کی اصلاح کے لیے، اسلامی تاریخ میں پہلی مرتبہ، جماعت سازی کی گئی اور جماعت سازی کو جو دائرۂ مباحات کی چیز تھی، شرعی بنیاد فراہم کرنے کے لیے انھی روایتوں سے استدلال کیا گیا اور چونکہ یہ روایتیں حکومت ہی سے متعلق تھیں اور ایک 'الجماعت' کے ہوتے ہوئے دوسری 'الجماعت' کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا، اس لیے یہ استدلال اختیار کیا گیا کہ ہماری حکومت عملاً مسلمان نہیں، اس لیے اور بھی جماعتیں 'الجماعت' کے اصول پر بنائی جا سکتی ہیں۔ ہمارے اوپر کے سارے استدلال سے یہ بات واضح ہے کہ حکومت خواہ عملی طور پر مسلمان ہو یا نظری طور پر وہ 'الجماعت' ہے اور ایک 'الجماعت' کے ہوتے ہوئے دوسری 'الجماعت' قائم کرنا ناجائز ہے۔ اسلامی شریعت میں اس مسئلے میں کبھی

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

دورائیں نہیں رہیں۔ امت مسلمہ تو کبھی اس بات کی بھی قائل نہیں رہی کہ وہ الگ الگ ریاستیں بنا کر خطہ ہائے ارضی میں بکھر جائے تو یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک خطۂ ارضی میں ایک سے زائد الجماعت قائم کر لے۔

ہم اوپر یہ عرض کر چکے ہیں کہ جماعت سازی کے لیے ان روایتوں سے استدلال ٹھیک نہیں، اور نہ اس کی ضرورت ہے۔ جماعت سازی دائرۂ مباحات کی چیز ہے اور مباحات کے لیے صرف یہ ثابت کرنا کافی ہوتا ہے کہ وہ دین کے کسی حکم کے خلاف تو نہیں ہیں۔

اس الجھن کی چوتھی وجہ یہ روایت کہ 'وان لا ننازع الامر اهله الا ان تروا کفرا بواحا'[۱۰] بھی ہوسکتی ہے کہ آپ نے اہل اقتدار سے منازعت کی جو اجازت دی ہے، اس سے ذہن اس طرف منتقل ہوسکتا ہے کہ کفر بواح کے بعد کہیں اس حکومت نے الجماعت والی اپنی وہ حیثیت تو نہیں کھودی جس کی وجہ سے وہ اطاعت کی حق دار تھی؟ ہمارے نزدیک اس سوال کا جواب نفی میں ہے اور ہم نے یہ رائے درج ذیل دلائل کی وجہ سے اختیار کی ہے:

۱۔ اس روایت کے الفاظ محض منازعت کی ایک علت کو بیان کر رہے ہیں نہ کہ 'الجماعت' کی حیثیت جماعت کے مجروح ہونے کو۔

۲۔ 'وان لا ننازع الامر اهله الا ان تروا کفرا بواحا' کے الفاظ سے 'منازعت امر' (خروج) کا واجب ہونا تو ہرگز ثابت نہیں ہوتا۔ زیادہ سے زیادہ جو بات کہی جاسکتی ہے وہ یہ ہے کہ ان سے منازعت کے وجوہ جواز میں سے ایک وجہ کفر بواح بھی ہے۔ واجب نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس منازعت سے گریز بھی کیا جاسکتا ہے، بلکہ اگر دوسری شرائط پوری نہ ہو رہی ہوں تو اس منازعت سے گریز ہی دین کا منشا ہے۔ چنانچہ اگر کفر بواح کے بعد منازعت سے گریز کیا جاسکتا اور بعض حالات میں گریز ہی دین کا منشا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس حکومت کو کفر بواح کے بعد بھی مطاع مانا گیا ہے۔ اور وہ اب بھی 'الجماعت' ہے۔

۱۰؎ بخاری کتاب الفتن۔ ''یہ کہ ہم اولوالامر سے حکومت کے معاملے میں نزاع نہ کریں، سوائے اس کے کہ صریح کفر کا ارتکاب ان کی طرف سے نہ دیکھ لیں۔''

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

۳۔ کفر بواح کے بعد حکومت اگر اپنی حیثیت الجماعت سے محروم ہوتی تو کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ نہ فرماتے کہ تم ان سے منازعت کر سکتے ہو، اس صورت میں آپ کا فرمان کچھ یوں ہونا چاہیے تھا کہ تم اب نئی حکومت قائم کرو، کیونکہ اب یہ حکومت، حکومت ہی نہیں رہی۔ اس سے منازعت کی اجازت دینا اس بات کی دلیل ہے کہ اس کی حیثیت الجماعت کو مانا جا رہا ہے۔

۴۔ یہ رائے اختیار کرنا بعض صریح نصوص کی خلاف ورزی ہے۔ آپ کا فرمان ہے: 'من اتاکم وامرکم جمیع علی رجل واحد یرید ان یشق عصاکم او یفرق جماعتکم فاقتلوہ'۔ (مسلم، کتاب الامارہ) اس میں کسی حکومت کے الجماعت ہونے کی اصل شرط مسلمانوں کا اس کی حکومت پر اجتماع ہے نہ کہ حکومت کا صالح ہونا۔

حکومت پاکستان کو الجماعت قرار دینے کے پیچھے میرا استدلال یہ تھا۔ میں توقع رکھتا ہوں کہ اگر کہیں میرا استدلال کمزور رہا، وہاں آپ میری اصلاح ضرور فرمائیں گے۔

احقر

ساجد حمید

شعبۂ تصنیف وتالیف المورد

[۱۹۹۵ء]

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

'الجماعۃ' کے معنی

۱۵اپریل ۱۹۹۶

محترمی ومکرمی محمد انور صاحب عباسی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

امید ہے مزاج گرامی بخیر ہوں گے۔

آپ نے اس خط میں میری کچھ باتوں پر تبصرہ کر کے یہ فرمایا ہے کہ: ''اس پر آپ کا جواب مقصود نہیں ہے، بلکہ محض آپ کے غور وفکر کے لیے ہے۔'' میں بھی ان تبصروں پر تبصرہ نہیں کروں گا، اس لیے کہ ہمارے مابین اصل اختلاف جس بات پر ہے، اگر وہ اختلاف دور ہو جائے تو یہ تبصرے خود بخود کالعدم ہو جائیں گے۔ اس لیے ہم ان ہی اعتراضات پر توجہ مرکوز کرتے ہیں، جو اصل موضوع سے متعلق ہیں۔

آپ نے پہلا اعتراض اپنے خط کے دوسرے صفحے کے آخر پر ان الفاظ میں کیا ہے:

> ''آپ نے جنوری کے شمارہ ''اشراق'' (ص۲۱) میں لکھا ہے کہ دور اول میں ان روایتوں کے مدعا کی تعین میں اختلاف نہیں تھا۔ صحابہ رضوان اللہ علیہم ان کے اس مفہوم پر مجتمع تھے کہ 'الجماعة' سے مسلمانوں کا نظم اجتماعی یعنی ریاست وحکومت مراد ہے۔

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

مجھے حیرت ہے کہ آپ نے بغیر دلیل کے صحابہ کے اجماع کا دعویٰ کیسے کر دیا۔ براہ کرم اپنے اس دعویٰ کے ثبوت میں نقلی دلائل فراہم کریں کہ صحابۂ کرام اس مفہوم پر مجتمع تھے۔''

میں نے اپنے اس دعویٰ کے ثبوت کے لیے اس مضمون میں کچھ حوالے جمع کر دیے تھے۔ اس لیے اب یہ محض دعویٰ نہیں رہا، البتہ ان حوالوں میں اگر آپ کسی غلطی یا ثبوت دعویٰ کے لیے ان میں کسی کمی کی نشان دہی کریں تو یہ مجھ پر عنایت ہوگی۔ دوسرے یہ کہ اس دعویٰ کا آپ نے انکار کیا ہے تو وہ کن دلائل پر ہے؟ مجھے اپنی بات چھوڑ کر آپ کی رائے کے اختیار کرنے کے لیے ان حوالوں کی ضرورت ہوگی۔ جس سے معلوم ہو سکے کہ صحابہ کی یہ رائے نہیں تھی۔

دوسرا اعتراض آپ نے یہ کیا ہے کہ:

''اسی صفحے پر آپ ابن حجر کے حوالے سے خود یہ شہادت فراہم کرتے ہیں کہ 'الجماعة' کے معنی کے تعین میں اختلاف کیا گیا ہے۔ ایک جماعت کے نزدیک اس کے معنی سواد اعظم کے ہیں۔ دوسرے کے نزدیک اس کے معنی جماعت صحابہ کے ہیں۔ تیسرے گروہ کی رائے یہ ہے کہ یہ اہل علم کی جماعت ہے۔ اس شہادت کے مطابق اول تو اس کے معنی پر کبھی اجماع نہیں رہا۔ چہ جائیکہ صحابۂ کرام کا اجماع اور پھر امت میں تین ہی مفاہیم کا ذکر ملتا ہے۔ اس میں آپ کے مفہوم یعنی 'الجماعة' بمعنی ریاست وحکومت کا تو سرے سے ذکر ہی نہیں، اجماع تو دور کی بات ہے۔ میں تو سمجھتا ہوں کہ آپ کی فراہم کردہ شہادت آپ کے دعویٰ کی نفی کر رہی ہے۔''

آپ کا یہ اعتراض بھی تین اعتبارات سے درست نہیں ہے:

ایک یہ کہ آپ نے اس بات پر غور نہیں کیا کہ یہ آرا صحابہ میں سے کسی کی نہیں ہیں کہ ان سے اجماع صحابہ کی نفی ہوتی ہو۔ اجماع صحابہ کی نفی کے لیے آپ کو صحابہ میں سے کسی کی رائے پیش کرنی ہوگی۔

دوسرے یہ کہ آپ نے ہماری رائے کے ایک جز کو اصل معنی قرار دے دیا ہے۔ حالانکہ ہماری رائے میں 'الجماعة' سے مراد محض حکومت نہیں ہے، بلکہ وہ جماعت مراد ہے جس میں حکومت قائم ہو۔ اسی مضمون میں 'الجماعة' کے معنی کی فصل کے تحت ہم نے 'الجماعة' کے معنی ان الفاظ

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

میں بیان کیے تھے:

''اس لفظ کا اطلاق کسی ایسی جماعت ہی پر کیا جا سکتا ہے، جو کسی سرزمین میں سیاسی طور پر خودمختار قوم کی حیثیت سے رہتی ہو اور اس میں نظم امارت بھی قائم ہو۔ اس لیے سیاسی اقتدار سے محروم کسی دینی جماعت یا تنظیم پر اس لفظ کا اطلاق قطعاً صحیح نہیں ہے۔''

(اشراق، جنوری ۱۹۹۵، ۲۴)

اس اقتباس سے واضح ہے کہ میں نے مجرد حکومت وریاست کو 'الجماعة' قرار نہیں دیا، بلکہ مسلمانوں کے اس گروہ کو 'الجماعة' قرار دیا ہے، جس میں حکومت قائم ہو۔ اس میں خط کشیدہ الفاظ ہماری رائے کی طرف آپ کی رہنمائی کریں گے۔ ہاں اقتدار اس کا لاینفک اور غالب جز ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے 'الجماعة' کو علی سبیل التغلیب کبھی کبھی محض سلطان (اقتدار) کے لفظ سے بھی بیان کیا ہے۔ اور اس کے اسی اغلب پہلو کی وجہ سے اولوالامر یا امیر وغیرہ کے الفاظ بھی اس موضوع کی روایات میں دیکھنے کو ملتے ہیں۔

اسی لیے ہم نے اسے جدید سیاسیات کی اصطلاح ''ریاست'' کے ہم معنی قرار دیا تھا۔ اس لیے کہ ریاست کی تعریف کی رو سے اس میں درج ذیل چیزیں شامل ہوتی ہیں:

۱۔ سرزمین (جہاں قوم آباد ہو)،

۲۔ قوم (رعایا) اور

۳۔ حکمران۔

ریاست ان تینوں اجزا کے بغیر مکمل نہیں ہوتی۔ 'الجماعة' اور ریاست میں اس اعتبار سے کوئی فرق نہیں ہے، اگر کوئی فرق ہے تو وہ صرف 'جماعة المسلمین' ہونے کی وجہ سے ہے۔ یعنی یہاں رعایا اور حکمران کے ساتھ مسلمان کی صفت بھی لگی ہوئی ہے، اس اعتبار سے 'جماعة المسلمین' بھی انھی تین اجزا پر مشتمل ہوگی:

۱۔ سرزمین،

۲۔ (مسلمان) قوم اور

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

۳۔(مسلمان) حکمران۔

یہ'الجماعة' ہے،لیکن اس کا التزام اس وقت مسلمانوں پر لازم ہوگا جب تک ان کا حکمران کفر بواح کا مرتکب نہ ہو۔ جواس سے پہلے حکمران کی اطاعت کو ترک کرے گا، وہ مفارقت جماعت کا مجرم ہوگا۔اس اعتبار سے آپ کو ہماری رائے کی اسلاف کے ہاں تائید کی تلاش میں ناکامی نہیں ہوگی۔

تیسرے یہ کہ اسلام کے ہاں ہماری رائے کا سرے سے ذکر ہی نہیں، یہ بات بھی غلط ہے۔ صحابۂ کرام کے ہاں لفظ'الجماعة' کا استعمال ان کی رائے کی طرف رہنمائی کرتا ہے،جس کے حوالے میں اپنے مضمون میں دے چکا ہوں۔البتہ اسلاف میں سے جن لوگوں نے'الجماعة' کی تعریف کرنے یا اس کی توضیح کرنے کی کوشش کی ہے، ان میں سے چند ایک حوالے آپ کی تسلی کے لیے میں عرض کیے دیتا ہوں۔ابن حجر نے ''فتح الباری'' میں طبری کی رائے یوں نقل کی ہے:

والصواب أن المراد من الخبر لزوم الجماعة الذين في طاعة من اجتمعوا على تأميره، فمن نكث بيعته خرج عن الجماعة. (۱۳/۳۷)

''اس معاملے میں صحیح رائے یہ ہے کہ اس روایت سے مراد ان لوگوں کی جماعت کا التزام ہے، جو اس شخص کی اطاعت پر ہوں جس کی امامت پر وہ مجتمع ہوں۔تو جس نے اس (مجمع علیہ امیر کی اطاعت کی) بیعت کو توڑا، وہ الجماعۃ سے نکل گیا۔''

خود ''فتح الباری'' کے مصنف نے مفارقت جماعت کے معنی'كناية عن معصية السلطان و محاربته' کہ مفارقت جماعت سلطان وقت کی معصیت اوراس کے خلاف اعلان جنگ سے کنایہ ہے[1]۔اب اس رائے کے مطابق سلطان کے لفظ کا اطلاق جماعت اسلامی، تبلیغی جماعت، جماعۃ المسلمین پر ہوگا یا کسی سلطنت پر؟

اپنی یہ رائے بیان کرنے کے بعد تائیدی اسلوب میں ابن حجر نے ابن ابی جمرہ کی رائے بھی نقل کی ہے:

---

[1] ۱۳/۷۔

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

المراد بالمفارقة السعی فی حل عقد البیعة التی حصلت لذلك الامیر ولو بأدنی شیء فکنی عنها بمقدار الشبر، لان الاخذ فی ذلك یؤول الی سفك الدماء بغیر حق. (۷/۱۳)

''مفارقت سے مراد امیر کے ہاتھ پر کی گئی بیعت کی تحلیل ہے خواہ یہ سعی کسی ادنیٰ سے ادنیٰ چیز کے ذریعے سے کی گئی ہو، جس کو یہاں مقدار شبر سے کنایہ کیا گیا ہے۔ اس لیے کہ اس سعی میں لگنا، ناحق خوں ریزی کا موجب ہوسکتا ہے۔''

اب مجھے بتائیے کہ مفارقت سے خوں ریزی کب ہوگی؟ کیا جماعت اسلامی، جماعۃ المسلمین، تبلیغی جماعت یا مرکز الدعوۃ کے امیر کی اطاعت کے ترک پر یا سلطنت کے خلاف بغاوت سے؟

آ گے دیکھیے، ابن حجر انھی روایتوں کی توضیح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

قد اجمع الفقهاء علی وجوب طاعة السلطان المتغلب والجهاد معه وان طاعته خیر من الخروج علیه لما فی ذلك من حقن الدماء وتسکین الدهماء وحجتهم هذا الخبر وغیره مما یساعده ولم یستثنوا من ذلك الا اذا وقع من السلطان الکفر الصریح. (۷/۱۳)

''فقہا نے سلطان متغلب کی اطاعت کے وجوب پر اور اس کے ساتھ مل کر جہاد کرنے پر اجماع کیا ہے، اس لیے کہ اس میں خوں ریزی کا امکان ہے۔ ان کی دلیل یہی روایت اور اس کی تائید میں وارد دوسری روایتیں ہیں اور انھوں نے اس میں کوئی استثنا نہیں رکھا سوائے اس کے کہ سلطان سے صریح کفر صادر ہوا ہو۔''

اب بھی شاید آپ یہی فرمائیں کہ فقہا کا یہ اجماع ابن حجر کا محض دعویٰ ہے۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ امت کا ایک گروہ اس بات پر مجتمع رہا ہے کہ 'الجماعة' سے مراد ریاست وحکومت (مذکورہ وسیع معنی میں) ہی ہے۔ یہاں یہ بات بھی واضح رہے کہ فقہا کا یہ اجماع صحابہ کے دور کا نہیں ہے، اس دور کا ہے جب خلافت ملوکیت میں بدل چکی تھی، بلکہ وہ دور بھی اس میں شامل ہے، جب اسلامی سلطنت دو حصوں میں تقسیم ہو چکی تھی۔

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

اس کے بعد آپ نے ایک اعتراض یہ کیا ہے کہ:

''الجماعة' کے سلسلے میں جتنی روایتیں نظر سے گزری ہیں، ان سے متبادر ہوتا ہے کہ یہ کوئی ایک ہی جماعت ہوسکتی ہے۔ جیسے: 'الا واحدة وھی الجماعة' سے بہت سی جماعتیں ثابت نہیں ہوسکتیں، جبکہ اس وقت اور اسلامی تاریخ کے اکثر ادوار میں بیک وقت بہت سی حکومتیں موجود رہی ہیں اور موجود رہیں گی۔ ان کی موجودگی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان: 'الا واحدة وھی الجماعة' کا اطلاق بہت سی حکومتوں پر کس طرح درست ہوسکتا ہے۔ یا ہم یہ تسلیم کریں کہ بیک وقت بہت سی جماعتوں کا 'الجماعة' کا مفہوم ریاست و حکومت نہیں ہے۔ ایک الجماعت کہہ کر نصف صدی سے زائد الجماعتیں مراد لینا تاویل کا زبردست اور لاثانی مظاہرہ ہے۔''

میں اس اعتراض کا جواب دیتے ہوئے اس پر کوئی تبصرہ نہیں کروں گا کہ آپ کا یہ اعتراض آپ کی ان ہم فکر جماعتوں پر بھی ہوتا ہے، جنھوں نے صالحین جمع کر کے دسوں فرقوں کو وجود بخشا ہے۔ کہیں تنظیم اسلامی ہے، کہیں مرکز الدعوة ہے اور کہیں جماعة المسلمین ہے اور سب اپنی اپنی جماعت کو 'الجماعة' سمجھتے ہیں تو بتائیے اگر 'واحدة' کا مطلب ایک ہی جماعت ہے تو ان جماعتوں کے وجود کا کیا معنی؟

اب اس شرح کی طرف آیئے جو آپ نے ظاہر حدیث کے عنوان سے کی ہے۔ یہ ایک نادر تشریح ہے۔ ظاہر حدیث کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ آدمی حدیث کے جملوں کی ترکیب ہی کا خیال نہ کرے اور اس سے بالاتر ہو کر جو تشریح جی میں آئے کر ڈالے اور کہے کہ یہ ظاہر حدیث ہے۔ ظاہر حدیث میں جملے کا سادہ، مگر صحیح مفہوم تو کم از کم متعین ہونا چاہیے۔ اس شرح میں، آپ نے لفظ 'واحدة' کا جملے میں صحیح محل متعین نہیں کیا۔

میں اپنی بات کو ایک مثال سے سمجھاتا ہوں۔ اگر کوئی حکیم صاحب اپنے کسی مریض سے فرمائیں کہ تم کوئی چیز نہیں کھا سکتے سوائے ایک کے اور وہ مچھلی ہے۔ اس جملے میں بھی ایک سے مراد ایک مچھلی نہیں، بلکہ ہر مچھلی ہے، خواہ وہ سمندر میں پائی جاتی ہو یا دریا میں اور بحر ہند کی ہو یا

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org
"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

بحیرۂ عرب کی۔ یعنی اس 'ایک' کا مطلب 'ایک' نہیں، بلکہ 'صرف' ہے۔ چنانچہ ساری دنیا کی مچھلیاں اس 'ایک' کے تحت آئیں گی۔ زیر بحث جملہ بھی اصل میں ایسا ہی ہے کہ کوئی فرقہ کامیاب نہیں ہوگا، سوائے ایک کے اور وہ 'الجماعة' ہے۔

یہ اصل میں کسی فرقے کا نام نہیں لیا گیا، بلکہ اس کی صفت کی نشان دہی کی گئی ہے کہ جس فرقے میں التزام جماعت پر عمل پایا جائے گا، وہ کامیاب ہوگا۔ خواہ وہ عراق ومصر میں ہو یا پاک و ہند میں، وہ اس ایک میں شامل ہے۔ ان کا علاقائی تعدد ان کی تعداد میں اضافہ نہیں کرتا۔

میری مراد یہ ہے کہ اگر ہندوستان اور پاکستان میں بسنے والے بریلوی حضرات اپنی فکری ہم آہنگی کی بنا پر ایک فرقہ شمار ہو سکتے ہیں تو ممالک اسلامیہ میں بکھری ہوئی یہ جماعتیں ایک جماعت کیوں نہیں کہلا سکتیں؟

دوسری بات یہ ہے کہ یہ روایت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے فوری بعد کے دور سے متعلق ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح کی جتنی پیشین گوئیاں کی ہیں، جن کا تعلق علامات قیامت سے نہیں ہے، وہ آپ ہی کے زمانے کے بعد سے متعلق ہیں، اس لیے کہ ان پیشین گوئیوں کی حیثیت دلیل نبوت کی بھی ہے۔ اس لیے کہ روایت کا ایک خاص موقع ومحل ہے۔

تیسرے یہ کہ یہاں فرقے کا لفظ سیاسی انتشار پیدا کرنے والے گروہوں کے لیے ہے نہ کہ مختلف حکومتوں کے لیے، عراق وایران اور مصر وشام کی حکومتوں کے لیے فرقے کا لفظ نہ بولا گیا ہے اور نہ بولا جا سکتا ہے۔

اگلا اعتراض آپ نے یہ کیا ہے کہ التزام جماعت کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کا منشا یہ معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کو ہر حال میں 'الجماعة' سے وابستہ رہنا ہے، دوسرے الفاظ میں 'الجماعة' سے نزاع ہی ممکن نہیں ہے، جبکہ حضور نے اولوالامر سے نزاع کی اجازت دی ہے، اس لیے اگر جماعت اور اولوالامر ایک چیز ہوتے تو 'الجماعة' سے بھی نزاع وخروج کی اجازت ہوتی۔

مجھے افسوس ہے کہ آپ نے یہ اعتراض میرا مضمون پڑھے بغیر کر ڈالا ہے۔ میں نے اپنے

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

مضمون میں اولوالامر کو کہیں بھی 'الجماعة' قرار نہیں دیا، بلکہ ان کی اطاعت کو التزام جماعت کے تقاضوں کے تحت بیان کیا ہے، جس کا واضح مطلب یہ ہے کہ میں ان دونوں کو الگ الگ حیثیت دے رہا ہوں۔ ''اشراق'' کے اس شمارے پر ایک مرتبہ پھر نگاہ ڈال لیجیے کہ ہم نے اولوالامر کو اس مضمون میں کس حیثیت سے بیان کیا ہے:

''حکمران کی اطاعت کا حکم التزام جماعت کا لازمی تقاضا ہے، کیونکہ جس حکومت کو ہم نے خود قائم کیا ہو اور اس کے ساتھ التزام بھی ہم پر لازم ہو تو اس کے حکمران کی اطاعت اس کا خود بخود تقاضا بن جاتی ہے۔'' (جنوری ۱۹۹۵، ۲۸۔۲۹)

والسلام

ساجد حمید

[۱۹۹۷ء]

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

بائیبل کا خدا کون

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

یہ صدی مذاہب عالم کے لیے ایک چیلنج بن رہی ہے۔ اگرچہ اس کے اختتام پر مذہب کے لیے ایک پر امید فضا پیدا ہوئی ہے۔ مگر اب اہل مذہب میں بے پناہ خرابیاں پیدا ہو چکی ہیں۔ چنانچہ صورت حال یہ نظر آ رہی ہے کہ آیندہ صدی ہر مذہب کو قبول کرنے کو تیار ہو گی، مگر اہل مذہب کا کوئی فرد اس قابل نہیں ہو گا کہ لوگ اس کی طرف مذہب کے لیے رجوع کریں۔

کسی بھی مذہب کی دعوت کے لیے اس سے بڑی رکاوٹ کیا ہو سکتی ہے کہ اس کو ماننے والے صحیح طور پر اس پر کاربند نہ رہیں۔ آج دوسرے مذاہب کی طرح اہل اسلام کی بھی یہی حالت ہے۔ انھیں خبر نہیں کہ ان کا مذہب کیا ہے۔ اب ان کے ذہنوں میں بھی مذہب وہی دیو مالائی فلسفہ ہے، جس میں کچھ دیوتا ہوتے ہیں اور کچھ دیویاں۔ ان کے ساتھ لگاؤ اصل مذہب سمجھا جاتا ہے اور ان سے بیر، ارتداد کہلاتا ہے۔ ان دیویوں اور دیوتاؤں کے ساتھ ان کا یہ لگاؤ اندھا ہوتا ہے، جس کے پیچھے کوئی استدلال نہیں ہوتا۔ پھر یہی لگاؤ انھیں ان چیزوں سے بھی ہوتا ہے، جو ان ہستیوں سے منسوب ہوتی ہیں۔ یہ لگاؤ بھی اندھا بہرا ہوتا ہے، جس کے پیچھے کوئی منطق نہیں ہوتی۔ وہ ان چیزوں کے چومنے اور چاٹنے ہی کو عقیدت و احترام سمجھتے ہیں۔ یہی ان کا مذہب ہوتا ہے اور یہی ان کا عقیدہ۔ اگر کسی نے ان کے بارے میں ذرا سا بھی مختلف رویہ اختیار کیا تو وہ اس کے خلاف

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

توپ تفنگ لے کر نکل کھڑے ہوتے ہیں۔

چنانچہ آج مسلمان اسلام سے متعلق چیزوں اور ہستیوں کے ساتھ چومنے اور چاٹنے کے تعلق ہی کو حقیقی تعلق خیال کرتے ہیں، حالانکہ ان کی چومنے اور چاٹنے کی یہ تعظیم خود ساختہ ہے، حقیقی نہیں ہے۔ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم مبارک سن کر بوسہ تو دے لیں گے، مگر اپنی زندگی میں بے شمار موقعوں پر عمل کرتے ہوئے، جب آپ کا کوئی حکم آئے گا تو اسے رد کر دیں گے۔ اس وقت کوئی گولی وہ اپنے خلاف نہیں چلاتے۔ کوئی توپ تفنگ ان کی اس توہین پر ان کے خلاف نہیں چلتی۔ صبح سے لے کر شام تک اور شام سے لے کر صبح تک، سیکڑوں مرتبہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کی ایسی ایسی توہین کر جائیں گے کہ قلب و روح سیاہ ہو جائیں، مگر اس وقت انھیں کوئی پشیمانی نہیں ہوتی۔ ان کے کان پر جوں تک نہیں رینگتی۔ لیکن ذرا کسی نے خبر کر دی کہ فلاں شخص نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور گستاخی کر دی ہے تو آستینیں چڑھ جائیں گی، محلّہ اکٹھا ہو جائے گا اور ایک کہرام بپا ہو جائے گا۔ اس سارے فساد میں دین کو ایک مرتبہ پھر فراموش کر دیا جائے گا۔

یہی حالت ان کی قرآن مجید کے ساتھ بھی ہے۔ اس کو معطر جزدانوں میں رکھا جائے گا، بلند طاقوں میں رکھ کر اس کی تکریم کی جائے گی اور اگر پڑھنے کی کبھی توفیق ملے تو کچھ پڑھ بھی لیا جائے گا۔ لیکن اس کے احکام کسی کو آمادۂ عمل نہیں کرتے۔ کوئی اسے اپنی زندگی کا دستور نہیں بناتا۔ اس اعتبار سے صبح و شام اس کی توہین ہوتی ہے، مگر اس وقت کسی کی غیرت جوش میں نہیں آتی۔ کسی کے اندر اس کی حمیت نہیں جاگتی۔ کوئی اپنی اس توہین پر محلّہ اکٹھا نہیں کرتا۔ اس لیے کہ اس حقیقی عقیدت کی جگہ اس بناوٹی عقیدت نے لے لی ہے۔ اس حقیقی غیرت کی جگہ غلط غیرت وجود میں آ چکی ہے۔

اس غلط روش نے مذہب، بالخصوص اسلام کو اس صدی کی سنگین ترین جنگ سے دوچار کر دیا ہے۔ اسے نہ یونان قدیم کا فلسفہ چت کر سکا اور نہ زمانۂ جدید کا الحاد اس کا بال بیکا کر سکا، نہ کمیونزم اس کا کچھ بگاڑ سکا اور نہ سیکولرازم اس کے مبارک جسم پر کوئی چرکا لگا سکا۔ لیکن مسلمانوں کا یہ طرز عمل اس کے جسم پر ایسے گھاؤ کر رہا ہے کہ جن کے مندمل ہونے میں شاید صدیاں بیت جائیں۔

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

یہ جنگ سب سے زیادہ خطرناک ہے۔اس نے دعوت اسلام کے تمام دروازے غیر مسلموں پر تو کیا، ان جدید پڑھے لکھے مسلمانوں پر بھی بند کر دیے ہیں، جو ہر چیز کو اب ایک نئی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔

اسلام تمام مذاہب عالم کے مقابلے میں سب سے زیادہ یقینیات پر مبنی ہے، مگر اہل اسلام نے اسے توہمات پر مبنی کر دیا ہے۔اس کا دامن سب سے زیادہ وسیع ہے، مگر اہل اسلام نے اسے سب سے زیادہ تنگ نظر بنا دیا ہے۔ وہ سب سے زیادہ عقلیات پر چلتا ہے، مگر اہل اسلام نے اسے تقدسات پر مبنی کر دیا ہے۔ اختلاف فہم دین کے باب میں رحمت تھا، مگر اب تفرقہ کی صورت میں عذاب الٰہی بن چکا ہے۔ دوسری امتوں کا وجود اہل اسلام کے لیے دعوت کے مواقع فراہم کرتا تھا، مگر اب ان کی غنڈہ گردی کے شوق کی تسکین کا ذریعہ ہے۔

یہ سب وہ زخم ہیں جو اس صدی کے اختتام پر اسلام کے چہرے پر لگے ہیں۔ دکھ کی بات یہ ہے کہ یہ سب زخم خود مسلمانوں نے لگائے ہیں۔

اسی طرح کا ایک زخم اسلام کے مبارک چہرے پر مسلمانوں نے اس وقت لگایا، جب وہ عیسائیوں کی ایک بستی میں ''داد شجاعت'' دیتے ہوئے داخل ہوئے۔ اس کی روداد پڑھ کر مجھے دور جاہلیت میں عربوں کی وہ غارت گریاں یاد آئیں، جن میں وہ کمزور قبائل پر حملہ آور ہوتے اور قتل و غارت کے بعد ان کی املاک تباہ کر دیتے، ان کے اموال اور عورتوں کو اپنے ساتھ لے جاتے تھے۔ مجھے ایک ایک چہرے میں وہی ''شقاوت'' نظر آئی جو اسلام سے پہلے دور جاہلیت کے عرب بدووں میں تھی۔ جو ابھی اسلام میں داخل نہیں ہوئے تھے۔ پھر مجھے خیال ہوا کہ یہ دور جاہلیت ہے، یہ لوگ ابھی دائرۂ اسلام میں داخل نہیں ہوئے۔

جب اخبار و جرائد میں جلی ہوئی بائیبل کے ڈھیر دیکھے تو مجھے ہسپانیہ کے صلیبی یاد آئے۔ جنھوں نے قرآن کے نسخے ڈھونڈ ڈھونڈ کر جلائے تھے۔ وہ جس خدا کے دین کی غیرت میں نکلے تھے اسی خدا کی آخری کتاب کو نذر آتش کر رہے تھے۔ ادھر یہ مسلمان بھی خدا کی آخری کتاب کے

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

دفاع میں نکلے تھے، مگر اسی خدا کی پہلی کتابوں کو آگ لگانے کا جرم کر رہے تھے۔ مجھے خیال ہوا کہ شاید یہ مسلمان نہیں، صلیبی ہیں۔

بائیبل تورات، زبور اور اناجیل کا مجموعہ ہے۔ یہ رب العالمین کی طرف سے تین دیانتوں کا مظہر ہے۔ اس میں حضرت آدم سے لے کر حضرت عیسیٰ تک انبیا علیہم السلام کا ذکر ہے۔ ان کی سیرتوں کا ماخذ ہے۔ یہی بائیبل ہے جس نے نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کی خبر دی تھی۔ یہ زمانی اعتبار سے، قرآن سے پہلے ہے اور قرآن اس کے بعد ہے۔ یہ بھی اسی خدا کا کلام ہے، جس کا کلام قرآن ہے۔ اسے بھی وہی روح القدس لے کر آئے، جو قرآن کو لے کر آئے تھے۔ اس پر ایمان بھی اسی طرح لازم ہے، جس طرح قرآن پر۔ بائیبل کی توہین کرنا ایسا ہی جرم ہے جیسے اگر کوئی عیسائی اللہ کو، نعوذ باللہ، گالی دے تو اس کے جواب میں، ہم عیسائیوں کے خدا کو گالی دینے لگیں اور یہ بھول جائیں کہ دونوں کا خدا ایک ہے۔

چنانچہ آج بائیبل مسلمانوں سے سوال کر رہی ہے کہ جس کتاب کو ماننا تمھارے ایمان کا حصہ ہے، اسے کیوں جلاتے ہو؟ وہ یہ سوال کر رہی ہے کہ آیا بائیبل کا خدا مر چکا ہے کہ تم نے اس کی توہین کر ڈالی؟ بائیبل یہ پوچھتی ہے کہ قرآن کے ماننے والو، اس کتاب کو کیوں جلاتے ہو، جس نے تمھاری کتاب کی آمد کی پیش گوئی کی تھی۔ اس کتاب کو کیوں جلاتے ہو، جو قرآن کی صداقت کی دلیلوں میں سے ایک دلیل ہے۔ وہ پوچھتی ہے کہ تم نے مجھے جلاتے وقت قرآن کی ان آیتوں کا کفر کیوں کیا، جن میں میرا ذکر ہے۔ وہ پوچھتی ہے کہ کل قیامت کے دن کیا جواب دو گے، جب میں خدا کے حضور میں اپنا مقدمہ دائر کروں گی۔

یہ مقدمہ تو قیامت کے دن پیش ہو گا ہی۔ اس وقت ایک اور مقدمہ خود اسلام دائر کر رہا ہے کہ میرے جسم پر یہ گھاؤ کس نے لگائے ہیں۔ کس نے میرے روشن چہرے کو بے نور کیا ہے۔ کس نے اے مسلمانو، تم سے کہا تھا کہ تورات و انجیل کو جلا دو۔ تمھیں کس نے کہا تھا کہ غارت گری کرو۔ تم نے عیسائیوں کے جتنے گھر ڈھائے ہیں، اتنے گھاؤ میرے جسم پر ہیں۔ تم نے تورات و انجیل کو

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

آگ لگائی ہے تو میرے قرآن کی ان آیتوں سے دھواں اٹھ رہا، جن میں ان کا ذکر ہے۔ وہ میری صداقتوں کی دلیل ہے۔تم میرے جسم کا ایک حصہ کاٹ رہے ہو۔

تم کہتے ہو، تم نے میرا دفاع کیا ہے۔تم جھوٹے ہو۔ میں نے تمھیں کبھی ایسے دفاع کے لیے نہیں کہا۔ یہ میرا دفاع نہیں میری توہین ہے۔تم نے میری کسی بات کی پاس داری نہیں کی۔

بتاؤ، میں نے تمھیں یہ نہیں کہا تھا کہ جب کوئی تمھارے پاس اہم خبر لے کر آئے تو اس قوم پر پل پڑنے سے پہلے اس خبر کی تحقیق کر لیا کرو، تاکہ بعد میں شرمندگی نہ اٹھانی پڑے۔

بتاؤ، تم نے عیسائیوں پر حملہ کرنے سے پہلے اس خبر کی تحقیق کی؟ تم نے یہ تحقیق کی کہ قرآن کا وہ نسخہ فی الواقع پھاڑا گیا تھا؟ تم نے یہ تحقیق کی کہ اسے ایک عیسائی نے پھاڑا تھا یا پوری بستی نے مل کے پھاڑا تھا؟ تم نے یہ تحقیق کی کہ قرآن کا وہ پھٹا ہوا حصہ کہاں سے آیا تھا؟ کسی عیسائی نے پھاڑا تھا یا کسی شرانگیز کی شرارت تھی۔ بتاؤ تم نے میری اس تعلیم پر عمل کیا؟ تم میری اسی تعلیم پر عمل کر لیتے تو تم تورات، زبور اور انجیل کی توہین کے مرتکب نہ ہوتے۔ کتاب الٰہی کی توہین کا یہ جرم اب تمھارے سر بھی ہے۔

بتاؤ، میں نے تمھیں یہ نہیں کہا تھا کہ کسی کے ساتھ ظلم نہ کرنا۔ اور یہ نہیں کہا تھا کہ کسی کی دشمنی بھی تمھیں انصاف سے نہ روکے۔

اب بتاؤ کہ ثبوت جرم کے بغیر تم نے ان کی املاک تباہ کیں تو یہ انصاف ہے؟ اصل مجرم کو سزا دینے کے بجائے پوری بستی کو اجاڑ دینا کیا انصاف ہے؟ بتاؤ، کیا تم نے مجرم ہی کو سزا دی ہے؟ بتاؤ، بائیبل کا کیا قصور تھا؟ کیا اس نے قرآن کو پھاڑا تھا؟ بولو، تم نے انصاف کیا؟ اگر تم میری اسی تعلیم پر عمل کر لیتے تو تم ظالم قرار نہ پاتے۔

بتاؤ، میں نے تمھیں یہ نہیں کہا تھا کہ بتوں کو گالی مت دینا۔ دوسرے ادیان کی تحقیر نہ کرنا، ورنہ وہ تمھارے خدا اور دین کی توہین کریں گے۔

اب بتاؤ، کیا انجیل وتورات بتوں سے بھی بری ہیں کہ تم نے انھیں جلا ڈالا؟ بتاؤ، کیا اگر وہ اس کے جواب میں تمھارے قرآن کو جلا دیتے تو؟ تو پھر قرآن کو جلانے کے مجرم تم ہوتے۔

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

بتاؤ، کیا یہ سب کچھ میں نے تمھیں نہیں کہا تھا؟ تم نے میری کون سی بات مانی ہے؟ تم نے مجھے پوری دنیا کے سامنے رسوا کیا ہے۔ لوگ کیا کہیں گے کہ اسلام نے اپنے ماننے والوں کی کیسی بری تربیت کی ہے۔

سنو، کل قیامت کے دن میرے ایک ہاتھ میں تورات و انجیل ہوں گی اور دوسرے ہاتھ میں عیسائیوں کی املاک۔ تب میں قرآن کی آیات سے تمھارے خلاف مقدمہ قائم کروں گا اور اپنی مصدق کتابوں کی توہین کا بدلہ لوں گا۔

میں کہوں گا کہ مجھے مسلمانوں کی جھوٹی عقیدت سے کچھ نہیں لینا۔ انھوں نے میری تعلیمات کا خون کیا ہے۔ میری توہین کی ہے۔ یہ ہسپانیہ کے صلیبی ہیں۔ دور جاہلیت کے غارت گر ہیں۔ ان کا اسلام سے کوئی واسطہ نہیں۔ یہ چنگیز اور ہلاکو ہیں۔ یہ غارت گر دین وملت ہیں۔ نعوذ باللّٰہ من ذلک۔

[۱۹۹۷ء]

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

حدیث و سنت

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

دین آسان ہے

عن ابی هريرة عن النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم، قال: ان الدين يسر ولن يشاد الدين احد الا غلبه. فسددوا، وقاربوا، وابشروا. واستعينوا بالغدوة والروحة وشیء من الدلجة.

(بخاری، کتاب الایمان)

ابوہریرہ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دین آسان ہے، لیکن جو اس میں سختی برتے گا، دین اسے پچھاڑ دے گا۔ اس لیے تمھیں چاہیے کہ سیدھی راہ پر چلو، میانہ روی اختیار کرو۔ لوگوں کو انعام کی نوید بھی دو اور صبح وشام اور رات کے خوش گوار وقتوں میں اللہ کی بندگی بجالایا کرو۔

شرح حدیث

یشاد الدین: دین میں سختی برتنا۔ یعنی اس پر عمل کرتے ہوئے اپنی طاقت سے تجاوز کر جانا۔

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

سددوا: اس سے مراد راہ راست کو اختیار کرنا ہے۔ سیدھی راہ سے مراد، ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ ہے۔

قاربوا: افراط وتفریط سے بچ کر میانہ روی اختیار کرو۔

واستعینوا بالغدوۃ والروحۃ وشیء من الدلجۃ: مراد یہ ہے کہ ان خوش گوار وقتوں سے اللہ کے ہاں قرب حاصل کرنے کے لیے مدد لو۔ 'غدوۃ' سحری سے لے کر دن نکلنے تک کے وقت کو کہتے ہیں۔ 'روحۃ' دن میں زوال کے بعد سے رات کے پوری طرح چھا جانے تک کے وقت کے لیے بولا جاتا ہے۔ اور 'دلجۃ' رات کے آخری وقت کو کہتے ہیں۔ یہی اوقات ہماری نمازوں کو محیط ہیں، ہماری نمازوں کے اوقات ایک اہمیت کے حامل ہیں۔ ان اوقات میں ہماری زمین کی کائنات نمایاں تبدیلیوں سے گزرتی ہے۔

ان الدین یسرٌ: دین آسان ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کا مطلب یہ ہے کہ یہ دین اپنے سب تقاضوں کے ساتھ مشکل نہیں ہے، کیونکہ اس کے تمام تقاضے ہماری فطرت کے مطابق ہیں۔ اور اس لیے بھی کہ یہ دین انسان کی طاقت سے بڑھ کر کوئی حکم نہیں دیتا۔

یہ دین ہماری فطرت کے مطابق ہے۔ اس سے ہماری مراد یہ ہے کہ جب ایک سلیم الفطرت آدمی اپنے ارد گرد کی چیزوں کو دیکھتا ہے تو ان نعمتوں سے اس کو ایک خالق عظیم کے کائنات کے پس پردہ موجود ہونے کا احساس ہوتا ہے۔ جب وہ اپنے اوپر اس خالق کے گوناگوں احسانات پاتا ہے تو اس کا دل احسان مندی کے گراں قدر جذبے سے جھک جاتا ہے، لیکن پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا جھک جانے کا یہ طریقہ جو اس نے اختیار کیا ہے، صحیح بھی ہے یا نہیں؟ اگر یہ صحیح نہیں تو پھر صحیح طریقہ کیا ہے؟ یہ سوال انسان کو صحیح طریقے کی تلاش میں سرگرداں کر دیتا ہے۔ انسان کے دل میں پیدا ہونے والے اس سوال کا جواب خالق کائنات کی طرف سے دین اسلام ہے۔

یہ دین اتنا ہی آسان ہے جتنا پیاس لگنے پر پانی پی لینا۔ اپنی پیاس بجھانے کے لیے بھی ہمیں کچھ کرنا پڑتا ہے اور روح کی پیاس بجھانے کے لیے بھی ہمیں کچھ اعمال سرانجام دینا پڑتے ہیں۔ ان اعمال کا نام دین ہے۔

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

ہمارے وجود کے جتنے تقاضے ہیں مثلاً کھانا، پینا، سونا اور بسنا وغیرہ۔ ان سب تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے ہم ہر طرح کی کوشش کرتے ہیں، مصیبتیں جھیلتے ہیں اور نہ جانے کتنی مشقتیں اٹھاتے ہیں۔ یہ سب کام خواہ کتنے ہی مشکل ہوں، ہمارے لیے آسان ہوتے ہیں اور بعض اوقات ان کو سرانجام دینے کے لیے ہم جان پر کھیل جاتے ہیں۔

ہمارے وجود کا ایک تقاضا پروردگار کا شکرادا کرنا بھی ہے۔ اس تقاضے کو پورا کرنا بھی آدمی کے لیے مشکل نہیں ہوتا۔ اس کے لیے بھی وہ ہر طرح کی مصیبت مول لینے کے لیے تیار ہو جاتا ہے۔ لیکن اس کے لیے ضروری ہے کہ آدمی کو اس تقاضے کا اسی طرح احساس ہو جائے جیسے پیاسے کو اپنی پیاس کا احساس ہوا جاتا ہے۔ اور بھوکے کو اپنی بھوک کا۔

پھر یہ بھی کہ یہ دین خود خالق کا ترتیب دیا ہوا ہے۔ خالق اپنی مخلوق کی فطرت سے جس قدر واقف ہوتا ہے، اس سے زیادہ کوئی واقف نہیں ہوتا۔ اس لیے یہ حقیقت ہے کہ اس کا دیا ہوا دین مخلوق کی فطرت کے مطابق ہوگا۔ جس طرح ایک انجینئر ایک مشین بناتا ہے تو وہ یہ بھی بتاتا ہے کہ اس سے کیا کام لیا جائے گا۔ بالکل اسی طرح ہم انسانوں کو بنانے والے نے ہماری مشینری کے بارے میں بتا دیا ہے کہ اس نے آدمی کو اسی دین پر چلنے کے لیے پیدا کیا ہے۔ یعنی انسان کی تخلیق ہی اس دین پر چلنے کے لیے ہوئی ہے:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ. (الذاریات ۵۱:۵۶)	”میں نے جن وانس کو صرف اس لیے پیدا کیا ہے کہ وہ میرے عبادت گزار بن کر رہیں۔“

گویا ایک مشین روٹی بیلنے کی بنائی گئی تو روٹی بیلنا اس مشین کی فطرت ہے۔ مشین کی اس فطرت کے مطابق اس سے کام لینا آسان ہے، لیکن روٹی بیلنے کے بجائے اگر ہم اس سے گندم پیسنے کا کام لینا شروع کر دیں تو شاید دلیا بھی ہمارے ہاتھ نہ آئے۔ بالکل اسی طرح ہمارے خالق نے اگر ہمیں اس لیے بنایا ہے کہ ہم اس کی بندگی کرتے ہوئے جئیں تو پھر یہ بات بالکل واضح ہے کہ روٹی بیلنے کی مشین کی طرح ہماری فطرت کے مطابق جو کام ہے، وہ دین پر چلنا ہے۔ تو جس طرح

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

روئی بیلنے کی اس مشین کے لیے روئی بیلنا آسان ہے، اسی طرح ہمارا اس دین پر چلنا آسان ہے۔

لیکن، بہر حال یہ ایک بھاری ذمہ داری ہے۔ اس کو ہر آدمی پوری طرح سے نہیں اٹھا سکتا۔ اس چیز کا لازمی تقاضا ہے کہ ہر آدمی پر اس کی طاقت اور صلاحیت کے مطابق ذمہ داریاں ہوں، اس لیے قرآن نے ایک اصول وضع فرما دیا کہ:

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا. (البقرہ ۲:۲۸۶)	''اللہ کسی پر اس کی طاقت سے زیادہ ذمہ داری نہیں ڈالتا۔''

ہر شخص بس اسی حد تک مکلّف ہے جس حد تک اسے طاقت عطا ہوتی ہے۔ جو چیز اس کے حدود واختیار اور امکان سے باہر ہے، اس کے بارے میں اس سے باز پرس نہیں ہوگی۔ ان کمزوریوں کی صورت میں، اللہ نے بندوں کو رخصتیں دی ہیں۔ یعنی روئی بیلنے کی چھوٹی مشین سے بڑی مشین جتنے کام کا تقاضا نہیں ہوگا۔

اوپر کی بحث سے یہ معلوم ہوا کہ پورے کا پورا دین ہماری بشری کمزوریوں، قوتوں اور صلاحیتوں کو مدنظر رکھ کر بنایا گیا ہے۔ اور چونکہ تمام لوگ ایک طرح کی صلاحیتیں نہیں رکھتے، اس لیے ان کی سہولت کے لیے رخصتیں ہیں تاکہ دین آسان رہے۔ اب ہم حدیث کے دوسرے جملے کو لیتے ہیں۔

ولن یشاد الدین احدٌ الا غلبه: اس سے مراد یہ ہے کہ دین آسان ہے، لیکن جس نے اس کو مشکل بنایا اور اس کو سر لینے کی کوشش کی، اس کا انجام یہ ہوگا کہ دین اس کو شکست دے دے گا۔ ایک روایت میں آتا ہے کہ:

عن عبد اللّٰه بن عمر، قال: قال لی، نبی صلی اللّٰه علیه وسلم: الم اخبر، انك تقوم الليل وتصوم النهار. قلت انی افعل ذلك، قال: فانك اذا فعلت ذلك هجمت عينك ونفهت	''عبداللہ بن عمر کہتے ہیں: ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم سمجھتے ہو کہ مجھے خبر نہیں ہوتی، حالانکہ میں جانتا ہوں کہ تم رات بھر قیام کرتے ہو اور دن میں روزہ رکھتے ہو۔ تو عبداللہ بن عمر نے کہا: ہاں میں ایسا کرتا ہوں، تو آپ نے فرمایا: تم ایسا

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

نفسك. وان لنفسك حقا ولاهلك حقا. فصم وافطر وقم ونم. (بخاری، کتاب التہجد)

کرتے ہو تو یاد رکھو کہ تمھاری آنکھیں اندر دھنس جائیں گی جسم کمزور ہو جائے گا، جبکہ تمھیں خیال رکھنا چاہیے کہ تمھارے، جسم کا بھی تم پر حق ہے۔ اور تمھارے گھر والوں کا بھی۔ اس لیے روزے رکھو تو وقفہ بھی کرو۔ رات میں قیام کرو تو سویا بھی کرو۔‘‘

جسم کے حقوق ادا نہ کرنے سے جو نتیجہ نکلے گا، اس کی طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ فرمایا ہے کہ آنکھیں اندر دھنس جائیں گی اور جسم کمزور پڑ جائے گا۔ اس کمزوری اور لاغری سے وہ آدمی جو قیام وصیام میں صبح وشام مشغول رہتا تھا، ہوسکتا ہے کہ پھر رمضان کے روزے رکھنے کے بھی قابل نہ رہے۔ اور وہ جو رات بھر قیام کیا کرتا تھا، ہوسکتا ہے کہ پھر فرض نمازوں کا ادا کرنا بھی اس کے لیے مشکل ٹھہرے۔ جو آدمی اس طریقے کو اختیار کرتا ہے، اس کا حال اس شخص کا سا ہے، جس نے سونے کے انڈے حاصل کرنے کے لیے مرغی ذبح کر دی ہو اور پھر مرغی سے بھی محروم ہو گیا ہو۔ ایسے اعمال دنیا والوں کی نظر میں بھی احمقانہ ہوتے ہیں اور خدا کے ہاں بھی کچھ زیادہ اجر نہیں رکھتے۔ کیونکہ ایسا کرنے والوں کا اپنے عمل پر دوام بھی نہیں ہوتا اور نہ ہی دل کی حضوری ہوتی ہے، جبکہ اللہ کے ہاں سب سے زیادہ پسندیدہ عمل وہ ہوتا ہے، جس پر آدمی کا ہمیشہ عمل رہے۔ خواہ یہ عمل کتنا ہی حقیر کیوں نہ ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ:

ای العمل احب الی الله قال: ادومه وان قل. (بخاری، کتاب الایمان)

’’کون سا عمل اللہ کے ہاں سب سے زیادہ محبوب ہے؟ آپ نے فرمایا: وہ کام جو عمل میں رہے، خواہ وہ عمل کتنا ہی حقیر ہو۔‘‘

اعمال میں شدت ویسے بھی آدمی کو بے زار کر دیتی ہے۔ اس بے زاری میں خود عمل کرنے والا بھی دل میں تنگی محسوس کرتا ہے جس سے ان نیکیوں کے اکارت چلے جانے کا احتمال ہوتا ہے جن کو اس نے بڑی محنت سے کیا ہوتا ہے۔ اور دوسروں کے حقوق بھی غصب ہوتے ہیں۔ اللہ کے ہاں

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org
"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

یہ بات پسندیدہ نہیں ہے کہ ایک حق کو پورا کرنے میں آدمی اس قدر لگ جائے کہ اس کے دوسرے بیسیوں حقوق ادا ہونے سے رہ جائیں۔ اللہ کے ہاں تو یہ بات پسندیدہ ہے کہ ایک وقت میں بندے پر جتنے حقوق ہیں، وہ سب کے سب پورے ہوں اور ہمیشہ پورے ہوتے رہیں۔ یہ نہیں کہ ماں باپ تو گھر میں اس کی مدد کو ترستے رہیں اور وہ مسجد کے کسی کونے میں اپنے تئیں نیکیاں کما رہا ہو۔ یہ دین نہیں، بے دینی ہے۔ آدمی پر اس کے گھر کے، اس کی ریاست کے، اس کے ہم سایوں کے اور خود اس کے اپنے نفس کے حقوق ہیں جن کو پوری ذمہ داری سے ادا کرنا چاہیے اور ان کے ساتھ ساتھ اللہ کے حقوق بھی پوری طرح ادا ہونے چاہییں۔

فسددوا وقاربوا وابشروا: ان تمام حقوق کو جو ریاست، معاشرے اور گھر کی طرف سے فرد پر عائد ہوتے ہیں، پوری طرح سے ادا کرنے کے لیے ضروری ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کی جائے اور افراط وتفریط سے بچ کر میانہ روی اختیار کی جائے اور کوشش کی جائے کہ وہ عمل کیا جائے جو آدمی کی طاقت میں ہو اور جس پر وہ آسانی کے ساتھ ہمیشہ عمل کر سکے۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس بات کا خاص خیال رکھتے تھے کہ کوئی حکم لوگوں کی استطاعت سے بڑھ کر نہ ہو۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ:

كان رسول الله صلى الله عليه وسلم، اذا امرهم، امرهم من الاعمال بما يطيقون قالوا: انا لسنا كهيئتك يا رسول الله. ان الله قد غفر لك ما تقدم من ذنبك وما تاخر. فيغضب، حتى يعرف الغضب فى وجهه. ثم يقول: ان اتقاكم واعلمكم بالله انا. (بخاری، کتاب الایمان)

”جب آپ لوگوں کو کوئی حکم دیتے تو اس بات کا حکم دیتے جس کی لوگ استطاعت رکھتے ہوں۔ ایک مرتبہ لوگوں نے آپ سے کہا (ہمیں کچھ اور بھی بتائیے) کیونکہ ہمارا معاملہ آپ سا نہیں ہے۔ آپ کی تو تمام اگلی پچھلی خطائیں معاف کر دی گئیں ہیں۔ (ہمیں تو زیادہ عمل کرنے کی ضرورت ہے) اس پر آپ کو غصہ آ گیا۔ غصہ اتنا آیا کہ آپ کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ پھر کہا: (تم مجھ

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

سے زیادہ متقی بنتے ہو؟) میں تم سے زیادہ
اللہ سے ڈرتا اور اس کو جانتا ہوں (مجھ سے
بڑھنے کی کوشش نہ کرو، میری پیروی کرو)۔''

گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کسی انسان کی تقویٰ اور نیکی میں آخری حد ہے۔ اس سے آگے جو کچھ ہے، وہ بے دینی ہے۔ آپ کا ارشاد ہے:

واللّٰہ انی لاخشاکم للّٰہ واتقاکم لہ . ولکنی اصوم وافطر . واصلی وارقد واتزوج النساء فمن رغب عن سنتی، فلیس منی. (بخاری، کتاب النکاح)

''خدا کی قسم، میں تم سے زیادہ خدا سے ڈرنے والا ہوں اور میں سب سے زیادہ اس کے غضب سے بچنا چاہتا ہوں۔ لیکن میں (عام دنوں میں) روزے بھی رکھتا ہوں اور چھوڑ بھی دیتا ہوں۔ میں رات میں قیام بھی کرتا ہوں اور سوتا بھی ہوں۔ نکاح بھی کرتا ہوں (یہی میرا طریقہ ہے)۔ جس نے میرے اس طریقے کو چھوڑا وہ میرا امتی نہیں ہے۔''

اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ 'فسددوا'، ''محکم راستہ اختیار کرو''۔ یہ محکم راستہ ظاہر ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ ہی ہے۔ اور 'قاربوا' سے اس پر مزید تاکید فرمائی کہ میرے طریقے کے قریب آؤ، نہ اس میں اضافہ کرو اور نہ اس میں کمی کرو۔

ابشروا: بھی ایک ایسا حکم ہے، جیسا 'فسددوا' اور 'قاربوا' ہیں۔ اس میں دین کی طرف دعوت دینے والوں کے لیے حکم ہے کہ وہ لوگوں کو صرف دوزخ سے ڈرائیں ہی نہیں، بلکہ ان کو جنت اور اس کی نعمتوں کی بشارت بھی دیں۔ یہ نہ ہو کہ لوگ دین کو ڈرانے والے کی چیخیں سمجھ کر اس سے بھاگ جائیں، بلکہ انعام پانے کی نوید سن کر دین کی طرف لپکیں۔ کیونکہ انعام پانے کی خواہش بھی انسان کی فطرت ہے۔ اور انسان کی ہر فطرت کا اس پر حق ہے۔ اس کا بھی خیال رکھنا چاہیے کہ دین کی دعوت صرف بشارتیں بن کر ہی نہ رہ جائے، بلکہ اس میں انذار بھی ہو اور تبشیر بھی

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."
www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

تاکہ لوگوں کی زندگی خوف ورجا میں گزرے۔خوف برائی سے روکتا ہے اور رجا نیکی پر ابھارتی ہے۔اگر ان دونوں میں سے کسی ایک کا فقدان ہو تو معاملہ بگڑ جاتا ہے۔

دین پر عمل کرنے میں اصل چیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ ہے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ ہی اصل میں وہ طریقہ ہے جسے قرآن کی اصطلاح میں صراط مستقیم کہا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو پانے کا یہی ایک طریقہ ہے۔اس کے سوا کوئی طریقہ ایسا نہیں ہے جس سے خدا تک پہنچا جاسکے۔اللہ تعالیٰ خود قرآن میں فرماتے ہیں:'انی علی صراط مستقیم'، ''میں تو بس سیدھے راستے پر ہوں''یعنی سیدھے اور آسان راستے پر۔اللہ تعالیٰ کو پانے کے لیے کوئی پاپڑ بیلنے نہیں پڑتے،وہ تو ہر اس جگہ مل جاتا ہے، جہاں آدمی اس کی طرف رُخ سیدھا کرلے۔

واستعینوا بالغدوۃ والروحۃ وشیء من الدلجۃ:اس خوب صورت جملے کو اگر ہم تمثیل کہیں تو غلط نہ ہوگا۔آپ نے پورے دین پر عمل کرنے کی حالت کی اس جملے میں تصویر کھینچ دی ہے کہ اس مسافر کی طرح دین پر عمل کرو جو اپنے سفر کا آغاز صبح سویرے کرتا ہے پھر دھوپ کی تلخی دیکھ کر ذرا رک جاتا ہے۔پھر سورج ڈھلنے پر چل پڑتا ہے،رات کو آرام کرنے کے لیے پھر ٹھہر جاتا ہے۔صبح صبح تڑکے ہی پھر اٹھ کر منزل کی طرف روانہ ہو جاتا ہے۔

مومن بھی ایک مسافر ہے۔اسے بھی صبح وشام اپنا سفر اسی مسافر کی طرح جاری رکھنا ہے، کچھ چل لے تو کچھ دیر کے لیے سستا بھی لے۔عام دنوں کے روزے رکھے تو کچھ دن وقفہ بھی کرلے، رات کو قیام کرے تو کچھ دیر سو بھی لے تاکہ جب بھی وہ دوسرا کام شروع کرے تو وہ تازہ دم ہو اور پوری دل جمعی سے وہ کام کرسکے۔

ہمارا دین آسان ہے، کیونکہ یہ ہماری فطرت کے مطابق ہے۔اور یہ کسی آدمی پر اس کی طاقت اور صلاحیت سے زیادہ کوئی ذمہ داری نہیں ڈالتا۔دین پر چلنے کا صحیح طریقہ وہی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں بتایا ہے۔یہ طریقہ میانہ روی اور توازن پر مبنی ہے۔اس میں جو اضافہ کرکے سختی کرنا چاہے گا، دین اسے ایسی شکست دے گا کہ اسے دین دنیا سے بھگا دے گا۔وہ شیطان کے چنگل میں ایسا پھنسے گا کہ پھر وہ سب کچھ ہوسکتا ہے، مگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا امتی نہیں ہوسکتا۔آدمی

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

کو اس انجام سے بچانے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بار بار اس کی تاکید کی ہے کہ میرے طریقے کی پیروی کرو۔ اسی طریقے کے قریب رہو۔ دین کی دعوت دو تو جب بھی ضروری ہے کہ میری طرح اپنی دعوت میں انذار و تبشیر کے پہلو سے بھی ایک توازن رکھو۔

اس توازن کو اس مسافر کے سفر سے تشبیہ دی جا سکتی ہے، جو صبح سویرے سفر شروع کرے، پھر دھوپ میں تلخی محسوس کرے تو رک جائے، دن ڈھلے تو پھر چل پڑے، رات آئے تو سو جائے اور صبح پھر منہ اندھیرے اپنی منزل کی طرف روانہ ہو جائے۔

اور جو شخص اس توازن کو بگاڑے، یہ بگاڑ خواہ کمی کی صورت میں ہو یا اضافے کی صورت میں، دونوں میں اس کے لیے رسوائی ہے۔ جو دین میں اضافہ کرے، اس کے لیے بھی اور جو کمی کرے، اس کے لیے بھی۔ کامیاب صرف وہی ہے جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کی۔ اتباع سے مراد یہ ہے کہ کسی کی انگلی پکڑ کر اس کے پیچھے پیچھے چلا جائے۔ جہاں وہ رک جائے، وہیں رک جانا۔ جہاں سے وہ مڑ جائے، وہیں مڑ جانا۔ قرآن میں اسی کی طرف اشارہ ہے کہ 'قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ'۔ (آل عمران ۳:۳۱)

[۲۰۰۵ء]

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

ایمان کے تین پہلو

عن ابی ہریرۃ عن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم ، قال: الایمان بضع وسبعون، او بضع وستون شعبۃ. فافضلها: قول' لا الٰہ الا اللّٰہ وادناها اماطۃ الاذیٰ عن الطریق والحیاء شعبۃ من الایمان. (النسائی، کتاب الایمان، باب ۱۶)

ابوہریرہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایمان کی ستر سے زیادہ یا ساٹھ سے زیادہ شاخیں ہیں۔ جن میں سب سے افضل، کلمہ لا الٰہ الاّ اللہ ہے اور رستے سے ضرر رساں چیز کا ہٹا دینا اس کی ادنیٰ ترین شاخ ہے اور حیا بھی ایمان کی ایک شاخ ہے۔

شرح حدیث

ابوداؤد نے بھی اس روایت کو نقل کیا ہے۔ جس میں چند الفاظ کے سوا کوئی فرق نہیں ہے:

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

عن ابی هريرة رضی اللّٰه عنه، ان رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم، قال: الايمان بضع وسبعون. افضلها قول لا اله الا اللّٰه وادناها اماطة العظم عن الطريق. والحياء شعبة من الايمان.

''ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایمان کی ستر سے زیادہ شاخیں ہیں۔ افضل ترین لا الٰہ الا اللہ ہے اور ادنیٰ ترین راستے سے تکلیف دہ چیزیں ہٹا دینا ہے اور حیا بھی ایمان کی ایک شاخ ہے۔''

نسائی ایک اور طریقے سے یہی روایت لائے ہیں۔ جس میں 'ادناها اماطة الاذی' کے بجائے 'او ضعها اماطة الاذی' کے الفاظ آئے ہیں۔ اسی طرح ایک اور روایت ہے جس میں 'لا اله الا اللّٰه' اور 'ادناها اماطة الاذی' کے جملے نہیں ہیں:

عن ابی هريرة عن النبی صلی اللّٰه عليه وسلم قال: الايمان بضع وسبعون شعبة . والحياء شعبة من الايمان.

''ابو ہریرہ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایمان کی بیسیوں شاخیں ہیں اور حیا ایمان کی ایک شاخ ہے۔''

نسائی ایک اور روایت لائے ہیں جس میں صرف 'حیا' کا ذکر ہے:

عن ابی هريرة عن النبی صلی اللّٰه عليه وسلم قال: الحياء شعبة من الايمان.

''ابو ہریرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ حیا ایمان کا ایک خاصہ ہے۔''

یہ روایتیں ایک ہی روایت کے حصے معلوم ہوتے ہیں۔ غالباً اس طرح ہوا کہ کہیں ایمان کی بات ہو رہی تھی تو ابو ہریرہ نے پوری حدیث بیان کر دی اور جہاں کہیں حیا کے بارے میں گفتگو ہوئی، وہاں انھوں نے صرف حیا کا ذکر کرنے پر اکتفا کی۔

الايمان بضع وسبعون (او ستون): اس میں راوی کو شبہ ہے کہ رسول اللہ نے

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

'سبعون' فرمایا تھا یا 'ستون' کہا تھا۔

'بضعٌ' کے معنی میں اختلاف ہے۔ بعض نے اسے تین سے نو تک کی تعداد کو، بعض نے ایک سے چار تک کی تعداد کو، بعض نے چار سے نو تک کی تعداد کو اور بعض نے صرف سات کے عدد کو 'بضع' کہا ہے۔ صاحب ''القاموس المحیط'' لکھتے ہیں:

البضع: ما بين الثلاث الى التسع والى الخمس. او ما بين الواحد الى الاربعة او من الاربعة الى التسع. او هو سبع.	''بضع' تین سے نو یا پانچ، ایک سے چار اور یا چار سے نو تک (کی تعداد) کو کہتے ہیں یا 'بضع' سے مراد 'سات' ہے۔''

مولانا امین احسن اصلاحی نے سورۂ یوسف میں 'بضع سنین' کا ترجمہ 'کئی سال' کیا ہے۔ صاحب اللسان نے بھی وہی معنی دیے ہیں جو ''القاموس المحیط'' میں بیان کیے گئے ہیں۔ ''حماسہ'' کے باب ''الہجاء'' میں ابوتمام کا شعر ہے:

اقول، حين ارى كعبًا ولحيته لا بارك اللّٰه فى بضع وستين.	''میں جب کعب اور اس کی ڈاڑھی کو دیکھتا ہوں تو کہتا ہوں کہ اللہ اسے ساٹھ باسٹھ سال کی عمر میں برکت نہ دے۔''

اوپر کے حوالوں کی روشنی میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ:

۱۔ 'بضع' کسی ایک عدد کے لیے نہیں بولا جاتا، اس لیے اس کے معنی کی تعبیر 'کئی' اور 'کچھ' کے الفاظ سے کی جا سکتی ہے۔ اس لیے ہم نے حدیث کے اس جملے کا ترجمہ یوں کیا ہے کہ ایمان کی ستر سے زیادہ شاخیں ہیں۔ تقریباً یہ ایسا ہی اسلوب ہے کہ جب ہم سے پوچھا جائے کہ کل کتنے لوگ آئے تھے؟ تو ہم کہیں کہ 'بس کوئی بیس بائیس ہوں گے' یا یوں کہیں کہ 'پچاس سے زیادہ ہوں گے'۔ اس سے کوئی متعین عدد مراد نہیں ہوتا، بلکہ محض اندازے سے بتانے کا ایک اسلوب ہے۔

۲۔ إماطة الاذىٰ عن الطريق: 'إماطةٌ'، 'اماط يميط' سے مصدر ہے۔ جس کے معنی جدا کرنے کے اور دور کرنے کے بھی آتے ہیں۔ 'اذی' ہر ضرر رساں چیز کو کہتے ہیں، مثلاً

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org
"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

راستے میں پڑے کانٹے، نوکیلے پتھر، نجاست اور کیچڑ وغیرہ، یعنی وہ چیزیں جو چلنے والے کے لیے تکلیف کا باعث بن سکتی ہیں۔

۳۔والحیاء شعبة من الایمان: حیا کا مفہوم اردو میں 'حجاب' اور 'لحاظ' کے الفاظ سے سمجھا جاسکتا ہے۔

۴۔'شعبة' کے معنی 'فرقہ' اور 'شاخ' کے بھی آتے ہیں۔

اوپر کے الفاظ اور جملوں کی بحث کے بعد حدیث کا سادہ مفہوم کچھ یوں ہوگا:

''ایمان کی کئی شاخیں ہیں۔ان میں سے افضل ترین یہ ہے کہ آدمی صرف اللہ ہی کو الٰہ مانے اور اسی کی عبادت کرے۔ایمان کی ادنیٰ ترین شاخ تکلیف دہ چیزوں کو راستے سے ہٹا دینا ہے اور حجاب ولحاظ سے زندگی بسر کرنا بھی ایمان کی علامت ہے۔''

زیر بحث حدیث میں ایمان کے حوالے سے تین چیزیں بیان ہوئی ہیں: ایک اللہ ہی کو الٰہ ماننا۔دوسری ضرر رساں چیزوں کو راستے سے ہٹانا اور تیسری یہ کہ حجاب ولحاظ بھی ایمان کی ایک شاخ ہے۔اب ہم ان کی باری باری وضاحت کریں گے۔

اللہ ہی کو الٰہ ماننا: الٰہ سے مراد صرف معبود ماننا ہی نہیں ہے، بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ یہ یقین رکھا جائے کہ وہ آسمانوں اور زمینوں کا تنہا مالک ہے۔اس میں اس کا کوئی ساجھی نہیں۔کائنات کی کوئی چیز اس کے حکم سے باہر نہیں اور دنیا کی کوئی چیز اس سے چھپی ہوئی نہیں۔شجر، حجر، پہاڑ، جنگل، صحرا، دریا، سورج، چاند، زمین، آسمان، حیوان اور فرشتے اس کے آگے سجدہ ریز رہتے ہیں اور اس کی تسبیح وتہلیل میں مصروف رہتے ہیں۔

سب کمزور ہیں، وہ قوت والا ہے۔سب جاہل ہیں، علم اسی کے لیے ہے۔سب فانی ہیں، اسی کو بقا ہے۔سب محتاج ہیں، وہ بے نیاز ہے۔سب بندے ہیں، وہ آقا ہے۔ہم کچھ نہیں جانتے، وہ دلوں کے رازوں تک سے واقف ہے۔سب دور ہیں، وہ قریب ہے۔کوئی سننے والا نہیں، وہ مجیب ہے۔

وہ قہار وجبار ہے اور رحمان بھی ہے۔وہ ذی عقاب ہے اور عادل بھی ہے۔وہ قادر ہے اور

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

حکیم بھی ہے۔ وہ بے نیاز ہے اور سب کا ملجا و ماویٰ بھی ہے۔ یہ سب کچھ مان لینے کے کچھ لازمی نتائج ہیں کہ آدمی اسے ہی عبادت کا حق دار سمجھے۔ کوئی حاجت ہو تو اسی سے مانگے، کوئی تکلیف ہو تو اسی کو پکارے، خوف ہو تو اسی کی پناہ ڈھونڈے۔ مقبروں اور لوگوں کے دروازوں پر اپنا ماتھا نہ ٹیکے، بلکہ سیدھا اسی کے پاس جائے، اس صورت میں کہ اس سے خوف بھی ہو اور محبت بھی۔ خوف ایسا کہ کانپ اٹھے اور محبت ایسی کہ ٹوٹ پڑے۔

جب ایک ہستی کو اس طرح، ان صفات کے ساتھ پادشاہ مان لیا تو پھر آپ سے آپ، ایک سلیم الفطرت آدمی یہ سوچتا ہے کہ اس کے احکام کیا ہیں؟ کیا وہ ان احکام کی نافرمانی پر مواخذہ کرے گا؟ اس مواخذے سے بچنے کا طریقہ کیا ہے؟

اگر اس کی رضا ہی آخرت کے مواخذہ سے بچا سکے گی تو پھر اس کی رضا جوئی کا طریقہ کیا ہے؟ کیا اس نے خود کوئی طریقہ بتایا ہے؟ اگر بتایا ہے تو وہ طریقہ کیا ہے؟ اس میں وہ ہم سے اپنے ساتھ کس رویے کی توقع رکھتا ہے؟ کیا اس نے کسی کو اپنا ہمسر قرار دیا ہے؟ وہ لوگوں کے ساتھ ہمیں کس رویے کی اجازت دیتا ہے اور یہ کہ خود ہم اپنے ساتھ کس قسم کا رویہ اختیار کریں؟

اماطة الاذی عن الطریق: یہ آدمی پر بندوں کے حقوق کی پاس داری کی ادنیٰ ترین صورت ہے۔ ہمارے دین نے رشتہ داروں، پڑوسیوں اور عام لوگوں کے کچھ حقوق مقرر کیے ہیں۔ مثال کے طور پر ہم پر ایک دوسرے کی جان اور مال حرام ہے۔ اسی طرح یہ بھی کہ قولوا للناس حسنًا، ''بھلائی کے ساتھ بات کرو''۔ کوئی بیمار پڑ جائے تو اس کی تیمارداری کرو۔ جھگڑا ہو جائے تو فریقین میں صلح کراؤ۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ تم ایک دوسرے کے نگران ہو اور تم سے دوسروں کے بارے میں پوچھا جائے گا۔

ان حقوق کی پاس داری اور انسانی ہمدردی کی یہ انتہائی صورت ہے کہ آدمی راہ میں چلتے ہوئے بھی دوسروں سے ہمدردی اور ان کے حقوق کی پاس داری کا خیال رکھتا ہے، وہ اپنے بھائی کی تکلیف کو اپنی تکلیف سمجھتا ہے۔ یہی جذبہ اعلیٰ درجے میں قُوْٓا اَنْفُسَکُمْ وَ اَھْلِیْکُمْ نَارًا[1] کی

---

[1] ''لوگو، اپنی جانوں اور اپنے اہل کو آگ سے بچاؤ۔''

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

تصویر بن جاتا ہے۔ وہ جب اپنے بھائی کو دوزخ کی راہ پر چلتے ہوئے دیکھتا ہے تو اسی طرح جیسے وہ اس کے راستے سے، اس کی تکلیف کے پیش نظر ہر ضرر رساں چیز ہٹا دیتا ہے، وہ اس کی بھی کوشش کرتا ہے کہ اس کا بھائی نار جہنم کی صعوبت سے بھی بچ جائے۔ 'اماطة الاذی' اسی جذبے کا نام ہے۔

الحیاء شعبة من الایمان: ہم نے الفاظ کی بحث میں دیکھا کہ حیا کا اصل مفہوم حجاب اور لحاظ ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ آدمی لوگوں کے سامنے آداب کے ساتھ اور محتاط طریقے سے رہے۔ اس کی برائی کا دوسروں کو علم ہو جائے، یہ اس کی عزت نفس کا مسئلہ ہو۔ یہ حجاب، لحاظ اور احتیاط آدمی کو خیر کی طرف لے جاتی ہے۔ ایسا آدمی اپنے جرائم پر جری اور سرکش نہیں ہوتا، بلکہ رجوع کرنے والا ہوتا ہے۔

یہ حجاب ولحاظ نہ صرف یہ کہ آدمی کو لوگوں کے سامنے گناہوں سے روکتا ہے، بلکہ اس وقت بھی جب خدا کے سوا اسے دیکھنے والا کوئی نہیں ہوتا، یہ جذبہ آدمی کو گناہوں سے دور رکھتا ہے۔ یہ چیز اسے سراپا بندگی بنائے رکھتی ہے۔ وہ گناہ کر تو لیتا ہے، لیکن جب بھی اس کے اثر سے نکلتا ہے تو نادم و پریشان اپنے خدا کی طرف لپک پڑتا ہے اور اللہ نے گناہ کے فوراً بعد توبہ کرنے والے دلوں کو کبھی مایوس نہیں لوٹایا۔ لیکن اگر یہ حجاب ولحاظ اور ندامت وشرمندگی آدمی کے اندر نہ ہو تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ میں 'کہ اگر تم میں حیا نہیں تو جو جی میں آئے کرو'۔

اس سے نفس لوامہ کی طرف بھی اشارہ نکلتا ہے جس کی گواہی اللہ نے قیامت کے اثبات میں سورۂ قیامہ میں دی ہے کہ یہ نفس لوامہ کی عدالت اس بڑی عدالت کا پیش خیمہ ہے۔ یہ عدالت جس طرح اب نفس آدم میں لگی ہوئی ہے، ویسے ہی بدلے کے دن لگے گی۔ فرمایا:

وَلَآ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ. اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَلَّنْ نَجْمَعَ عِظَامَهٗ؟ (۷۵:۲-۳)	''نہیں — میں نفس ملامت گر کی شہادت دیتا ہوں (کہ قیامت ہو کے رہے گی)۔ کیا انسان نے گمان کر رکھا ہے کہ ہم اس کی ہڈیاں جمع نہ کر سکیں گے؟''

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

یہ نفس ملامت گر آدمی کو برائی سے روکتا ہے۔ وہ جب برائی کے لیے قدم اٹھاتا ہے تو یہ ناصح بن کر اس کی راہ میں کھڑا ہو جاتا ہے۔ جب آدمی اس کی پروا کیے بغیر کوئی برائی کر ڈالتا ہے تو پھر یہ گناہ کا احساس دلاتا ہے۔ آدمی اپنے دل میں ندامت محسوس کرتا ہے اور یہ ندامت اسے توبہ و استغفار پر ابھارتی ہے۔ یہ چیز ایمان کی علامت ہے۔

ایمان یہ ہے کہ آدمی اللہ تعالیٰ کو اپنا الٰہ مانے، بندوں کے حقوق کی پاس داری کرے۔ الٰہ ماننے سے مراد اللہ کو اس کی بتائی ہوئی تمام صفات کے ساتھ ماننا ہے۔ بندوں کے حقوق میں اعلیٰ ترین چیز یہ ہے کہ وہ دوسروں کو دوزخ کی آگ سے بچانے کی سعی کرے اور کم تر چیز یہ ہے کہ وہ اس کی تکلیف دہ چیزوں کو اس سے دور کر دے تاکہ ان سے اسے کوئی تکلیف نہ پہنچے اور وہ آدمی مومن ہے جس کا ضمیر اس کے گناہوں پر ملامت کرے۔

[۱۹۹۳ء]

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

بلا عذر گناہ

عن ابی هريرة قال قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه و سلم ، لا يكلمهم اللّٰه يوم القيامة ولا يزكيهم ولا ينظر اليهم ولهم عذاب أليم: شيخ زان و ملك كذاب، عائل مستكبر.

(مسلم، کتاب الایمان)

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تین لوگ ایسے ہیں کہ اللہ قیامت کے دن نہ ان لوگوں سے بات کرے گا، اور نہ ان کو پاک کرے گا۔ نہ ان کی طرف التفات فرمائے گا، ان کے لیے بس دردناک عذاب ہے: وہ بوڑھا جو بڑھاپے میں بھی زنا سے نہ بچ سکا، وہ بادشاہ جسے اس کی بادشاہت بھی جھوٹ سے نہ بچا سکی اور وہ گدا جو اپنی تنگ حالی میں بھی تکبر سے نہ رکا۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org
"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

شرح حدیث

اس حدیث میں ان مجرمین کے بارے میں اس سخت سزا کا حکم سنایا جا رہا ہے، جن کو اللہ نے گناہ سے بچنے کا بھرپور موقع عنایت فرمایا، مگر انھوں نے اس کے باوجود گمراہیوں اور آلودگیوں میں لتھڑے رہنا پسند کیا۔

شریعت اسلامی کا یہ ایک مسلمہ اصول ہے کہ عذر کے ہوتے ہوئے جرائم کی سزا کم اور بعض صورتوں میں بالکل معاف ہو جاتی ہے۔ اور جب گناہ بلا عذر ہو تو اس صورت میں گناہ کی سزا اپنی آخری شکل میں دی جاتی ہے۔ اس حدیث میں بھی تینوں مثالیں اس قسم کی ہیں، جن کے عذر گناہ نہ ہونے کی وجہ سے سخت سزا کی وعید ہے۔ مثلاً بوڑھے شخص کے لیے کوئی وجہ نہیں کہ اپنی پیرانہ سالی اور اضمحلال قویٰ کے بعد جذبات کے ہیجان کا شکار ہو کر زنا کر بیٹھے۔

بادشاہ کی مثال میں دیکھیے کہ اسے کوئی خوف دامن گیر نہیں ہوتا جو اسے سچ بولنے سے روک دے۔ اسی طرح اس انعام و فضل، جو بادشاہی کی صورت میں اللہ نے اس پر کیا ہے، اور جس کے بعد ان نعمتوں کی کوئی کمی نہیں ہے کہ جن کی حاجت اسے جھوٹ پر اکسائے اور وہ جھوٹ بولنے پر مجبور ہو۔ چنانچہ وہ ایسا کرے گا تو قطع عذر کی صورت میں، بہر حال، اسی انجام کو پہنچے گا۔

گداے متکبر کی صورت میں بھی صورت حال ایسی ہی ہے کہ اللہ نے اسے وہ مال و دولت عطا ہی نہیں کیا جو اس کے تکبر کی وجہ بنے۔ مال و دولت اور جاہ و حشمت ایسی چیز ہے جو غرور و تکبر کا باعث ہو سکتی ہے، لیکن اگر آدمی کے پاس ایسی کوئی چیز نہیں کہ جو اس کے لیے لوگوں کو حقیر سمجھنے کی وجہ بنے یا خدا کے حق کے مقابلے میں ہٹ دھرمی دکھانے کا سبب ہو تو ہو سکتا ہے کہ ایسے آدمی کے لیے اس کا عذر کام آئے اور اس کی سزا میں تخفیف ہو جائے۔

یہاں ایک بات واضح رہے کہ ہر بادشاہ، بوڑھا اور فقیر اس حکم میں نہیں ہے۔ یہ سمجھانے کا ایک اسلوب ہے، جس میں مثالیں ایسی دی گئی ہیں، جن سے بات پوری طرح واضح ہو جائے۔ آپ کی مراد صرف انھی بوڑھوں اور بادشاہوں اور فقیروں سے ہے۔ جو، واقعۃً، بلا عذر گناہ

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

کریں۔ یعنی کوئی شدید حاجت، کوئی خوف اور کوئی اپچ اور امنگ اس کو گناہ پر ابھارنے والی نہ ہو۔ مثال کے طور پر وہ فقیر جو مال تو نہ رکھتا ہو، لیکن اپنے جسمانی حسن اور شکل وصورت کی خوبی پر نازاں ہو کر اظہار تکبر کر بیٹھے تو جرم تکبر میں تو پکڑا جائے گا، لیکن اس حدیث کے حکم کا اطلاق اس پر نہیں ہوگا، کیونکہ اب ایک عذر گناہ موجود ہے۔

[۱۹۹۳ء]

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

میت پر ماتم

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

عن ابی بردة بن ابی موسٰی قال: وجع ابو موسٰی وجعا فغشی علیه وراسه فی حجر امراة من اهله [واقبلت امراته ام عبد اللّٰه تصیح برنة] فلم یستطیع ان یرد علیها شیئا فلما افاق، فقال: انا بریٔ مما بریٔ منه رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم، الم تعلمی ما قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم؟ وکان یحدثها: ان رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم قال: انا بریٔ من الصالقة والحالقة والشاقة.

(بخاری، کتاب الایمان۔ مسلم، کتاب الایمان۔ مسند احمد)

ابو بردہ فرماتے ہیں کہ ان کے باپ ابو موسیٰ کو ایک مرتبہ ایک ایسی تکلیف ہوئی کہ ان پر بے ہوشی طاری ہوگئی، اس وقت ان کا سر گھر کی کسی خاتون کے زانو پر تھا۔ [ان کی بیوی اُمِ عبداللہ بلند آواز سے چیختی چلاتی آئیں۔] ابو موسیٰ تکلیف کی وجہ سے

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

انھیں روک نہ سکے۔ چنانچہ جب انھیں افاقہ ہوا تو انھوں نے فرمایا: میں اس چیز سے بری ہوں، جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے براءت کا اظہار فرمایا۔ پھر انھوں نے ام عبداللہ سے فرمایا: کیا تمھیں معلوم نہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا؟ اور پھر انھوں نے یہ حدیث بیان فرمائی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ میں میت پر چیخنے والی، ماتم کے لیے سر منڈانے والی اور سینہ پیٹتے ہوئے کپڑے پھاڑنے والی عورتوں (کے ان برے افعال) سے بری ہوں۔

شرح حدیث

عربوں کا یہ دستور تھا کہ میت کا ماتم طویل عرصے تک کرتے رہتے اور اگر کسی سردار کا انتقال ہو جاتا تو یہ ماتم سالوں تک جاری رہتا اور اس میں مرنے والے کی عظمت اور بڑائی سمجھی جاتی تھی۔ عورتیں غم کے اظہار کے لیے اپنے سروں میں خاک ڈال لیتیں، سر کے بال مونڈ لیتیں اور کئی کئی دن تک بین کرتیں، پیٹ پیٹ کر اپنے کپڑے پھاڑ لیتیں اور نہانا دھونا ترک کر دیتیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں 'صالقة'، 'شاقة' اور 'حالقة' سے ان کی انھی عادات و رسوم کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

'میں ان سے بری ہوں' سے مراد یہ ہے کہ یہ سب چیزیں وہ ہیں جن کی میں نے انھیں نہ تعلیم دی ہے اور نہ یہ چیزیں اس دین میں ہیں جو میں لے کر آیا ہوں۔ دوسری روایتوں میں آپ نے 'لیس منا' کے الفاظ استعمال کیے ہیں۔ یہاں بھی ان سے مراد یہی ہے کہ ایسا کرنے والا اس معاملے میں ہمارے دین پر عمل پیرا نہیں ہے۔

قرآن مجید نے ہمارے لیے ایسے معاملات میں واضح ہدایات دی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس حکم کی بنیاد یہی آیات ہیں، سورۂ حدید میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

مَـآ أَصَابَ مِنْ مُّصِيبَةٍ فِى الْاَرْضِ وَلَا فِىٓ أَنْفُسِكُمْ إِلَّا فِىْ كِتَابٍ مِّنْ قَبْلِ أَنْ نَّبْرَأَهَا إِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيرٌ. لِّكَيْلَا تَأْسَوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوْا بِمَآ اٰتٰكُمْ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ. الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ وَيَأْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَمَنْ يَّتَوَلَّ فَإِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِىُّ الْحَمِيْدُ. (حدید۵۷:۲۲-۲۴)

''اور تمھیں کوئی مصیبت بھی نہیں پہنچتی ہے، نہ زمینی پیداوار میں اور نہ تمھارے اپنے نفوس کے اندر، مگر یہ کہ وہ لکھی ہوئی ہے ایک کتاب میں، اس سے پہلے کہ ہم اس کو وجود میں لائیں اور یہ اللہ کے لیے نہایت آسان ہے۔ یہ بات تمھیں اس لیے بتائی جا رہی ہے کہ جو چیز جاتی رہے اس پر غم نہ کرو اور نہ اس چیز پر اتراؤ جو اس نے تمھیں بخشی ہے اور یاد رکھو کہ اللہ اکڑنے والوں اور فخر کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔''

یہی وجہ ہے کہ اللہ پر پختہ ایمان رکھنے والوں اور اس کے فیصلوں پر راضی رہنے والوں کا رویہ قرآن مجید میں یہ بیان ہوا ہے کہ جب ان پر ایسی کوئی مشکل آتی ہے تو ان کا رویہ کامل سپردگی اور رضا کا ہوتا ہے۔ ارشاد ہے:

وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ. الَّذِيْنَ إِذَآ أَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالُوْٓا إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّـآ إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ. أُولٰٓـئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ وَأُولٰٓـئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ. (البقرہ۲:۱۵۵-۱۵۷)

''ان ثابت قدموں کو خوش خبری سنا دو، جن پر کوئی مصیبت آتی ہے تو پکار اٹھتے ہیں کہ ہم اللہ ہی کے لیے ہیں اور اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں، انھی پر اللہ کی عنایتیں اور رحمتیں ہوں گی اور یہی فلاح پانے والے ہیں۔''

اس آیت سے یہ واضح ہوتا ہے کہ وہ آدمی جو اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتا ہے، اس سے دین مصائب کے مواقع پر چاہتا ہے کہ وہ صبر و استقامت سے ان کا سامنا کرے۔ اس کے منہ سے کوئی ایسی بات نہ نکلے جو اس کے ایمان و عقیدہ سے انحراف پر دلالت کرتی ہو۔

اس آیت کی روشنی میں اس حدیث سے جو باتیں معلوم ہوتی ہیں، وہ مختصراً اس طرح ہیں:

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

پہلی بات یہ ہے کہ موت اللہ کی طرف سے آتی ہے، اس لیے اس کو ظلم نہیں سمجھنا چاہیے اور اگر آدمی اس پر چیخے اور چلائے تو وہ اپنے عمل سے یہ ثابت کرتا ہے کہ اس کی نظر میں اللہ نے (نعوذ باللہ) اس پر ظلم کیا ہے۔

دوسری یہ کہ موت لواحقین کے لیے تذکیر اور یاد دہانی ہے۔ یہ آدمی کو یاد دلاتی ہے کہ ان مرنے والوں کی طرح، اسے بھی ایک دن موت سے ہم کنار ہونا ہے۔ چنانچہ اسے اس پر بجائے رونے پیٹنے کے اپنی بندگی کا اظہار اس طرح کرنا چاہیے کہ اس کا دل پکار اٹھے کہ ہم اللہ ہی کے لیے ہیں اور ہمیں بھی ایک دن اسی کے دربار میں حاضر ہونا ہے اور جب ہم اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں تو پھر اموال کا چھن جانا، دوستوں اور عزیزوں کا جدا ہو جانا، کوئی خاص اہمیت نہیں رکھتا۔ لیکن اگر وہ چیختا اور چلاتا ہے تو وہ یہ کہنا چاہتا ہے کہ وہ اللہ کے اس موت وحیات کے نظام پر راضی نہیں ہے۔ وہ رو رو کر گویا اس پر احتجاج کر رہا ہے اور اس کے بھائی کے لیے موت کا جو حکم آسمان سے آیا ہے، اسے وہ صبر کے ساتھ قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہے۔

تیسری یہ کہ موت پر صبر اور استقامت دکھانے والوں کے لیے اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اور فضل ہے اور یہی لوگ اللہ کے سکھائے ہوئے راستے پر ہیں اور جو لوگ ان مواقع پر صبر اور استقامت سے کام نہیں لیتے، وہ اللہ کے سکھائے ہوئے راستے کو اختیار کرنے والے نہیں بنے۔

[۱۹۹۸ء]

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

باغی کی سزا

عن ابن عمر رضی اللّٰہ عنہ أن النبی صلی اللّٰہ علیہ و سلم، قال: 'من حمل السلاح علینا، فلیس منّا'.

(متفق علیہ اصحاب الصحاح واحمد بن حنبل)

ابن عمر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے ہمارے خلاف ہتھیار اُٹھائے، وہ ہم میں سے نہیں۔

شرح حدیث

'ہمارے' سے مراد ریاست اسلامیہ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ جملہ اسلامی ریاست کے حکمران کی حیثیت سے ارشاد فرمایا ہے۔ 'حمل علینا' میں 'علینا' کے الفاظ عربیت کے قاعدے کے مطابق 'ریاست اسلامیہ' یا دوسرے الفاظ میں 'جماعۃ المسلمین' کے معنی پر دلالت کر رہے ہیں۔

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

'ہتھیار اٹھانے' سے مراد ریاست اسلامیہ کے خلاف باغیانہ اقدام ہے، جس کا مقصد فساد و ابتری ہو۔ اسلاف بھی اس سے یہی مراد لیتے ہیں۔ ابن حجر فرماتے ہیں:

لا يتناول من قاتل البغاة من اهل الحق فيحمل على البغاة وعلى منبدأ بالقتال ظالمًا. (فتح الباری ۱۳/۲۳)

''بغاوت کچلنے والے، اہل حق اس حکم کی زد میں نہیں آتے، اس حکم کا اطلاق ان لوگوں پر ہوتا ہے جو باغی ہیں اور جو ناحق خون بہائیں۔''

چنانچہ، اس حکم کے تحت وہ تمام جرائم آ جائیں گے جو نظم ریاست کے خلاف ہوں، جن سے ریاست میں ایسی بدامنی پھیل جائے کہ لوگ اپنی جان، مال اور عزت کی طرف سے خطرے میں مبتلا ہو جائیں۔ اسی طرح وہ تمام جرائم جو حکومت کے لیے 'لا اینڈ آرڈر' (Law and Order) کا مسئلہ پیدا کر دیں، وہ بھی اسی حکم کے تحت آئیں گے، جیسے دہشت گردی اور تخریب کاری وغیرہ۔ اس مقصد کے لیے جو بھی جرم کیا جائے خواہ وہ قتل، ڈکیتی، رہزنی اور زنا بالجبر ہو یا مسلح بغاوت، وہ جرم اسی حکم کے تحت آئے گا۔

۳۔ قرآن مجید نے بغاوت جیسے جرائم کو اللہ اور رسول سے جنگ قرار دیا ہے اور اس کے مجرموں کے لیے سخت سزاؤں کا حکم دیا ہے:

إِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِيۡنَ يُحَارِبُوۡنَ اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗ وَيَسۡعَوۡنَ فِى الۡاَرۡضِ فَسَادًا اَنۡ يُّقَتَّلُوۡۤا اَوۡ يُصَلَّبُوۡۤا اَوۡ تُقَطَّعَ اَيۡدِيۡهِمۡ وَاَرۡجُلُهُمۡ مِّنۡ خِلَافٍ اَوۡ يُنۡفَوۡا مِنَ الۡاَرۡضِ ذٰلِكَ لَهُمۡ خِزۡىٌ فِى الدُّنۡيَا وَلَهُمۡ فِى الۡاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيۡمٌ. (المائدہ ۵:۳۳)

''جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے بغاوت کرتے ہیں اور ملک میں فساد برپا کرنے میں سرگرم ہیں، ان لوگوں کی سزا تو بس یہ ہے کہ عبرت ناک طور پر قتل کیے جائیں یا سولی پر لٹکائے جائیں یا ان کے ہاتھ اور پاؤں بے ترتیب کاٹ ڈالے جائیں یا علاقہ بدر کر دیے جائیں۔ یہ ان کے لیے اس دنیا میں رسوائی ہے اور آخرت

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

میں بھی، ان کے لیے ایک عذاب عظیم ہے۔''

اسی آیت کے آخری جملے 'یہ ان کے لیے اس دنیا میں رسوائی ہے اور آخرت میں بھی ان کے لیے ایک عذاب عظیم ہے۔' کو مدنظر رکھتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زیر بحث حدیث میں یہ فرمایا ہے کہ 'وہ ہم میں سے نہیں' اسے اس آیت کی روشنی میں سمجھا جائے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ دنیا میں ان کے لیے دردناک سزائیں ہیں اور آخرت میں دردناک عذاب۔ گویا، وہ نہ دنیا میں 'جماعۃ المسلمین' کے فرد رہے اور نہ آخرت میں ان کے ساتھ مومنین جیسا برتاؤ کیا جائے گا۔

[۱۹۹۳ء]

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

یادِ رفتگاں

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

آج تو بزم سخن خاموش ہی اٹھ جائے گی

علوم قرآنی میں دور جدید کا خالق، معارف اسلامی کی تشکیل جدید کا نقیب، فکر و فلسفہ کی تجدید کا سامان ساز، حدیث وسنت کے گم کردہ باب کا فاتح، قدیم و جدید کا رمز شناس، ''حقیقت شرک و توحید'' اور ''حقیقت تقویٰ'' کا مؤلف، ''مقالات اصلاحی'' کا مقالہ نگار، ''دعوت دین اور اس کا طریق کار'' کا مصنف، ''مجموعۂ تفاسیر فراہی'' کا مترجم، عائلی کمیشن کی رپورٹ کا تنقید نگار، امام امین احسن اصلاحی، آج ہم میں موجود نہیں۔ انا للّٰہ و انا الیہ راجعون۔

آج سے دو ڈھائی سال پہلے جب امام امین احسن اصلاحی رحمہ اللہ نے اپنی علالت اور ضعف قویٰ کی بنا پر درس قرآن وحدیث کا سلسلہ بند کیا تو نہ جانے کیوں ذہن میں یہ مصرع، جسے میں نے عنوان بنایا ہے، خود بخود موزوں ہو گیا تھا۔ لیکن یہ مصرع آگے بڑھ کر نظم کی صورت میں ڈھل نہ سکا۔

آج جب مولانا کی وفات کی خبر سنی تو یہ ''بزم سخن'' کی ترکیب کاروان علم وعرفاں میں بدل گئی۔ مجھے خیال ہوا کہ معارف اسلامیہ کی تشکیل جدید کے لیے امام فراہی سے جو علم کا قافلہ چلا تھا، اس کا ایک اور امام رخصت ہو گیا۔ وہ ثانی اثنین چل بسا جو پہلے کے علم وفکر کا امین تھا۔ وہ اصلاحی رخصت ہو گیا جو علم قرآن کی تجدید و اصلاح میں فراہی سے کسی طرح کم نہیں تھا۔ وہ انبیاے بنی اسرائیل کا

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

مثیل رخصت ہو گیا، جس نے احیاے امت کے لیے اسی شاخ تاک کی باغبانی کی جسے انبیا بوتے اور اس کی آب یاری کرتے آ رہے تھے۔ وہ طوبیٰ کا سزاوار چلا گیا جو اس امت میں اجنبی تھا[1]۔

یہ سب کچھ غلط نہیں ہے۔ مولانا کو میں نے پچھلے دس بارہ برس سے بہت قریب سے دیکھا ہے۔ ان کے ہفتہ وار درس قرآن و حدیث کی نشست میں باقاعدہ حاضری کے ساتھ ساتھ ہر ہفتہ میں ایک دن استاد گرامی جناب جاوید احمد صاحب غامدی اور چند احباب کی معیت میں فجر کے بعد ان کے گھر بھی حاضر ہوتا رہا۔ ان ملاقاتوں میں ان کی طبیعت اور مزاج کے کئی پہلو سامنے آئے۔

ان کی جس چیز نے مجھے گرویدہ کیا، وہ یہ ہے کہ وہ ایک ایسے انسان تھے جس نے 'رضیت باللّٰہ ربا' کا سبق خوب پختگی سے یاد کر رکھا تھا۔ میں نے انھیں علمی آرا دیتے، سیاسی تبصرے کرتے، تنقید اور تعریف سنتے، فکر و نظر کی گتھیاں سلجھاتے اور خاموش بیٹھے، غرض کئی مواقع پر دیکھا ہے۔

مولانا کو میں نے بڑھاپے کے اس حصے میں دیکھا ہے جب قویٰ مضمحل ہو چکتے، قلب و ذہن کی فعالیت ختم ہو جاتی، لیکن مولانا عمر کے اس حصے میں بھی پوری طرح چاک و چوبند اور توانا دکھائی دیتے تھے۔ وہ درس قرآن و حدیث کی تیاری کے لیے باقاعدہ مطالعہ کرتے۔ بخاری کے درس کے لیے دو تین شروح پڑھتے، ان کے مباحث کا ناقدانہ تجزیہ کرتے، ان کی غلطیوں کی نشان دہی کرتے اور اس شان سے درس دیتے کہ یہ محسوس نہ ہوتا کہ کوئی کہن سال بزرگ درس دے رہا ہے۔

اسی طرح فجر کے بعد کی نشستوں میں بھی ایک زندہ دل اور تازہ دم بزرگ سے ملاقات رہتی۔ کئی سال جاری رہنے والی ان نشستوں میں ایک دن بھی ایسا نہیں ہوا کہ وہ اسی نوے سال کی عمر کے باوجود صبح سویرے اٹھنے سے عاجز رہے ہوں یا بڑھاپے کی کمزوری اور بے ہمتی نے انھیں ہم سے ملنے سے روک دیا ہو، بلکہ ہم جب بھی گئے، انھیں جاگتے اور انتظار کرتے ہوئے پایا۔ یہ سب کچھ ان کی قوت ارادی کا کرشمہ تھا۔ صبح کی نشستوں کا یہ سلسلہ دو ڈھائی سال پہلے ان پر فالج

---

[1] ان جملوں میں ۱۔ 'علماء امتی کأنبیاء بنی اسرائیل' ۲۔ 'بدا الاسلام غریباً'، روایتوں کی طرف اشارہ ہے۔

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

کے حملے کے بعد رکا۔

علمی گتھیوں کو سلجھانے کی قوت بھی پوری طرح اب تک ان میں موجود تھی۔ بہت سی مشکل احادیث کی انھوں نے نہایت عمدگی سے توضیح کی، ان کا صحیح موقع و محل متعین کیا، غریب الفاظ کے صحیح معنی تک پہنچے، جس سے روایت روز روشن کی طرح واضح ہو جاتی۔ اسی طرح بخاری کی مشکلات کو بھی انھوں نے حل کیا۔ وہ کہا کرتے تھے: بخاری حدیث کی کتاب نہیں، بلکہ امام بخاری کی فقہ کا مجموعہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امام بخاری پہلے، باب کے نام سے، اپنا فتویٰ درج کرتے ہیں پھر اس کی تائید میں روایات لاتے ہیں۔

مزاج میں بڑھاپے کی یبوست بھی نہیں تھی، نہایت خوش گوار انداز میں ملتے۔ ایک خاص طرح کی طنز، ان کی طبیعت کا خاصا تھی۔ میں شروع شروع میں ان کی مجالس میں خاموش رہتا۔ ایک دفعہ ایسا ہوا کہ میں ان کی فجر کی مجلس میں حاضر نہ ہو سکا۔ اگلی دفعہ جب میں حاضر ہوا تو فرمایا: ''آپ کہیں گئے ہوئے تھے۔'' میں نے ہاں میں سر ہلا دیا اور خاموش رہا۔ اس کے بعد دوسرے موضوعات پر گفتگو ہوتی رہی۔ مجلس کے اختتام پر ہم اٹھے اور ان سے ہاتھ ملانے لگے۔ جب میں نے ان سے ہاتھ ملایا تو بولے: آپ کچھ بولتے نہیں، انسان کی تعریف ''حیوان ناطق'' کی گئی ہے۔''

مولانا اپنے بلند علمی مقام کے باوجود چھوٹے بڑے کی تنقید بڑی توجہ اور محبت سے سنتے تھے۔ ایک دفعہ صبح کی نشست میں، میں نے ان سے ایک اختلافی سوال کیا تو فرمایا: ''آپ اپنا سوال چھوڑ جائیں، میں غور کروں گا۔'' اگلے ہفتے جب ہم ان کے گھر پہنچے اور ملاقات کے کمرے میں جا کر بیٹھ گئے۔ مولانا ذرا دیر سے آئے، ان کے ہاتھ میں ان کی کتاب ''مبادی تدبر حدیث'' تھی۔ میری طرف وہ کتاب بڑھا کر گویا ہوئے: ''یہ آپ کے لیے ہے، میں نے بڑی مشکل سے اس پر دستخط کیے ہیں۔ آپ کی رائے ٹھیک تھی۔'' یہ گویا میری حوصلہ افزائی کے لیے ان کی طرف سے انعام تھا۔

مولانا کے یہ الفاظ اور یہ حوصلہ افزائی میرے لیے ناقابل یقین امر تھا۔ یہ وہ دن تھا جب میں نے یہ جانا کہ مولانا فی الواقع صاحب علم ہیں۔ وہ چاہتے تو مجھے ٹال سکتے تھے۔ میرے اعتراض کو

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

محض اپنی شخصیت کے زور پر رد کر سکتے تھے، لیکن انھوں نے ایسا نہیں کیا۔ جس سے میری نگاہ میں مولانا کا مقام اور بلند ہو گیا۔ اور یہ حقیقت ہے کہ 'لا یضرھم من خذلھم' والی روایت مجھے پہلی مرتبہ سمجھ میں آئی، جس میں فرمایا گیا ہے کہ ایسے اہل علم اپنے مخالفین پر ہمیشہ غالب رہیں گے۔ یہ روایت انھی خوبیوں کے حامل علما کے باب میں وارد ہے۔ جن کا جینا اور مرنا حق کے لیے ہوتا ہے، وہ آخر کیسے مغلوب ہو سکتے ہیں؟

مولانا ایسے ہی ایک حق پرست تھے۔ میں نے صوفیا کے بارے میں بڑوں سے سن رکھا تھا کہ حق ان کے ساتھ گردش کرتا ہے، لیکن مولانا کو میں نے دیکھا کہ وہاں چلے جاتے جہاں حق انھیں لے جاتا۔ شاید یہی وصف تھا، جس کی بنا پر وہ ایسی تفسیر لکھنے میں کامیاب ہوئے کہ جو فی الواقع قرآن کی تفسیر ہے۔ جس میں ان کا اپنا فکر و فلسفہ داخل نہیں ہو سکا۔

مولانا ایک متقی شخص تھے، لیکن کبھی اپنے تقویٰ کا ڈھنڈورا نہیں پیٹا۔ جب بھی اس طرح کے کسی موضوع پر بات ہوتی، اپنی کوتاہیوں کا ذکر کرتے۔

ایک مرتبہ ہمارے کسی دوست نے ان سے پوچھا کہ نماز میں خیال کی یکسوئی کیسے حاصل کی جائے۔ فرمانے لگے: ''آدمی کو بتدریج اس مقام تک پہنچنا چاہیے کہ وہ ساری نماز کامل یکسوئی سے پڑھ سکے۔ میں مشکل سے ایک عرصہ تک فاتحہ کی یہ آیت دعا، 'اھدنا الصراط المستقیم' ہی پر توجہ دے پاتا تھا۔'' مولانا اگر یہ بھی فرما دیتے کہ انھیں تو یہ مسئلہ کبھی درپیش نہیں ہوا تو ہم انکار نہیں کر سکتے تھے۔

مولانا کا مرض الموت جب طوالت پکڑ گیا تو نہ جانے کیسے کیسے سوالات ذہن میں ابھرتے۔ ان سوالوں میں ایک سوال یہ بھی تھا کہ آیا مولانا سے اللہ راضی نہیں؟ اس کے جواب میں کبھی میں اپنے آپ کو یہ کہہ کر حوصلہ دیتا کہ اس طرح اللہ انھیں گناہوں سے پاک کر رہا ہے۔ پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض الموت کو بھی یاد کر لیتا اور تسلی پا لیتا کہ آخری وقت کی تکلیف اللہ کی ناراضی کی علامت نہیں ہے، لیکن ان تمام تسلیوں کے باوجود ایک خدشہ اور بھی تھا کہ کہیں تکلیف کی شدت میں کوئی ایسا کلمہ ان کی زبان سے نہ نکل جائے جو ان کے لیے مواخذے کا سبب بن جائے۔

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

لیکن یہ خدشات اس وقت دم توڑ گئے جب ایک دن ہم کچھ دوست ان کی تیمارداری کرنے گئے۔ ان کے خدمت گار سے مولانا کا حال پوچھا تو اس نے بتایا کہ: ''مولانا اب کافی بہتر ہیں، اب بات کا جواب اشارے کنایے سے دینے لگے ہیں۔'' ان کے حق میں جو بات اس نے بتائی وہ یہ تھی کہ: ''آج ظہر کے وقت میں نے مولانا سے کہا کہ نماز کا وقت ہو گیا ہے تو مولانا نے بلا تامل اپنے ہاتھ سینے پر باندھ لیے۔'' مولانا نے نماز پڑھی یا نہیں، میں نے یہ بات جان لی کہ وفا کا یہ پیکر کل کی طرح آج بھی خدا کا وفا شعار بندہ ہے۔

مولانا کی نماز جنازہ میں جب لوگ سینے پر ہاتھ باندھے کھڑے تھے تو میں مولانا کے ان بندھے ہوئے ہاتھوں کو اپنی نم آلود آنکھوں سے دیکھ رہا تھا اور دعا کر رہا تھا: 'اللهم اغفر له ذنوبه، وارزقه دارا خيرا من داره و اهلا خيرا من اهله، وادخله فی عبادك و ادخله فی جنتك'۔

[۱۹۹۸ء]

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

فراہی سیمینار

''مدرسۃ الاصلاح'' کے درو دیوار مہمانانِ گرامی کے منتظر ہیں۔ مدرسہ کا نوتعمیر شدہ ہال آنے والوں کے قدموں میں بچھا جا رہا ہے۔ لوگ آ کر بیٹھتے چلے جا رہے ہیں۔ یہ سب کسی کھوئے ہوئے کی جستجو میں آ بیٹھے ہیں۔ دلوں میں کسی کی یاد ماضی کے پردوں کے پیچھے جھانکنے پر مجبور کر رہی ہے۔ بعض ذہنوں میں ماضی تمام تر رعنائیوں کے ساتھ نگاہوں میں دوڑ رہا ہے: حمید الدین فراہی علیہ الرحمہ سادہ و باوقار لباس، ترکی ٹوپی، بے تسموں کے جدید طرز کے جوتے، چہرے پر ایک شانِ استغنا، ایک وقار اور سنجیدگی، زہد و ورع کا پیکر، ترجمان القرآن، مجسمۂ اذعان و ایقان، صاحب نظام القرآن۔ اپنے کمرے سے نکل کر درس کے کمرے کی طرف رواں:

اے غائب از نظر کہ شدی ہم نشیں دل

درس جاری ہے۔ لفظ و معنی کا رشتہ قائم ہے۔ سمع و فواد فیض یاب ہو رہے ہیں اور عالم یہ ہے کہ:

نشاط بادہ پرستاں بہ منتہیٰ بہ رسید
ہنوز ساقی ما بادہ در سبو دارد

ہال لوگوں سے بھر چکا ہے۔ اس میں اہل علم اور علم دوست لوگوں کی کثیر تعداد موجود ہے۔ مگر ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ کسی کو آنا تھا جو ابھی نہیں آیا۔ لوگ ایک دوسرے سے پوچھ رہے ہیں:

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

مولانا امین احسن تشریف لائے یا نہیں؟ مگر جواب نفی میں ملتا ہے۔ حسرت کہ مدرسہ کے سابق استاد، حمید الدین کے 'امین' بڑھاپے کی وجہ سے بھارت کا سفر نہ کر سکے۔ ''مدرستہ الاصلاح'' کہتا رہا کہ کسی اور کو بھی تو آنا تھا! آہ کہ

وکم من بعید الدار مستوجب القرب

مگر مولانا کا بڑھاپا پاؤں کی زنجیر بن گیا ہے۔ یہ مرد آزاد اس بڑھاپے کے ہاتھوں پابند ہے۔ اس وقت یہ پابندی دل آرزو مند پر بطور خاص گراں رہی، لیکن بے تابی شوق کا عالم یہ رہا کہ ثقل سماعت کے باوجود انھوں نے اس سیمینار کی روداد شیخ سلطان احمد صاحب سے سنی اور دیر تک سنتے رہے:

دیوانگاں ہزار گریباں دریدہ اند
دست طلب بہ دامن صحرا نہ می رسد

شیخ سلطان احمد صاحب نے سیمینار کی روداد سناتے ہوئے فرمایا:

یہ سیمینار بہت کامیاب رہا۔ ہر مجلس میں ڈیڑھ دو سو حاضرین تو ضرور موجود رہے اور تیسرے دن تک یہ جذب و شوق دیکھنے کو ملتا رہا۔ اس سیمینار کا افتتاح مولانا ابوالحسن علی ندوی نے کیا۔ کہتے ہیں کہ ستر کے قریب مقالے موصول ہوئے۔ تین دن کے اس پروگرام میں ان سب کا سن لینا ناممکن نظر آتا تھا۔ سب مقالہ نگار اپنا اپنا مقالہ پڑھنا چاہتے تھے۔ مگر وقت کی قلت کے باعث کچھ مقالے نہیں پڑھے جا سکے۔ چنانچہ انتظامیہ نے بعد میں سب مقالے چھاپنے کا ارادہ کیا ہے۔ یہ مقالے مولانا فراہی کی زندگی، ان کے علوم و فنون اور فکر و فلسفہ کے حوالے سے لکھے گئے تھے۔

للناس فیما یعشقون مذاھب

اعظم گڑھ میں اس پروگرام پر اتنے لوگوں کا جمع ہونا، علما کا اس تعداد میں مقالے لکھ کر لانا، فکر فراہی کی حقانیت کو تسلیم کرنا اور حمید الدین فراہی کے کام کا اعتراف کرنا، اس چیز کی دلیل ہے کہ

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

یہ فکراب اگراللہ نے چاہاتواس دنیامیں قائم رہے گا۔

اس سیمینار نے ہمیں یہ دکھا دیا ہے کہ وہ ''فکرفراہی'' جوکبھی لوگوں کے لیےایک اجنبی سی چیز تھا،اب ہندوستان کے اہل علم و دانش کے لیے اجنبی نہیں رہا۔اس فکر کے شدید ترین مخالف اس کی دن بدن ترقی سے مرعوب ہیں۔ بے خبراس فکرکو جاننے لگےاوراس پر سوچنے اورغور کرنے کے لیے آمادہ نظر آتے ہیں۔ ''مدرسۃ الاصلاح'' میں برسوں کے کام نے کئی لوگ پیدا کر دیے ہیں جواس فکرکی،اپنی اپنی صلاحیت کے مطابق،خدمت کررہے ہیں۔اپنے، پرائے سب دم بخود ہیں کہ اس سیمینار میں ہندوستان کے تمام علمی حلقوں سے لوگ آئے۔ ''دارالمصنفین'' اور ''جامعۃ الفلاح'' سے بھی احباب نے شرکت کی۔اب ''مدرسۃ الاصلاح''، بلاشبہ، یہ کہنے کا حق رکھتا ہے کہ:

اذا قلت شعرأ اصبح الدهر منشدأ

یہ پروگرام روزانہ تین نشستوں میں ہوتا۔پہلی نشست ظہرتک چلتی۔اس کے بعدطعام وآرام کے لیےوقفہ رہتا۔پھریہ نشست عصرکے بعددوبارہ شروع ہوتی اورمغرب تک چلتی۔مغرب کے بعد تیسری نشست عشاپر جاکرختم ہوتی تھی۔ یہ پروگرام ''مدرسۃ الاصلاح'' کے زیرتعمیر ہوسٹل میں ہوا۔اس کی نامکمل عمارت ایک بڑے ہال کی مانند ہے۔اسی سے جلسہ گاہ کا کام لیا گیا۔مہمان ہوسٹل کے کمروں میں ٹھہرائے گئے۔انتظامات ہرلحاظ سے بے مثال تھے۔

''مدرسۃ الاصلاح'' نے پچھلے سالوں میں خوب ترقی کی ہے۔اس وقت مدرسہ میں سات سو کے قریب طلبہ زیرتعلیم ہیں۔ بڑھتی ہوئی ضروریات کے پیش نظرنئی عمارت بنائی جا رہی ہے۔ ''مدرسۃ الاصلاح''اب شان دارعمارتوں کی صورت میں نمایاں ہے۔امام حمیدالدین فراہی اور مولانا امین احسن صاحب اصلاحی کے کمروں کواسی طرح محفوظ کرلیا گیا ہے تا کہ ان کی یادگار رہے۔

مولانا اصلاحی نے یہ رودادسنی تو فرمایا: خدا کا شکر ہے کہ یہ سیمینار بہت کامیاب رہا۔

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

''مدرستہ الاصلاح'' والوں کی انتظام وانصرام کی صلاحیت تو ان دنوں بھی مشہور تھی جب ان کے پاس وسائل نہ ہونے کے برابر تھے۔اس کی کامیابی کی خبر وہ آخری خوشی ہے جو مجھے حاصل ہوئی ہے۔معلوم ہوتا ہے کہ میری زندگی کے کچھ دن بڑھ گئے ہیں۔

[۱۹۹۱ء]

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

ایک چراغ تھا، نہ رہا

اندھیری رات ہو، بادل چھائے ہوئے ہوں، آندھی بھی چل رہی ہو اور تیز بارش اس آندھی کو طوفان بادوباراں کی صورت دے دے تو ایسے میں دیواروں کے پیچھے جلتے چراغ بھی بجھ جاتے ہیں۔

تقلید کا دور بھی علم و تحقیق کے چراغوں کے لیے کچھ ایسی ہی طوفانی رات ہے۔ اس میں اول تو چراغ جلانا ہی دشوار ہے اور اگر کوئی مرد درویش یہ چراغ روشن کر ہی لے تو یہ آندھیاں اور طوفان گویا ہر وادی اور صحرا کو بھول کر اس چراغ کا رخ کر لیتے ہیں۔ کفر و انکار کے فتووں سے لے کر تذلیل و اہانت تک کے ہر طوفان کو اس چراغ پر آزمایا جاتا ہے۔ نہ جانے اس کی وجہ کیا ہے۔ شاید یہ روشنی لوگوں کو پسند نہیں ہوتی یا پھر ان چراغوں کو بجھانے کی سعی و جہد کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ:

اپنی محرومی کے احساس پہ شرمندہ ہیں
خود نہیں رکھتے تو اوروں کے بجھاتے ہیں چراغ

ان طوفانوں سے چراغ کو بچانے کے لیے ہاتھ کے پیالے سے کام لیجیے تو ہاتھ جلتے ہیں، دامن کا سہارا لیجیے تو وہ بھڑک اٹھتا ہے اور اگر اس سعی سے باز آ جایئے تو چراغ بجھتا ہے۔ گویا،

کام وہ آن پڑا ہے کہ بنائے نہ بنے

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

ایسے ہی ایک طوفانی ماحول میں ایک چراغ کم وبیش ساٹھ سال تک روشن رہا، وہ بار ہا ٹمٹمایا، تھرایا، سنبھلا اور—— پھر بالآخر بجھ گیا۔

مولانا حبیب الرحمٰن کاندھلوی اس رمضان المبارک میں اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ ان کے حدیث کے میدان میں علمی کارنامے اپنی جگہ، ہماری نظر میں ان کا مقام اس لحاظ سے بہت بلند ہے کہ انھوں نے اپنی تحقیق سے جس بات کو حق سمجھا، اسی کو حق کہا اور جس کو ناحق پایا، اس کی تردید میں کبھی کوئی مصلحت پیش نظر نہیں رکھی۔

ہزار خوف ہو لیکن زباں ہو دل کی رفیق
یہی رہا ہے ازل سے قلندروں کا طریق

ان کی اس ہمت کی قدر و قیمت اس لحاظ سے اور بھی بڑھ جاتی ہے کہ انھوں نے جس ماحول میں آنکھ کھولی وہ تقلید اور جمود کا ماحول ہے، لیکن اس ماحول کا ایک حصہ ہوتے ہوئے بھی وہ ہمیشہ طائر بلند پرواز کی طرح ان پابندیوں سے آزاد رہے اور حق بات بے جھجک کہتے رہے۔ یہ الگ بات ہے کہ بے سروسامانی کی وجہ سے ان کی تصانیف ان کی عمر کے آخری دور میں شائع ہو سکیں۔

چراغ صبح تک جلتے ہیں، بعض چراغ پو پھٹنے سے پہلے ہی بجھ جاتے ہیں۔ وہ سحر تو دیکھ نہیں پاتے، لیکن اتنا ضرور ہے کہ وہ شب زندہ داروں کے لیے رات کی ظلمتوں میں مینارۂ نور ہوتے ہیں، راہ دکھاتے اور راہ روان شوق کا حوصلہ بھی بڑھاتے ہیں۔ مولانا نے علم و تحقیق کے افق پر طلوع آفتاب تو نہیں دیکھا، لیکن ان کی وجہ سے وادی علم کے سیاحوں کے لیے ایک طویل راہ ہموار ہو گئی ہے۔

اللہ مولانا کی خطاؤں سے درگزر فرمائے اور انھیں اپنی رحمت کے سایوں میں جگہ عطا فرمائے۔ آمین

[۱۹۹۱ء]

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

فکر و نظر

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

یوم الفرقان اور قرآن

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

جنگ بدر کو ہمارے مورخین جس انداز سے بیان کرتے ہیں، حقیقت میں معرکۂ بدر کی نوعیت اس سے مختلف ہے۔ ہم اس مضمون میں غزوۂ بدر کے ان پہلووں کو واضح کریں گے جو عموماً بیان نہیں کیے جاتے۔ یہ غزوہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں اور غلبۂ اسلام کی جدوجہد میں ایک فیصلہ کن اہمیت کا حامل ہے۔ اس غزوہ سے قریش مکہ پر اللہ تعالیٰ کی اس سنت کے نفاذ کا آغاز ہوا، جو اس نے ان قوموں کے لیے طے کر رکھی ہے جن میں وہ اپنے رسول مبعوث کرتا ہے۔ اپنی اس سنت کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا فرمان یہی ہے کہ تم اس میں کبھی تبدیلی نہیں پاؤ گے۔

ہم یہ جانتے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول تھے۔ رسولوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی سنت یہ ہے کہ وہ اپنی قوم پر ہمیشہ غالب رہتے ہیں:

كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِىْ اِنَّ اللّٰهَ قَوِىٌّ عَزِيْزٌ. (المجادلہ ۵۸:۲۱)	”اللہ نے قانون لکھ رکھا ہے کہ میں اور میرے رسول، بالضرور، غالب رہیں گے۔ اور اللہ، بلاشبہ، قوی اور زبردست ہے۔“

رسولوں کے اس غلبے کی ایک صورت یہ ہوتی ہے کہ رسول کی قوم کو ایمان نہ لانے کی صورت

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

میں آسمانی عذاب کے ذریعے سے نیست و نابود کر دیا جاتا ہے۔ رسول اور اس کے ساتھی اس عذاب سے محفوظ رہتے ہیں۔ دوسری صورت یہ ہوتی ہے کہ اگر رسول کی قوم میں سے ایک معتد بہ تعداد ایمان لے آئے اور رسول کو ایک دارالہجرت اور اس میں اقتدار بھی میسر آ جائے تو پھر یہ عذاب رسول کے صحابہ کی تلواروں کے ذریعے سے آتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قوم میں سے بھی ایک قابل ذکر تعداد ایمان لے آئی تھی اور انھیں یثرب (مدینہ) میں اقتدار کے ساتھ دارالہجرت بھی میسر آ گیا تھا۔ اس لیے نوح و لوط علیہما السلام کی طرح آپ کی قوم پر آسمانی عذاب نہیں آیا، بلکہ یہ عذاب صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم کے ہاتھوں سے آیا:

قَاتِلُوْهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِأَيْدِيكُمْ	''ان سے لڑو، اللہ ان کو تمھارے ہاتھوں
وَيُخْزِهِمْ وَيَنْصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ	عذاب دے گا۔ اور انھیں رسوا کرے گا۔
وَيَشْفِ صُدُوْرَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ.	تمھیں ان پر غلبہ عطا کرے گا (جس سے)
(التوبہ ۹:۱۴)	مومنین کے دل ٹھنڈے کرے گا۔''

جنگ بدر قریش پر عذاب الٰہی کے نزول کا پہلا مرحلہ تھا۔ اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ یہ چاہتے تھے کہ جب مشرکین مکہ نے قافلۂ تجارت کی حفاظت کے بہانے مدینہ پر حملہ کرنے کا ارادہ کر ہی لیا ہے تو اب ان کو بچ کر نہ جانے دیا جائے۔ ان پر اس عذاب کی پہلی قسط نازل کر دی جائے جو اللہ نے رسولوں کو جھٹلانے والی قوموں کے لیے لکھ رکھا ہے تاکہ کفر کی جڑ کٹ جائے اور اسلام کا بول بالا ہو:

وَيُرِيْدُ اللّٰهُ أَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمَاتِهٖ	''اور اللہ (اس جنگ سے) چاہتا ہے کہ وہ
وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكَافِرِيْنَ.	حق کا بول بالا کرے اور کافروں کی جڑ کاٹ
(الانفال ۸:۷)	کر رکھ دے۔''

جنگ بدر کا عذاب قوم قریش کو نیست و نابود کرنے ہی کے لیے نہیں، بلکہ 'لاغلبن انا ورسلی' کی سنت الٰہی کے مطابق غلبۂ رسول کے لیے فیصلہ کن بھی تھا۔ اس جنگ کا انجام حیرت انگیز

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

طور پر یہ ہوا کہ اس جنگ میں شریک قریش کے بڑے بڑے سردار مارے گئے اور ان کی کارفرما قوت و قیادت کم و بیش ختم ہو گئی۔ اس لحاظ سے جنگ بدر رسول کو جھٹلانے کے جرم میں نازل ہونے والے عذاب کی پہلی قسط تھی۔

مکہ میں موجود سرداروں میں سے ابولہب اس جنگ میں شریک نہیں ہوا۔ اس نے اپنی جگہ اپنے ایک قرض دار کو بھیج دیا تھا۔ مگر اس کے باوجود ابولہب کا انجام سرداران قریش سے مختلف نہیں ہوا، بلکہ ان سے بھی برا ہوا۔ بدر کے بعد سورۂ لہب نازل[1] ہوئی جس میں صاف صاف اعلان کر دیا گیا کہ ابولہب صحابہ کی تلواروں سے تو بچ گیا، مگر اس عذاب سے نہ بچ سکے گا جو اس کے جرم کی لازمی سزا ہے اور قیامت کے دن بھی وہ ضرور دوزخ میں ڈالا جائے گا۔ چنانچہ فرمایا:

تَبَّتْ يَدَآ أَبِيْ لَهَبٍ وَّتَبَّ مَآ أَغْنٰى عَنْهُ مَالُهٗ وَمَا كَسَبَ سَيَصْلٰى نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ وَّامْرَأَتُهٗ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ فِيْ جِيْدِهَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ. (اللہب ۱۱۱: ۱-۵)

''ابولہب کے ہاتھ ٹوٹ گئے (اُس کے ساتھی مارے گئے) اور خود بھی تباہ ہوا۔ نہ اُس کا مال اُس کے کام آسکا اور نہ اُس کی کمائی۔ وہ بھڑکتی آگ میں پڑے گا اور اُس کی بیوی بھی (آگ میں جائے گی اپنا ایندھن (خود) ڈھوتی ہوئی۔ اس کی گردن میں (ایندھن ڈھونے والیوں کی رسی جیسی) موٹی رسی ہوگی۔''

اس طرح قریش مکہ کی پوری کمان اس جنگ کا لقمہ بن گئی۔ عتبہ، شیبہ، ابوجہل، ابوالبختری، زمعہ بن الاسود، عاص بن ہشام، امیہ بن خلف اور منبہ بن حجاج جیسے بڑے سردار اس جنگ میں مارے گئے۔ یہ سب قریش کے بڑے سردار تھے۔ ان کے علاوہ عباس، عقیل، نوفل، اسود بن عامر، عبداللہ بن رمعہ اور کئی دوسرے بڑے لوگ گرفتار ہوئے۔ چنانچہ اگر یہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ یہ جنگ تکذیب رسول کے جرم پر قریش کے لیے عذاب الٰہی تھی، جس نے قریش کے بیش تر اہم

---

[1] مزید تفصیلات کے لیے دیکھیے: ''تدبر قرآن''، امین احسن اصلاحی: جلد ۹، تفسیر سورۂ لہب۔

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

قائدین نگل لیے تھے۔

یہ عذاب، جیسا کہ ہم نے ذکر کیا، رسول کو جھٹلانے والی قوم پر نازل ہوتا ہے۔ ہم نے جنگ بدر کو اس لیے عذاب الٰہی قرار دیا ہے کہ خود قرآن مجید نے سورۂ انفال میں قریش کے اس انجام کو آل فرعون کے انجام سے تشبیہ دی ہے۔ جس طرح فرعون اور اس کے اعیان واکابر موسیٰ علیہ السلام کا پیچھا کرتے ہوئے غرق دریا ہو گئے تھے۔ اسی طرح قریش کے نمایاں سردار بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیچھا کرتے ہوئے بدر میں مارے گئے۔ فرمایا:

كَدَأْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ كَفَرُوْا بِاٰيَاتِ اللّٰهِ فَأَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ إِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ شَدِيْدُ الْعِقَابِ. (الانفال ۸:۵۲)

”اُن کے ساتھ وہی ہوا جو آل فرعون کے ساتھ ہوا اور جو ان سے پہلے تھے۔ انھوں نے آیات الٰہی کا انکار کیا تو اللہ نے ان کو ان کے جرائم کے بدلے میں پکڑ لیا۔ اللہ بہت سخت سزا دینے والا ہے۔“

پھر فرمایا:

كَدَأْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ كَذَّبُوْا بِاٰيَاتِ رَبِّهِمْ فَأَهْلَكْنَاهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ وَأَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ وَكُلٌّ كَانُوْا ظَالِمِيْنَ. (الانفال ۸:۵۴)

”ان کے ساتھ وہی ہوا جو آل فرعون اور ان سے پہلے لوگوں کے ساتھ ہوا۔ انھوں نے اپنے رب کی آیتوں کا انکار کیا تو ہم نے انھیں ان کے جرائم کے بدلے میں ہلاک کر دیا اور آل فرعون کو (دریا میں) غرق کر دیا۔ اور یہ سب کے سب ظالم تھے۔“

فیصلہ کن جنگ

دوسری چیز یہ واضح رہنی چاہیے کہ معرکۂ بدر مسلمانوں اور مشرکین مکہ کے مابین حق و باطل کی کسوٹی کی حیثیت رکھتا تھا۔ اس کا معاملہ حنین وتبوک جیسا نہیں تھا۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید نے

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

اسے 'یوم الفرقان' کا نام دیا ہے۔ خود قریش مکہ بھی جنگ سے پہلے اسے یہی حیثیت دیتے تھے۔ ابوجہل نے بدر کے میدان میں جو دعا کی اس سے بھی یہی بات معلوم ہوتی ہے:

اللّٰھم أعز الفئتین واکرم القبیلتین. (ابن کثیر، جلد۲)

''اے اللہ، دونوں میں سے عزیز گروہ کو اور عزت دار شریف گروہ کو فتح عطا کر۔''

اور

اللّٰھم اولانا بالحق فانصرہ. (ابن کثیر، جلد۲)

''اے اللہ جو حق کے قریب گروہ ہے، اُس کی مدد فرما۔''

ابوجہل کی اس دعا سے معلوم ہوتا ہے کہ خود کفار مکہ بھی ایک فیصلہ کن جنگ لڑنے کے لیے آئے تھے تاکہ یہ فیصلہ ہو جائے کہ کون حق پر ہے اور کون نہیں۔ قرآن مجید نے بھی اس جنگ کو یہی حیثیت دی ہے۔ فرمایا:

إِنۡ تَسۡتَفۡتِحُوۡا فَقَدۡ جَآءَكُمُ الۡفَتۡحُ وَإِنۡ تَنۡتَهُوۡا فَهُوَ خَيۡرٌ لَّكُمۡ وَإِنۡ تَعُوۡدُوۡا نَعُدۡ وَلَنۡ تُغۡنِيَ عَنۡكُمۡ فِئَتُكُمۡ شَيۡئًا وَّلَوۡ كَثُرَتۡ وَأَنَّ اللّٰهَ مَعَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ. (الانفال ۸:۱۹)

''اگر تم فیصلہ چاہتے ہو تو تمھارے سامنے (بدر کی صورت میں) فیصلہ آچکا۔ اگر تم باز آجاؤ تو یہ تمھارے لیے بہتر ہے۔ اور اگر تم پھر یہی کرو گے تو ہم بھی یہی کچھ کریں گے اور تمھاری جمعیت تمھارے کچھ کام نہ آئے گی، خواہ وہ کتنی ہی بڑی کیوں نہ ہو، (اس لیے کہ) اللہ مومنین کے ساتھ ہے۔''

یہی وہ چیز ہے جس نے جنگ بدر کو فرقان کی حیثیت دی۔ جسے اس آیت میں 'الفتح' کے لفظ سے اور دوسرے مقام پر 'یوم الفرقان' کے نام سے تعبیر کیا گیا:

إِنۡ كُنۡتُمۡ اٰمَنۡتُمۡ بِاللّٰهِ وَمَآ أَنۡزَلۡنَا عَلٰى عَبۡدِنَا يَوۡمَ الۡفُرۡقَانِ يَوۡمَ الۡتَقَى الۡجَمۡعَانِ. (الانفال ۸:۴۱)

''اگر تم اللہ پر اور اُس چیز پر ایمان لائے ہو جو ہم نے اپنے بندے پر فرقان کے دن، یعنی دونوں لشکروں کی مڈ بھیڑ کے دن نازل کی۔''

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

مسلمانوں کے اصل دشمن

تیسری چیز یہ واضح رہنی چاہیے کہ اس جنگ میں مسلمانوں کے اصل دشمن گو مشرکین مکہ ہی تھے، لیکن انھیں یہود اور منافقین کی پشت پناہی حاصل تھی۔ اس لیے یہ جنگ اصل میں منصب امامت سے معزول اہل کتاب، خصوصاً بنی اسرائیل، مشرکین مکہ اور مسلمانوں کے درمیان فیصلہ کی جنگ تھی۔ چونکہ بنی اسرائیل اپنی امامت کے منصب سے محروم ہونے، اپنی دل پسند دینی روایات کی شکست و ریخت اور جزیرہ نمائے عرب میں اپنے مقام و مرتبہ کے زوال کو دیکھ کر پریشان تھے، اس لیے وہ مسلمانوں کے ساتھ معاہدے کے باوجود قریش مکہ سے گٹھ جوڑ کیے ہوئے تھے۔ چنانچہ عرب میں مسلمانوں کے اصل دشمن یہی یہود اور مشرکین مکہ تھے:

لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا. (المائدہ ۵:۸۲)

”تم لوگوں میں اہل ایمان کے سب سے بڑے دشمن ان یہود اور مشرکین ہی کو پاؤ گے۔“

منصب امامت کی منتقلی

جیسا کہ ہم نے ذکر کیا کہ یہود اور مشرکین مسلمانوں کے اصل دشمن تھے، اس لیے مدینہ میں مسلمانوں کو سب سے زیادہ خطرہ ان یہود ہی سے تھا۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ تشریف لاتے ہی یہود کے قبائل سے معاہدے کرنے شروع کر دیے تھے تاکہ وہ مسلمانوں کو نقصان نہ پہنچائیں۔ ظاہر ہے کہ یہ معاہدے ان کے دلوں سے اسلام کی دشمنی تو نکال سکتے تھے، اس لیے تحویل قبلہ کے وقت ان کا جوش اور غیظ وغضب دیدنی تھا۔ قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہود اس جنگ میں مشرکین کے ساتھ درپردہ ملے ہوئے تھے۔ براہ راست اقدام وہ اس لیے نہیں کر سکتے تھے کہ معاہدات کی رو سے وہ مسلمانوں کے حلیف تھے۔ دوسرے اس لیے کہ اس میں ان کی بزدلی بھی آڑے آتی تھی۔ قرآن کا ارشاد ہے:

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

وَإِذْ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ أَعْمَالَهُمْ وَقَالَ لَا غَالِبَ لَكُمُ الْيَوْمَ مِنَ النَّاسِ وَإِنِّي جَارٌ لَّكُمْ فَلَمَّا تَرَاءَتِ الْفِئَتَانِ نَكَصَ عَلَىٰ عَقِبَيْهِ وَقَالَ إِنِّي بَرِيءٌ مِّنكُمْ إِنِّي أَرَىٰ مَا لَا تَرَوْنَ إِنِّي أَخَافُ اللَّهَ وَاللَّهُ شَدِيدُ الْعِقَابِ. (الانفال ۸:۴۸)

''اور یاد کرو، جب شیطان نے ان کے اعمال ان کے دلوں میں کھبا دیے اور کہا: آج لوگوں میں سے کوئی نہیں کہ تم پر غالب آ سکے۔ اور میں تمھارا پشت پناہ ہوں۔ تو جب دونوں گروہ آمنے سامنے ہوئے تو وہ اُلٹے پاؤں بھاگا، اور بولا کہ میں تم سے بری ہوں۔ میں جو کچھ دیکھ رہا ہوں وہ تم نہیں دیکھتے۔ میں اللہ سے ڈرتا ہوں اور اللہ سخت سزا دینے والا ہے۔''

امام امین احسن اصلاحی اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''سیرت و مغازی کی کتابوں سے بھی اور قرآن کے ارشادات سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہود شروع ہی سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت سے خائف تھے۔ ابھی آپ مکہ ہی میں تھے کہ انھوں نے طرح طرح سے قریش کو آپ کے خلاف اکسانا شروع کر دیا۔ مدینہ ہجرت فرمانے اور آپ کو انصار کی حمایت حاصل ہو جانے کے بعد تو خاص طور پر انھوں نے یہ محسوس کرنا شروع کر دیا کہ ان کے سینے پر پتھر کی ایک بھاری سل رکھ دی گئی ہے۔ مستقبل کے سیاسی اندیشوں کے علاوہ خود اپنے صحیفوں کی پیشین گوئیوں کی بنا پر بھی ڈرتے تھے کہ مبادا یہ وہی پیغمبر ہوں جن کا ذکر ان کے ہاں پہلے سے چلا آ رہا ہے۔

اپنی بزدلی کے سبب سے وہ آپ کے خلاف براہ راست کوئی اقدام کرنے کی جرأت بھی نہیں کر سکتے تھے۔ البتہ، در پردہ، وہ قریش کے لیڈروں کو برابر اکساتے رہے اور مدینہ میں اوس و خزرج کے اندر بھی ساز باز کرتے رہے۔ ایسے حالات میں یہ بات بالکل قرین قیاس ہے کہ قریش نے جب قافلہ کی حفاظت کے بہانے مدینہ پر حملہ کی اسکیم بنائی ہو تو اس میں یہود کا مشورہ بھی شامل رہا ہو۔ اور انھوں نے قریش کو ورغلایا ہو کہ اول تو تمھاری بھاری جمعیت خود ہی مٹھی بھر مسلمانوں کو کچل دینے کے لیے کافی ہے، لیکن ضرورت پڑی تو ہم بھی تمھاری مدد کو حاضر

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org
"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

ہیں۔'' (تدبر قرآن ۳/۴۹۰)

چنانچہ اس آیت کے مطابق شیطان یعنی یہود[۲] میدان بدر سے بھاگ نکلے۔ اس طرح گویا شیطان کے خلاف، جو انسان کا ازلی دشمن ہے اور اس کے پیروکاروں کے خلاف شکست کا فیصلہ سنا دیا گیا۔ مختصراً یہ کہ بدر کی فتح عرب میں شرک کی قوتوں کی شکست تھی اور پورے عرب پر اس حکومت کے قیام کے لیے پہلی بڑی فوجی کارروائی تھی جس کو سیدنا مسیح علیہ السلام نے ''خداوند کی پادشاہی'' قرار دیا تھا۔

چونکہ بنی اسرائیل بھی امامت کے منصب سے معزول کیے جا رہے تھے اور یہ منصب اب امت مسلمہ کو سونپا جانے والا تھا، اس لیے جنگ بدر، اس معزولی اور اس ذمہ داری کے سونپنے کی وہ

---

۲ بعض مورخین نے اس آیت میں مذکورہ شیطان سے ابلیس مراد لیا اور کہا ہے کہ ابلیس سراقہ بن مالک بن جعشم مدلجی کے روپ میں آیا اور قریش کو اپنی تائید ونصرت کا یقین دلایا، لیکن عین لڑائی میں بھاگ نکلا۔ حارث بن ہشام نے اسے پکڑ لیا، لیکن اس نے ایسی ضرب لگائی کہ حارث گر گیا اور سراقہ پھر بھاگ نکلا۔ قریش نے کہا کہ سراقہ کہاں بھاگے جاتے ہو؟ کیا تم نے مدد کا وعدہ نہیں کیا تھا کہ ہم سے جدا نہیں ہو گے؟ تو اس نے کہا: میں وہ چیز دیکھ رہا ہوں جو تم نہیں دیکھتے۔ مجھے اللہ سے ڈر لگتا ہے۔ اور اللہ بہت سخت سزا دینے والا ہے۔ اس کے بعد وہ سمندر میں کود گیا۔

یہ بات، ہماری رائے میں، ٹھیک نہیں ہے۔ اس لیے کہ اس 'شیطان' سے ابلیس صرف اسی صورت میں مراد لیا جا سکتا تھا، جب اس کا نام لیا جاتا یا پھر کلام میں کوئی ایسا قرینہ ہوتا جو اس کی طرف ہماری رہنمائی کرتا۔ شیطان سے جن وانس کے سب اشرار مراد ہو سکتے ہیں۔ اس لیے جیسا کہ ہم نے اوپر ذکر کیا، اس 'شیطان' سے مراد 'یہود' ہیں۔ دراصل مکالمے کے جملے 'انّی جار لکم' اور 'انّی بریء منکم' ایسے جملے ہیں کہ جو کسی ظاہری کردار کا تقاضا کرتے ہیں۔ اسی وجہ سے لوگوں نے 'شیطان' کو 'سراقہ مدلجی' کا روپ دے دیا، جبکہ درحقیقت ایسا نہیں ہے۔ البتہ، اتنی بات کہی جا سکتی ہے کہ شیطان یعنی ابلیس اور اس کی ذریت اس سارے عرصے میں وسوسہ اندازیاں کرتے رہے ہوں گے اور یہود وقریش اس کے آلۂ کار بن گئے ہوں۔ اس واقعہ پر جو ہم نے اوپر بیان کیا ہے، کئی عقلی وواقعاتی اعتراضات بھی وارد ہوتے ہیں جن کے نقل کرنے کا یہاں موقع نہیں ہے۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

اہم کڑی ہے کہ جس نے ہوا کا رخ ٹھیک ٹھیک متعین کر دیا تھا کہ قدرت الٰہیہ کا منشا اس نو خیز ملت اسلامیہ کے بارے میں کیا ہے۔ یاد رہے کہ اس جنگ سے تھوڑے ہی دن پہلے شعبان ۲ھ کو تحویل قبلہ کے احکام نازل ہوئے اور ٹھیک اگلے ماہ، رمضان میں بدر کا معرکہ پیش آیا۔ تحویل قبلہ، یہود کی معزولی اور بدر کا معرکہ فتح مکہ کا پتا دے رہے تھے۔ گویا یہ اس عظیم تبدلی کے لیے ابتدائی اقدامات تھے جس کے نتیجے میں بنی اسرائیل منصب امامت سے معزول کیے جا رہے تھے اور قریش مکہ ابراہیم علیہ السلام کی میراث سے محروم کیے جانے والے تھے، الّا یہ کہ وہ ایمان لے آئیں۔

[۱۹۹۲ء]

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

مخاطب سے مایوسی

یونس نینوا کی بستی میں اٹھا اور اس نے خدا کے نام کی منادی کی۔ اس کی دعوت سے دشت و جبل گونج اٹھے، مگر انسانوں کے دل اسے پتھر سے زیادہ سخت اور رات سے زیادہ تاریک دکھائی دیے۔ جب ان دلوں میں کوئی سوز پیدا ہوتا نظر نہ آیا اور ان میں اس نے روشنی کی کوئی کرن نہ دیکھی تو مایوس ہو کر وہ ساحل کی طرف نکل گیا اور شدت غم سے خدا کی اس تعلیم کو فراموش کر بیٹھا کہ:

''اپنی دعوت کو کبھی زیادہ سمجھ کر ترک نہ کر دینا، بلکہ خدا کے فیصلے کا انتظار کرنا۔''

سو، خدا نے یونس کو مچھلی کے پیٹ میں قید کر دیا۔ پھر اسے اس اندھیرے سے نکالا اور فرمایا:

''جا، تیری قوم تیرے انتظار میں ہے۔''

یونس مچھلی کے پیٹ سے نکل کر قوم کی طرف گیا تو دیکھا کہ اس کی قوم اپنے بادشاہ کے ساتھ اس کے استقبال کے لیے آئی ہے۔ یونس بہت حیران ہوا اور اس کو احساس ہوا کہ اس کی مایوسی ٹھیک نہ تھی۔ پھر اس کی قوم اس کے ہاتھ پر ایمان لائی اور مسلمان ہوئی۔

پھر کیا ہوا کہ وادی غیر ذی زرع میں محمد عربی کو خدا نے مبعوث کیا اور یہ حکم دیا کہ وہ خدا کے نام کی بڑائی بیان کرے اور اسے بھی نصیحت کی کہ: ''اپنی دعوت کو کبھی زیادہ سمجھ کر ترک نہ کر دینا، بلکہ خدا کے فیصلے کا انتظار کرنا'' اور یہ بھی فرمایا کہ: ''مچھلی والے کی طرح جلدی نہ کرنا۔''

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

تو اے داعیان حق، تم کیوں اپنے مخاطب سے اتنی جلدی مایوس ہو جاتے ہو؟ کیا تمھارے لیےانبیا کی سیرت میں کوئی سبق نہیں ہے؟

[۱۹۹۴ء]

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

اصلاح بزور بازو نیست

ہر راہی جو اپنے راستے سے واقف نہ ہو، اپنے رہنما کا محتاج ہوتا ہے۔ ازل سے انسان اسی روش پر چلا آ رہا ہے۔ نہ کسی قوم نے آج تک اس سے انحراف کیا ہے، اور نہ کسی معاشرے نے۔

ہمارا رہنما دین اسلام ہے۔ ہم، اگر کوئی اقدام کریں تو لازم ہے کہ اس دین کی رہنمائی میں کریں جو ہمارا ہادی ہے، مگر افسوس کہ اس دور میں عامی تو کیا، خود دین کے علم بردار بھی، دین ہی کے لیے، دین کے نام پر، غیر دینی حرکات کرتے نظر آتے ہیں۔

مثلاً، اسلام نے ریاست کے اندر، حکومت کے سوا، کسی کو یہ حق نہیں دیا کہ وہ کسی برائی کے خاتمے کے لیے مسلح اقدام کرے۔ اسلام کے اجتماعی اصولوں کے مطابق یہ صرف حکومت کا حق ہے۔ یہ حق کسی شہری کو حاصل نہیں ہے، خواہ اس نے اپنے گرد کتنی ہی جمعیت جمع کر لی ہو اور کتنی ہی قوت بہم پہنچائی ہو۔ یہ اصلاح نہیں انارکی ہے، یہ حق ادا کرنا نہیں حق تلفی ہے، یہ جہاد نہیں فساد ہے۔ ایسا کرنے والا 'فساد فی الارض' کا باعث بنتا ہے، اس لیے وہ گردن زدنی ہے۔

اس سلسلے میں اسلام کو پروا نہیں کہ ایسا کرنے والا کون ہے۔ کسی دینی تحریک کا لیڈر رہے یا دین کے کسی محاذ کا مجاہد، وہ کسی بیوہ کی مدد کر رہا ہے یا کسی غریب کی چیز غصب کرنے والوں سے چھیننے جا رہا ہے۔ اس کے نزدیک یہ سب 'مفسدین فی الارض' ہیں۔ دین کی متعین کردہ حدود سے تجاوز

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

کرنے والے ہیں۔ نہ جانے مسلمان یہ کیوں بھول گئے ہیں کہ اچھی لگنے والی ہر چیز نیکی نہیں ہوتی، نیکی صرف وہ ہے جو قرآن وسنت کے خلاف نہ ہو۔ ہمیں ہر اصلاحی کام کرتے ہوئے یہ دیکھ لینا چاہیے کہ جس کو ہم اصلاح کہہ رہے ہیں، کہیں وہ قرآن کے نزدیک فساد تو نہیں ہے۔ کہیں ہماری حالت وہی تو نہیں ہے کہ ''جب ان سے یہ کہا جاتا ہے: زمین میں فساد نہ مچاؤ تو کہتے ہیں: ہم تو اصلاح کرنے والے ہیں''۔ اور پھر قرآن یہ اعلان کر دیتا ہے کہ ''آگاہ رہو کہ یہ فساد کرنے والے ہیں۔'' (البقرہ ۲: ۱۱-۱۲)

[۱۹۹۴ء]

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

ایاک نستعین: ایک اہم پیغام

سورۂ فاتحہ جن مضامین کی حامل ہے، وہ یقیناً نہایت گہرے اور وسیع سمندر کے مانند ہیں، تصورِ رب، ہدایت، اس کی بنیاد، اس کی طلب، اس کا شعور اور اس کی تاریخ کو جس خوبی سے اس سورہ میں تلمیح، کنایے اور بیان کے اسالیب میں سمیٹا گیا ہے، اس کی نظیر شاید ہی کسی کلام میں ملتی ہو۔ ہم ان سب مضامین سے صرف نظر کرتے ہوئے ــــ اس لیے کہ ان پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے ــــ قارئین کو ایک ایسی بات کی طرف توجہ دلانا چاہتے ہیں، جسے وہ ہر روز پڑھتے ہیں، مگر اس کے اہم پیغام سے غیر ارادی طور پر بے اعتنائی سے گزر جاتے ہیں۔

سورۂ فاتحہ کا یہ پیغام اس کی آیت 'اِیَّاكَ نَعۡبُدُ وَاِیَّاكَ نَسۡتَعِیۡنُ' کے بین السطور ہے۔ 'نستعین' میں جس استعانت اور مدد کی بات کی گئی ہے، وہ عام انسانی سطح پر مانگی گئی مدد نہیں ہے، بلکہ یہ وہ مدد ہے جو کسی مافوق الفطرت قوتوں کی مالک ذات سے مانگی گئی ہو۔ مثلاً ایک مدد دریا میں ڈوبنے والا ساحل پر چلتے راہ گیروں کو پکار کر مانگتا ہے، جو وہاں موجود ہونے کی وجہ سے اس کی پکار سن سکتے ہیں اور پانی میں اتر کر اس کی جان بچا سکتے ہیں۔

ایک مدد وہ ہے جو مثلاً ڈوبنے والا کسی ایسے شخص کو پکار کر مانگتا ہے جو نہ وہاں موجود ہوتا ہے اور نہ وہ راہ گیر کی طرح پانی میں اتر کر اس کی مدد کرتا ہے، بلکہ پکارنے والے کو یہ یقین ہوتا ہے کہ وہ یہاں موجود نہ ہونے کے باوجود اس کی پکار سنتا ہے اور پانی میں اترے بغیر اپنی جگہ پر بیٹھا بیٹھا اپنی غیر مرئی قوتوں

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

سے اسے بچا سکتا ہے۔ یہی استعانت یہاں 'نستعین' میں مراد ہے۔ اگر اس استعانت کی حقیقت پر غور کیا جائے تو یہ 'نعبد' سے الگ نہیں ہے، بلکہ اسی کا ایک بڑا حصہ ہے۔ استعانت دعا ہے اور دعا عبادت کا بھی مغز ہے۔ چنانچہ اگر استعانت عبادت ہی کا ایک بڑا حصہ ہے تو پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اسے الگ سے بیان کیوں کیا گیا ہے اور اتنی اہم سورہ میں اسے ہی کیوں بیان کیا گیا ہے۔

اس کو الگ سے بیان کرنے کا ایک پہلو یہ ہے کہ اسلام کے بعد بالخصوص اور اسلام سے پہلے بالعموم، یہ بات تاریخ مذاہب میں دیکھی جا سکتی ہے کہ شرک کا آغاز ہمیشہ استعانت ہی سے ہوتا ہے۔ لوگ کچھ بزرگوں یا خیالی شخصیات کو خدا کا مقرب سمجھتے اور اپنے گناہوں کی معافی اور اپنے دنیوی مسائل کے حل کے لیے ان کی وساطت سے مدد طلب کرتے ہیں۔

ٹھیک اسی طرح امت مسلمہ میں بھی بعض علاقوں اور مکاتب فکر میں شرک شروع ہو رہا ہے۔ یہ شرک استعانت ہی کی نوعیت کا ہے۔ لوگ ماضی و حال کی بعض شخصیات کو ''وسیلہ'' قرار دیتے اور ان سے اولاد، مال و دولت کی محرومی کی صورت میں طالب مدد ہوتے ہیں۔

ہم سورۂ فاتحہ کی اس آیت کی روشنی میں اللہ تعالیٰ کی اس رہنمائی کو پورے وثوق سے سمجھ سکتے ہیں کہ یہ استعانت بھی شرک ہے۔ جس طرح کسی کے آگے سجدہ کرنا ممنوع ہے، اسی طرح اس نوعیت کی مدد طلب کرنا بھی شرک و گناہ ہے۔ 'ایاك نعبد' کے بعد 'ایاك نستعین' کا اضافہ امت کی تعلیم کے لیے تھا۔ چونکہ پرستش اور استعانت، دونوں میں شرک ہوتا ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے ہماری یاددہانی کے لیے 'ایاك نستعین' کو سورۂ فاتحہ کا حصہ بنا دیا ہے تاکہ پانچ وقت کی نماز امت کو اس بات کی یاددہانی کرائے کہ پرستش کی طرح خدا کے سوا کسی سے طلب مدد یا استعانت بھی بچنے کی چیز ہے۔

خدا ہمیں 'ایاك نعبد' کے ساتھ ساتھ 'ایاك نستعین' کا سبق یاد رکھنے اور اس پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔

[۲۰۰۲ء]

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

اولئک علیٰ ھدی من ربھم

سورۂ بقرہ کی ابتدا ہی میں صحابہ رضوان اللہ علیہم کے ایمان لانے کا بیان ان الفاظ پر ختم ہوا ہے:

'أُولَـٰٓئِكَ عَـلَـىٰ هُـدًى مِّـنْ رَّبِّهِـمْ وَأُولَـٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ' (یہی لوگ اپنے رب کی ہدایت پر ہیں اور یہی فلاح پائیں گے)۔

اس آیت میں سب سے بڑی بات جس پر غور کرنا چاہیے، وہ 'هُـدًى مِّـنْ رَّبِّهِـمْ' کے الفاظ میں ہے، یعنی رب کی ہدایت۔ سب الہامی مذاہب کی تاریخ اس اعتبار سے یکساں ہے کہ وہ ''اپنے رب کی ہدایت'' سے شروع ہوتے رہے اور پھر اپنے ماننے والوں کے ہاتھوں سے لکھے ہوئے فتووں کی نذر ہو کر ''اپنے رب کی ہدایت'' ہونے کے اعزاز سے محروم ہو جاتے رہے ہیں۔ یہودیت پر ہم سے پہلے قرآن کا یہی تبصرہ ہے: '...يَكْتُبُونَ الْكِتَٰبَ بِأَيْدِيهِمْ ثُمَّ يَقُولُونَ: هَٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ'، ''...فتویٰ اپنے ہاتھ سے لکھتے اور پھر کہتے کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے۔'' (البقرہ ۲: ۷۹)

ہماری امت نے بھی کچھ ایسا ہی کیا۔ چنانچہ آج ساری امت اپنی اپنی لکھی اور اکٹھی کی ہوئی باتوں میں مگن ہے۔ اور اپنے ہاتھوں سے کیے ہوئے اس کام کو اللہ کا دین سمجھتے ہیں۔ اگر قرآن آج نازل ہوتا تو شاید اس کا ہم پر بھی تبصرہ یہی ہوتا کہ '...يَكْتُبُونَ الْكِتَٰبَ بِأَيْدِيهِمْ ثُمَّ يَقُولُونَ: هَٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ'، ''... فتویٰ اپنے ہاتھ سے لکھتے اور پھر کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے۔''

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

اس ''اپنے لکھے ہوئے دین'' سے محبت کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ آج اصلاح امت کے لیے قرآن اور سنت ثابتہ پر مبنی کوئی بات بلند ہوتی ہے تو وہ صرف اس وجہ سے رد کر دی جاتی ہے کہ یہ ان کے مسلک (ہاتھ سے لکھے ہوئے دین) کے خلاف ہے، حالانکہ وہ 'هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ' ہوتی ہے۔ چنانچہ ہم اپنی اس روش کی وجہ سے 'أُولَـٰئِكَ عَلَىٰ هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ' کے اعزاز سے محروم ہو جاتے ہیں۔ اس لیے کہ صحابہ نے یہ اعزاز حاصل ہی اس وجہ سے کیا تھا کہ وہ سب گروہی، نسلی اور مذہبی تعصب سے بلند ہو کر اس دین پر ایمان لائے تھے جو محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے۔ انھوں نے متعصب لوگوں کے برعکس یہ نہیں کہا کہ ہم نے اپنے آباو اجداد کو جس دین پر پایا ہے، بس اسی کو تسلیم کریں گے۔ صحابہ نے جس حق کو خدا کا دین سمجھا، اسے قبول کر لیا۔

صحابہ اسی وجہ سے اس اعزاز کے مستحق ٹھیرے کہ ''وہ اپنے رب کی ہدایت پر ہیں''۔ صحابہ رضوان اللہ علیہم کے اس عمل کی روشنی میں اگر ہم نے بھی یہ اعزاز حاصل کرنا ہے تو یہ ضروری ہے کہ قرآن اور سنت ثابتہ کی طرف ہر تعصب کو بھول کر صرف اس وجہ سے لوٹ جائیں کہ یہ ''ہمارے رب کی ہدایت'' ہے۔ دیکھیے اسی رویے کے ساتھ آخرت کی کامیابی کی نوید بھی ہے کہ 'وَأُولَـٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ' ''اور یہی فلاح پائیں گے''۔ اس کے برعکس اس وقت کے یہود نے اپنے گروہی اور نسلی تعصب کی وجہ سے جب ''رب کی اس ہدایت'' کو جھٹلا دیا تو ان کے مقابلے میں صحابہ کی یہ شان بیان کی گئی اور ظاہر ہے کہ یہود کے خلاف یہ بات آپ سے آپ ثابت ہو گئی کہ وہ نہ اپنے رب کی ہدایت پر ہیں اور نہ فلاح پائیں گے۔

اب ہمارے سامنے قرآن مجید کے اس مقام کے حوالے سے دو مثالیں ہیں۔ ایک صحابہ کی جو صرف اس لیے جیتے ہیں کہ اپنے رب کی ہدایت پر رہیں اور دوسرے یہود ہیں جو تعصب کی وجہ سے اپنے فقہا اور صوفیوں کو نہیں چھوڑتے، مگر خدا کی ہدایت کا انکار کر دیتے ہیں۔ ہمیں اپنے طرز عمل کو انھی پر پرکھ کر دیکھنا چاہیے کہ آیا ہم صحابہ کی طرح ہیں یا اس زمانے کے یہود کی طرح؟

[۲۰۰۲ء]

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

خدا کو دھوکا دینا ـــــ ایک مہلک مرض

خدا کو دھوکا دینا مذہبی اقوام کا ایک مشترک مرض ہے، یہود کی یہ داستان قرآن میں بیان کی گئی ہے کہ وہ کس طرح قرآن کے نزول سے پہلے خود اپنے ہاتھ سے شریعت لکھتے اور کہتے کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے۔ اس سے وہ حیلے تحریر کرتے اور خدا کی شریعت کے ساتھ کھیلتے۔ صدیوں کے تعامل سے خدا کو دھوکا دینے کی یہ عادت اتنی پختہ ہو چکی تھی کہ جب قرآن مجید نازل ہوا تو یہود نے اس موقع پر بھی خدا کو (نعوذ باللہ) جل دینے کی کوشش کی۔

اس کا بیان قرآن مجید میں آیا ہے:

''وہ اللہ اور اہل ایمان، دونوں کو فریب دینا چاہتے ہیں اور واقعہ یہ ہے کہ اپنے آپ ہی کو فریب دے رہے ہیں، لیکن اس کا شعور نہیں رکھتے۔'' (البقرہ ۲:۹)

دھوکا دینے کا مطلب یہ ہے کہ ایسے طریقے سے جرم کیا جائے کہ شریعت یا فقہ کے ظاہری ڈھانچے کی پیروی بھی ہو جائے اور وہ کام بھی ہو جائے جو شریعت کے منشا کے خلاف تھا۔ اس کی ایک مشہور مثال یہود کا سبت کے دن کا حیلہ ہے، جس میں وہ سبت کے دن بظاہر شکار بھی نہ کرتے اور اس حیلے کے ذریعے سے مچھلیاں بھی پکڑ لیتے۔

امت مسلمہ میں بھی دھوکے کا یہ مرض عام ہے۔ اسی مرض کی وجہ سے ہم نے کئی حرام اشیا

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

اپنے اوپر حلال کر لی ہیں اور کئی ممنوع کاموں کے لیے راستے نکال لیے ہیں۔ سود کی کئی شکلیں ہم نے اپنے لیے اسی طریقے سے حلال کر رکھی ہیں۔ خدا کو دھوکا دینے کا ایک سادہ راستہ ہم نے یہ نکالا ہوا ہے کہ اپنے حالات مولوی صاحب کو بتا کر مجبوری ثابت کر کے ان سے فتویٰ لے لیا اور پھر خواہ وہ مجبوری ہو یا نہ ہو، اس پر عمل کرتے رہے اور اپنی تسلی کے لیے اسی فتوے کو کافی سمجھا۔ اس کی سادہ مثال زکوٰۃ دینے میں ہے۔ لوگوں کو فقہا کا یہ فتویٰ معلوم ہے کہ جس پر قرض ہو، وہ زکوٰۃ سے مستثنیٰ ہے۔ چنانچہ اب لوگ اس موقع پر زکوٰۃ نہیں دیتے کہ جب ان پر قرض ہو، خواہ قرض کی مقدار معمولی ہو۔ مثلاً بعض اوقات زکوٰۃ پچاس ہزار روپے بن رہی ہو گی اور قرض اس سے کہیں تھوڑا سا ہو گا، مگر اس بہانے سے زکوٰۃ روک لی جائے گی۔

اس طرح کے اور بھی کئی حیلے ہیں، مثلاً عربوں کو زکوٰۃ دیتے وقت دیکھا گیا ہے کہ جب وہ زکوٰۃ دیتے ہیں تو ان کی زکوٰۃ سیروں کے حساب سے زیورات کی صورت میں نکلتی ہے۔ زکوٰۃ کا حساب وہ پوری دیانت داری سے کرتے ہیں۔ ان زیورات کو وہ ایک بالٹی میں ڈالتے ہیں اور ان زیورات کے اوپر چار پانچ سیر گندم ڈال کر اسے ڈھانپ دیتے ہیں۔ پھر وہ بالٹی کسی فقیر کو دے دی جاتی ہے جو زکوٰۃ لینے کے لیے دروازے پر کھڑا ہوتا ہے۔ جب فقیر وہ بالٹی لے کر چل پڑتا ہے تو گھر کا کوئی فرد اس کے پیچھے جا کر اس سے پوچھتا ہے کہ آیا یہ گندم بیچنے کے لیے ہے؟ تو وہ اس فقیر سے یہ چار پانچ کلو گندم دو ڈھائی سو روپے میں خرید کر گھر لے آتا ہے۔ جس کے نیچے لاکھوں روپے کی مالیت کے زیورات چھپے ہوتے ہیں۔ بظاہر تو اس میں انھوں نے زکوٰۃ پوری دیانت داری سے نکالی اور فقیر کو دے دی اور اس کے علم میں آنے سے پہلے اس سے وہ چند سو روپوں میں خرید لی گئی۔

اس کے بعد حیلہ باز ذہن یہ سمجھتا ہے کہ اس نے خدا کے قانون کے مطابق پوری زکوٰۃ ادا کی، اب وہ فقیر سے بالٹی بھر گندم اس کی مرضی سے خرید کر لایا ہے۔ حالانکہ وہ خدا کو دھوکا دے رہا ہے۔ اس نے حقیقت میں بس وہی رقم زکوٰۃ میں نکالی ہے جو اس نے بالٹی بھر گندم کو خریدنے میں صرف کی ہے۔

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

ہم کاروبار میں، لین دین میں اوراس طرح کے بے شمار مواقع پر ایسا ناجائز قانونی اور شرعی راستہ نکالتے ہیں کہ بظاہر اسے ہم شرعی طریقے پر کررہے ہوتے ہیں، مگر حقیقت میں وہ ویسا نہیں ہوتا۔

واضح رہنا چاہیے کہ انسان کے اعمال کا اجروثواب اس کی نیت کے مطابق ملے گا نہ کہ اس کے ظاہر کے مطابق۔ اگر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہجرت کرے اور جماعت صحابہ میں شریک رہے، مگر اس کی نیت خدا کی رضا نہ ہو تو اسے اس کا ثواب نہیں ملے گا، بلکہ اگر اس نے ایسا منافقت یا ریا کاری کی وجہ سے کیا ہے تو اسے اس کی سزا بھی ملے گی، اس لیے کہ یہ مومنین اور خدا کو دھوکا دینا ہے۔

یہ تقویٰ کے لیے ایک مہلک مرض ہے۔ ایسا شخص کبھی تقویٰ کی نعمت سے بہرہ مند نہیں ہوسکتا۔ اس لیے کہ تقویٰ کا مسکن دل کا نگر ہے۔ اگر اس نگر میں فریب اور دھوکا رہنے لگ جائے تو پھر تقویٰ یہاں نہ پیدا ہوسکتا ہے اور نہ یہاں ٹک ہی سکتا ہے۔ چنانچہ جو لوگ تقویٰ کے طالب ہیں، ان کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے اندر سے اس طرح کے تمام افکار و اعمال کو کرید کرید کر نکالیں، جن کی بنیاد اسی دھوکے پر ہے۔

ہم علیٰ وجہ البصیرت یہ سمجھتے ہیں کہ اس فریب اور اس دھوکے کے ایک ایک جز کے نکلنے پر دل کی اس زمین میں تقویٰ و نیکی کا ایک ایک پودا اگتا چلا جائے گا، جو رفتہ رفتہ شجر طیبہ کی شکل اختیار کرے گا۔ جس کے بارے میں قرآن مجید میں آیا ہے کہ اس کی جڑیں بہت گہری ہیں کہ اسے اکھاڑنا ممکن نہیں اور اس کی شاخیں آسمان تک بلند ہیں کہ جنھیں خزاں کی باد سموم سے کوئی اندیشہ نہیں۔

اللہ ہمیں اس مرض کے دل سے کریدنے میں مدد فرمائے اور اس شجر طیبہ کی نشوونما کی توفیق عطا فرمائے۔

[۲۰۰۲ء]

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

مناجات

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

مناجات

دعا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق عبادت کا مغز ہے۔ یہ اس کی روح ہے۔ اس لیے ہم دیکھتے ہیں کہ نماز دین کی سب سے اہم عبادت ہے اور اس پر دعا کا غلبہ ہے۔ سورۂ فاتحہ، تشہد، درود اور اس کے بعد دعائیں، اس بات کا مظہر ہیں کہ دعا عبادت کا ایک بنیادی حصہ ہے۔ یہ خدا اور بندے کے درمیان تعلق کی انتہائی شکل ہے۔

ہم نے دعاؤں کا یہ سلسلہ اسی لیے شروع کیا ہے کہ دین میں دعا اور بالخصوص نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کی سکھائی ہوئی دعاؤں کی ایک خاص اہمیت ہے۔

قرآن مجید اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو دعائیں سکھائی ہیں، ان کی اہمیت درج ذیل اعتبارات سے بہت زیادہ ہے:

ایک، یہ دعائیں ہمیں دعا کرنے کا صحیح طریقہ سکھاتی ہیں۔ دوسرے، وہ خدا سے تعلق کی صحیح بنیادوں کو واضح کرتی ہیں۔ تیسرے، وہ دین کی بعض ایسی حکمتوں کو نمایاں کرتی ہیں جن پر عام طور سے آدمی کی نگاہ نہیں پڑتی، حالانکہ دینی زندگی گزارنے کے لیے ان سے آگاہ ہونا ازبس ضروری ہوتا ہے۔ چوتھے، صبح وشام کے مختلف مراحل میں ان کے پڑھنے سے خدا کی یاد اور اس کے دین کی حکمتوں کی یاددہانی ہوتی رہتی ہے۔ پانچویں، یہ دین کے صحیح تصور کو ذہنوں میں جاگزیں کرتی

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

ہیں۔ چھٹے، ایک طرف وہ بندۂ مومن کو بندگی رب کے مطالبات کا شعور بھی بخشتی ہیں اور دوسری طرف وہ ان مطلوبہ چیزوں سے بھی بندوں کو آگاہ کرتی ہیں جو انھیں خدا سے لازماً طلب کرنی چاہییں۔ ساتویں، مختلف مواقع پر یہ دعائیں کرنے سے وہ مشروع اور مسنون دوام ذکر حاصل ہوتا ہے، جس کے حصول کے لیے اپنے خود ساختہ طریقے ایجاد کر لیے گئے ہیں جن کا دین و شریعت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ آٹھویں، ان دعاؤں میں خدا کا ایک ایسا تعارف بھی ملتا ہے جو بہت سے غلط نظریات کی اصلاح کرتا ہے۔ نویں، خدا کی بندگی میں جو لوگ درجۂ احسان کو پانا چاہتے ہیں، ان کے لیے یہ صبح وشام میں ایسا بدرقہ فراہم کرتی ہیں کہ وہ دنیا کی ہوا و ہوس میں گم ہونے کے بجائے سارا دن خدا کی حضوری میں رہتے ہیں، جو درجۂ احسان کے حصول کے لیے پہلا زینہ ہے۔ دسویں، صبح وشام میں ان کا پڑھنا آدمی کے ایمان کی ایسی گواہی ہے جو ہمارے اعمال نامے میں ایک ایسا قیمتی اضافہ ہے کہ جب ان دعاؤں کو پڑھتے رہنے والا اپنا اعمال نامہ پڑھے گا تو یہ حیرت انگیز بات اس کے سامنے آئے گی کہ دن کے ہر اہم مرحلے پر وہ خدا کا ذکر کرتا رہا اور اس کی ہر نیکی اور بدی کے بعد ذکر الٰہی اور اس سے مناجات کے اس عمل نے کس طرح 'ان الحسنات یذھبن السیئات' کے قرآنی اصول کے مطابق اس کے گناہوں کو اعمال نامے سے صاف کرنے کا عمل کیا ہے۔

یہ وہ دس اہم باتیں ہیں جو ان دعاؤں کو ایک اہم مقام دے دیتی ہیں جس کے پیش نظر ہم سب کو انھیں سیکھنا اور سکھانا چاہیے تاکہ یہ ہمارے لیے توشۂ قیامت میں ایک قیمتی اضافہ بن جائیں۔ ہم کوشش کریں گے کہ ان دعاؤں کی توضیح کرتے ہوئے ان تمام پہلوؤں کو بیان کریں تاکہ قارئین کے لیے یہ ایک مفید سلسلہ بن سکے۔ 'اللّٰھم اجعلھا زادا لنا فی الآخرۃ'۔

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

صبح وشام کے اذکار

(۱)

عن ابی هريرة قال كان رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يعلم اصحابه يقول اذا اصبح احدكم فليقل:

اللّٰهم بك اصبحنا وبك امسينا وبك نحيا وبك نموت واليك المصير واذا امسى فليقل:

اللّٰهم بك امسينا وبك اصبحنا وبك نحيا وبك نموت واليك النشور. (الترمذی: کتاب الدعوات)

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم صحابۂ کرام کو سکھایا کرتے تھے کہ جب صبح ہو تو یہ دعا کیا کرو:

اے اللہ، تیرے فضل سے ہم نے صبح کی اور تیرے ہی کرم سے ہم نے شام کی۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org
"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

ہم تیری ہی عنایت سے زندہ ہیں اور ہم تیرے ہی حکم سے مر جائیں گے اور آخر کار ہم تیری ہی طرف لوٹنے والے ہیں۔

نبی صلی اللہ نے فرمایا کہ جب شام ہو تو یہ دعا کیا کرو:

اے اللہ، تیرے کرم سے ہم نے شام کی اور تیرے ہی فضل سے ہم نے صبح کی۔ ہم تیری ہی عنایت سے زندہ ہیں، اور ہم تیرے ہی حکم سے مر جائیں گے، اور آخر کار ہم تیرے حضور میں اکٹھے ہونے والے ہیں۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

دعا کی وضاحت

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح وشام کے اوقات میں یہ دعا اس لیے سکھائی ہے کہ آدمی صبح وشام کی آمد ورفت سے، زندگی کے بعد موت کی یاددہانی حاصل کرے۔ اسے ان اوقات میں یہ محسوس ہو کہ صبح وشام کا یہ تسلسل، اسے کشاں کشاں اپنے رب کی طرف لے جا رہا ہے۔

روز وشب کا یہ سلسلہ ایک طرف آدمی کو وقت کے گزرنے کا احساس دلائے کہ اس کی مختصر زندگی میں سے ایک دن اور کم ہو گیا ہے اور وہ اپنے انجام سے روز بروز قریب سے قریب تر ہوتا چلا جا رہا ہے تو دوسری طرف یہ سلسلہ اسے زندگی اور موت کا باندازِ تمثیل مشاہدہ کرائے۔ وہ دن کی چھل پہل اور سرگرمیاں دیکھنے کے بعد یہ دیکھے کہ رات نے کس طرح ہر چیز پر موت طاری کر دی ہے۔ چرند پرند، انسان وحیوان، سب نیند کی آغوش میں جا سوئے ہیں اور پھر وہ خود نیند کی پرسکون وادی میں اتر کر موت کے تجربے سے گزرے۔

فطرت کے سب مظاہر انسان کی یاددہانی کے لیے ہیں، مگر انسان اپنے کاموں میں گم ہو کر ان مظاہرِ فطرت سے یاددہانی حاصل نہیں کرتا، بلکہ ان بڑے بڑے تغیرات کو بھی وہ معمول کے چھوٹے چھوٹے واقعات کی طرح توجہ دیے بغیر آگے بڑھ جاتا ہے۔ ان اوقات میں یہ دعا اسی

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

لیے سکھائی گئی ہے کہ یہ دعا بندۂ مومن کی توجہ ان مظاہر کی طرف مبذول کرے تاکہ وہ ان آیات الٰہی میں غور وفکر کرکے ان حقائق کو اپنے ذہن میں تازہ کرلے، جنھیں وہ اپنے کاموں میں مصروف ہوکر بھلا چکا تھا۔

یاددہانی کا یہ اہتمام دین اس لیے کرتا ہے کہ آدمی زندگی کی گھما گھمیوں میں بھول کر کہیں شرک شاہراہ پر نہ جا نکلے۔ چنانچہ دین اسے ہر موڑ پر یہ احساس دلاتا ہے کہ وہ خدا کے حضور پیش ہونے کے لیے، طوعاً وکرہاً، آگے بڑھ رہا ہے۔

(۲)

ان ابا بکر الصدیق رضی اللّٰہ عنہ قال: یا رسول اللّٰہ علمنی ما اقول اذا اصبحت، و اذا امسیت ـــــ فقال: یا ابا بکر قل:

اللّٰھم فاطر السمٰوات و الارض عالم الغیب و الشھادۃ لا الہ الا انت رب کل شیء و ملیکہ اعوذ بک من شر نفسی و من شر الشیطان و شرکہ و ان اقترف علی نفسی سوء ا او اجرہ الی مسلم. (ترمذی، کتاب الدعوات)

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ یا رسول اللہ، مجھے کوئی ایسی دعا سکھائیں، جسے میں صبح وشام کے اوقات میں پڑھا کروں۔ آپ نے فرمایا کہ اے ابوبکر، یہ دعا پڑھا کرو:

اے اللہ، اے زمین وآسمان کے خالق، اے نہاں وعیاں کے واقف، تیرے سوا کوئی الٰہ نہیں، اے ہر چیز کے مالک و پروردگار، میں تجھ سے اپنے نفس کی برائی،

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

شیطان کے شر اور اس کے پھیلائے ہوئے جال کے پھندوں سے تیری پناہ کا طالب ہوں۔ اور اس بات سے پناہ چاہتا ہوں کہ خود کسی برائی کا ارتکاب کروں یا کسی دوسرے مسلمان کے لیے برائی کا موجب بنوں۔

دعا کی وضاحت

صبح اور شام کے اوقات میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو یہ دعا اس حکمت کے پیش نظر سکھائی ہے کہ آدمی اپنے دن اور رات کا آغاز اس شعور کے ساتھ کرے کہ شیاطین جن وانس اس کے لیے ہر وقت گھات لگائے ہوئے ہیں اور اسے ان کے شر سے بچنے کے لیے ہوشیار رہنا ہے۔ اس کا نفس ہر لمحے معرض خطر میں ہے۔ دعا کے الفاظ پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں اس بات کا شعور دلانا بھی مقصود ہے کہ شیطان کے جال دو طرح سے آدمی کو گناہ میں مبتلا کرتے ہیں۔ ایک یہ کہ وہ آدمی خود گناہ کا ارتکاب کرے اور دوسرے یہ کہ آدمی دوسروں کو گناہ کرنے پر ابھارے۔ آدمی کو ان دونوں ہی گناہوں سے متنبہ رہنا چاہیے۔

یہ دعا آپ نے بالخصوص حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو سکھائی ہے، اس لیے کہ ان میں قائدانہ صلاحیتیں تھیں۔ جن لوگوں میں یہ صلاحیتیں ہوتی ہیں، وہ دوسروں پر اثر انداز ہو کر انھیں اچھے اور برے کاموں کے لیے عام آدمی کی نسبت زیادہ آسانی سے آمادہ کر سکتے ہیں۔ چنانچہ آپ نے انھیں اس دعا میں بالخصوص یہ بات سکھائی کہ وہ اللہ سے اس بات کی پناہ مانگیں کہ وہ کسی دوسرے مسلمان کے لیے برائی کا موجب بنیں۔

یہ دعا ایک طرف ان دونوں پہلوؤں سے آدمی کے شعور کو بیدار کرتی ہے اور دوسری طرف ایک شیطان کے فتنوں میں گھرے ہوئے آدمی کے دل سے یہ صدا بن کر بلند ہوتی ہے کہ اے مالک و آقا، مجھے اپنی پناہ میں لے لے، مجھے شیطانی چالوں سے بچا۔ دن اور رات کے آغاز میں یہ دعا اس لیے سکھائی گئی ہے کہ آدمی اس احساس کے ساتھ اپنے دن اور رات کا آغاز کرے کہ گویا

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

اس نے ایک حصار اپنے گرد قائم کر لیا ہے۔ یہ دعا جس قدر گہرے شعور کے ساتھ کی جائے گی، خدا کی پناہ کا یہ حصار اسی قدر محکم ہوگا۔

[۱۹۹۷ء]

---

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

سوتے وقت کے اذکار

(۱)

بأسمك اللّٰهم اموت و احيا. (بخاری ومسلم)

تیرے نام کی برکت سے، اے اللہ، میں رات کو موت سے ہم کنار ہوتا اور صبح دوبارہ زندگی پاتا ہوں۔

(۲)

بأسمك اللّٰهم ربى وضعت جنبى و بك ارفعه . فان امسكت نفسى فارحمها وان ارسلتها فاحفظها بما تحفظ به عبادك الصالحين. (بخاری، مسلم اور سنن اربعہ)

تیرے نام کی برکت سے، اے اللہ، میرے پروردگار، میں نے اپنا پہلو (بستر پر) رکھا۔ اور تیری ہی عنایت سے (صبح) اسے (بستر سے) اٹھاؤں گا۔

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

اگر تو نے میری روح (سوتے میں) روک لی تو میرے مالک اس پر رحم فرما کر اسے معاف کر دینا اور اگر میری روح تو نے لوٹا دی (اور مجھے زندہ رہنے دیا) تو اسی طرح سے اس کی حفاظت فرما، جیسے تو اپنے صالح بندوں کی حفاظت کرتا ہے۔

(۳)

اللّٰھم انت خلقت نفسی و انت تتوفھا، لك مماتھا ومحیاھا، و ان احییتھا فاحفظھا وان امتھا فاغفر لھا، اللّٰھم انی اسئلك العافیة. (مسلم، کتاب الذکر والتوبہ)

اے اللہ، تو نے ہی مجھے بنایا ہے اور تو ہی مجھے وفات دے گا۔ میری موت اور میری زندگی تیرے ہی ہاتھ میں ہے۔ اگر تو مجھے زندہ رکھے تو میری حفاظت کر اور اگر موت دے تو میری مغفرت فرما۔ اے اللہ، میں تجھ سے عافیت کا طلب گار ہوں۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

دعا کی وضاحت

ان دعاؤں کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ قرآن مجید کی ایک آیت پر نگاہ ڈال لی جائے۔

قرآن مجید میں ارشاد ہے:

اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا فَيُمْسِكُ الَّتِيْ قَضٰى عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَيُرْسِلُ الْاُخْرٰٓى اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ. (الزمر ۳۹:۴۲)

''اللہ تعالیٰ ہی وفات دیتا ہے جانوں کو ان کی موت کے وقت اور جن کی موت نہیں آئی ہوتی انھیں نیند (کی صورت میں وفات) دیتا ہے۔ چنانچہ جن کی موت کا فیصلہ کر چکا ہوتا ہے، انھیں تو وہ روک لیتا ہے اور دوسروں کو ایک وقت مقرر تک کے لیے رہائی دے دیتا

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

ہے۔(تو وہ نیند سے جاگ جاتے ہیں)اس
میں یقیناً غور کرنے والوں کے لیے نشانیاں
ہیں۔"

اس آیت کے مطابق جن کی اجل مقرر پوری ہو جاتی ہے، اللہ ان کی روح قبض کر لیتے ہیں۔ اور جن کی موت نہیں آئی ہوتی ان کو بھی وہ ہر روز موت اور مرنے کے بعد اٹھائے جانے کا ایک نوعیت کا تجربہ کراتے ہیں۔ اس طرح ہر شخص کو ہر روز یہ دکھایا جا رہا ہے کہ وہ اپنی زندگی کو ہمیشہ کی زندگی نہ سمجھے، بلکہ یہ حقیقت ہمیشہ پیش نظر رکھے کہ خدا نے ایک معین وقت تک کے لیے اسے یہ مہلت حیات دی ہے جو اپنے وقت مقررہ پر اس سے چھین لی جائے گی اور اسے خدا کے حضور میں پیش کر دیا جائے گا۔

اسی حقیقت کی یاددہانی کے لیے وہ الفاظ سکھا دیے ہیں کہ بندہ جب رات کو سونے لگے اور یہ دعائیں کرے تو اسے یہ حقیقت یاد آ جائے کہ وہ موت کی طرف کشاں کشاں بڑھ رہا ہے۔ جس طرح وہ صبح اٹھا تھا اور اب پھر سونے کا وقت آ گیا ہے، ٹھیک اسی طرح ایک دن اس نیند کا وقت بھی آ جائے گا جس کے بعد آنکھ میدان حشر ہی میں کھلے گی۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعائیں رات کو سوتے وقت پڑھنے کے لیے اسی لیے سکھائی ہیں کہ آدمی رات کو سوتے وقت موت کو یاد کرے، جیسے ہی آدمی کو موت یاد آئے گی، اسے اپنے گناہ یاد آئیں گے اور وہ ان پر اللہ سے معافی کا خواستگار ہوگا۔

دین مختلف مواقع پر یہ یاددہانی اس لیے کراتا ہے کہ ہوا و ہوس کی یہ دنیا آدمی کو اپنے اندر گم کر لیتی ہے۔ اور آدمی اسی دنیا کی کامیابی کے لیے اس قدر مصروف ہو جاتا ہے کہ ایمان اور اس کے تقاضے بے اعتنائی کا شکار ہو کر رہ جاتے ہیں۔

اللہ کے نام کی برکت سے سونے اور اٹھنے کا مطلب اللہ کی ذات بابرکات کا سہارا اور اس کے بے پایاں فیض کا سوتے وقت حصول ہے۔ گویا آدمی سوتے وقت اللہ کی ذات کا سہارا حاصل کر لیتا ہے تاکہ عالم نیند میں جو حوادث اچانک وارد ہو سکتے ہیں، ان میں اللہ کا سہارا اسے حاصل

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

رہے۔اور اگر وہ نیند ہی کی حالت میں مر جائے تو یہ دعا اس کے ایمان کی سلامتی کی گواہ بن کر اس کے ساتھ جائے۔اور اگر وہ صحیح وسالم بیدار ہو تو دنیاے فانی میں اس کی برکات اس کے لیے بدرقہ کا کام دیں۔

پہلی دعا میں ان برکات کو بیان نہیں کیا گیا، مگر دوسری اور تیسری دعا میں ان کو ان الفاظ میں کھول دیا گیا ہے کہ اگر مجھے رات کو سوتے میں موت آ جائے تو اے اللہ، مجھ پر رحم فرمانا اور اگر میں صبح زندہ اٹھوں تو جس طرح تو اپنے صالح بندوں کی برائیوں سے حفاظت فرماتا ہے، اسی طرح میری بھی حفاظت فرمانا۔

پہلی دعا میں 'اموت' پر 'احیا' کے عطف سے اور دوسری دعا میں 'وضعت جنبی' پر 'وبک ارفعہٗ' کے عطف سے اور تیسری دعا میں 'مماتھا' پر 'ومحیاھا' کے عطف سے اس میں صبح بخیریت اٹھنے کی دعا بھی شامل ہوگئی ہے کہ اب میں موت کی آغوش میں جا رہا ہوں تو اللہ کرے مجھے زندگی کی نعمت حاصل رہے اور میں صبح خیر سے اٹھوں اور خدا کے صالح بندوں کی طرح زندگی بسر کروں۔گویا یہ دعا ایک طرف موت کی یاددہانی ہے اور دوسری طرف صبح خیر سے اٹھنے کی دعا بھی ہے۔

دوسری دعا میں 'فان امسکت نفسی' اور تیسری دعا میں 'وان احیتھا' سے آگے کا کلام اس بات کی یاددہانی بھی کر رہا ہے کہ انسان کی زندگی اور موت تمام تر اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے۔ اس یاددہانی سے یہ بتانا مقصود ہے کہ موت وحیات کی اس زندگی کا فیصلہ آدمی کے اپنے ہاتھ میں نہیں ہے کہ وہ جب چاہے اس میں اضافہ کر لے۔اس کا اختیار سرتاسر اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ جب مدت حیات پوری ہو جائے گی تو موت اچانک کچھ بتائے بغیر آ جائے گی۔جو چیز اچانک آنے والی ہو، اس سے نچنت نہیں رہا جا سکتا۔کیا خبر وہ اگلے ہی لمحے میں آنے والی ہو۔

ان دعاؤں کو ان احساسات کے ساتھ اگر پڑھ کر سوئیں گے تو ان کی برکات یقیناً ظاہر ہوں گی۔

اس سے پہلے ہم سوتے وقت کے اذکار میں سے تین دعاؤں کا مفہوم ومدعا واضح کر چکے ہیں، جن کا موضوع نیند کے حوالے سے موت اور قیامت کے دن کی یاددہانی تھا۔اس وقت ہم اس

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

موقع کی دوسری دعاؤں کی شرح کریں گے۔

(۴)

اَللّٰھُمَّ اَسْلَمْتُ نَفْسِیِ اِلَیْكَ ، وَوَجَّھْتُ وَجْھِی اِلَیْكَ ، وَفَوَّضْتُ اَمْرِیْ اِلَیْكَ، وَاَلْجَأْتُ ظَھْرِیْ اِلَیْكَ ـــــ رَغْبَةً وَرُھْبَةً اِلَیْكَ ، لَا مَلْجَاءَ وَلَا مَنْجَاءَ مِنْكَ اِلَّا اِلَیْكَ ـــــ آمَنْتُ بِکِتَابِكَ الَّذِیْ اَنْزَلْتَ وَنَبِیكَ الَّذِیْ اَرْسَلْتَ.

اے اللہ، میں نے اپنے آپ کو تیرے حوالے کیا اور اپنا رخ تیری طرف کر لیا اور اپنا معاملہ تیرے سپرد کیا اور تیری پشت پناہی حاصل کی۔

امید اور بیم (دونوں صورتوں میں اے اللہ)، تیری ہی طرف، (اس لیے کہ) تیرے سوا تیرے عتاب سے بچ کر جانے کے لیے کوئی اور پناہ اور کوئی اور ٹھکانا نہیں ہے۔

(اے اللہ،) تیری اس کتاب پر جو تو نے نازل کی اور تیرے اس نبی پر جسے تو نے رسول بنا کر بھیجا، میں ایمان لایا۔ (صحاح ستہ)

دعا کی وضاحت

یہ دعا اس حکم الٰہی کا جواب ہے جو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بیان کیا ہے کہ: 'امرنا لنسلم لرب العالمین'، ''ہمیں اللہ رب العزت کے آگے سرفگندگی (عبادت واطاعت) اور حوالگی کا حکم دیا گیا۔'' ـــــ واضح رہے کہ عرب اللہ تعالیٰ کے سوا کئی ایسے معبودان باطل کے قائل تھے جنھیں وہ خدا کی ربوبیت میں شریک مانتے تھے۔ اس اعتبار سے یہ دعا شرک کی نفی کے مضمون کی بھی حامل

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

ہے ـــــ یہی وجہ ہے کہ حدیث میں آیا ہے کہ اگر تم یہ دعا پڑھ کر سوئے اور اسی رات کو رخصت ہو گئے تو تمھاری موت فطرت پر ہوگی۔فطرت کے لفظ سے اشارہ 'الست بربکم' کے عہد فطرت کی طرف ہے۔اس دعا میں یہ عہد پوری طرح ظاہر ہے۔مراد یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ ہی تمام عالم کا رب ہے اور اس دنیا کا تنہا مالک وہی ہے تو پھر عافیت اور نجات اسی میں ہے کہ اپنا معاملہ اسی کے حوالے کیا جائے۔مختصر طور پر یوں کہنا چاہیے کہ یہ دعا اپنے آپ کو خدا کی حفاظت میں دینے کی دعا ہے۔جو عہد فطرت کے صحیح شعور کے بعد کی گئی ہے۔

چنانچہ اس دعا میں یہ سکھایا گیا ہے کہ اگر تم سونے لگو تو اس عہد فطرت کے حوالے سے اللہ کی امان طلب کر کے سویا کرو، تاکہ اگر تم مر جاؤ تو یہ تمھارے ایمان کی شہادت بنے اور عذاب قیامت سے پناہ کا باعث ہو۔اگر صبح زندہ اٹھو تو عہد فطرت کی یہ یاددہانی اچھے اعمال کا سبب بنے۔

اس دعا کا آغاز 'اسلمت نفسی الیک' سے ہوا ہے۔سوتے وقت آدمی کے ذہن میں اس کے دو مطلب آ سکتے ہیں۔ایک یہ کہ میں سونے لگا ہوں تو ہوسکتا ہے کہ میں مر جاؤں تو یہ جان اللہ کے حوالے ہے۔اس سے یہ طلب کرنا پیش نظر ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ اچھا معاملہ کرے اور قیامت کے دن اس کے گناہ معاف فرمائے۔اسے اپنی پناہ میں رکھے۔دوسرے یہ کہ میرا معاملہ اب اللہ کے سپرد ہے۔یہ ایک طرف اللہ کی بندگی میں آنے کا اظہار ہے تو دوسری طرف اپنے آپ کو اللہ کی حفاظت میں دینے کی دعا ہے۔یعنی میں اچھا ہوں یا برا تو ہی میرا مالک ہے۔دن بھر کی کوتاہیوں اور گناہوں کے بعد تیرے ہی دروازے پر آیا ہوں۔سو تو اپنی امان میں لے لے۔

اس کے بعد یہ کہا گیا ہے کہ 'و وجھت وجھی الیک'۔یہ الفاظ اس عہد کی یاددہانی ہیں کہ میری تمام مساعی کا مقصود اللہ ہی ہے۔میں اسی کی طرف آگے بڑھوں گا۔میں نے دنیا سے منہ موڑ کر اس کی طرف کر لیا ہے۔

اس پر جو جملہ عطف کیا گیا ہے، وہ 'و فوضت امری الیک' کا ہے۔یہ بھی اسی سپردگی اور تذلل کا بیان ہے جس کا ذکر اوپر کے جملوں میں ہوا ہے۔یہ اللہ سے محافظت اور نگرانی کی دعا کا

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

جملہ ہے۔اس جملے سے 'رضیت باللّٰہ ربا' کے ایمانی تقاضے کی بھی نشان دہی ہوتی ہے کہ اب اللہ اس دنیا میں ہمارے ساتھ جو کچھ بھی کریں گے ہم اس پر راضی رہیں گے۔ظاہر ہے خدا اپنے بندوں کے لیے سختیاں بھی نازل کرتا ہے۔ان سختیوں میں اگر اللہ کا سہارا اور پشت پناہی حاصل نہ ہوتو آدمی شاید ہی ان آزمایشوں میں کامیاب ہو۔اس لیے اپنی جان اور اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کرتے ہی سہارے اور پشت پناہی کی درخواست بھی کی گئی ہے تاکہ ایمان کی اس آزمایش میں اللہ رب العزت کا سہارا ہمیں حاصل رہے۔اس کے لیے دعا میں 'الجأت ظهری الیك' والا جملہ آیا ہے۔

ایمان کی یہ آزمایشیں آدمی کو زندگی بھر امید وبیم کے مراحل سے گزارتی رہتی ہیں۔اگر آدمی اپنے ایمان میں پختہ نہ ہوتو جب مشکل آتی ہے تو وہ اللہ تعالیٰ سے لمبی لمبی دعائیں کرتا ہے، منتیں مان لیتا ہے اور یہ عہد بھی کر لیتا ہے کہ اب کے اگر بچ گیا تو اللہ کا نیک بندہ بن کے رہے گا، لیکن جب اللہ اس کی مشکل حل کر دیتا ہے تو وہ اپنی تدبیروں اور اپنے بزرگوں کے گن گانے لگتا ہے اور خدا کو اس طرح بھول جاتا ہے جیسے اس نے اسے کبھی پکارا ہی نہیں تھا۔

اس دعا میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں یہ سکھایا ہے کہ ہم امید وبیم 'رغبة و رهبة الیك' دونوں میں اللہ کی آس لگانے والے اور اسی کو پکارنے والے بنیں۔مراد یہ ہے کہ اے اللہ، میں اپنے معاملے کو زندگی کے خشک وتر حالات میں تیرے ہی حوالے کرتا ہوں تو اس میں میرا پشتی بان بن جا۔اس لیے کہ 'لا ملجاء و لا منجاء منك الا الیك' اگر تو مجھ سے ناراض ہو گیا تو میرے لیے اگر کوئی نجات اور پناہ ہے تو وہ تیری ہی رحمت کے سایے میں ہے۔

یہ دعا حوالگی کے اقرار پر مبنی ہے۔یہ حوالگی اور سپردگی اس حقیقی ایمان کا اظہار ہے جو اسی کو نصیب ہوتا ہے جو اللہ رب العزت پر صحیح معنی میں ایمان رکھتا اور اس کی راہ میں بڑی سے بڑی قربانی کے لیے تیار ہو، جو اپنے قول وعمل میں اپنے رب ہی کا ہو کر رہے، جو اپنے آپ کو اس طرح اپنے رب کے حوالے کر دے کہ دنیا کی عزیز سے عزیز تر چیز بھی اس کے نزدیک خدا سے زیادہ عزیز نہ رہے۔جسے معلوم ہو کہ اس کی پناہ اس کا سہارا اور اس کی قوت و جمعیت صرف اور صرف اللہ

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

ہے۔ وہی تنہا اس دنیا کا رب ہے۔ چنانچہ اگر وہ اپنے معاملہ کو رب العالمین کے سپرد نہ کرے اور اس کی پناہ نہ لے، اس کی نازل کردہ ہدایت کو تسلیم نہ کرے تو وہ مارا جائے گا۔

اس دعا کا خاتمہ اللہ کی کتاب قرآن مجید اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ایمان کے اقرار پر کیا ہے، گویا یہ اس بات کا اظہار ہے کہ اس عہد فطرت کی یاددہانی اور اس کی تجدید کے لیے یہ کتاب اور یہ پیغمبر آئے ہیں، ہم اسی عہد فطرت کی رہنمائی میں ان پر بھی ایمان لائے۔ اس لیے کہ انھیں تو نے بھیجا ہے۔

خلاصہ یہ کہ یہ دعا ایک طرف عہد فطرت کی تذکیر اور اللہ وحدہ لاشریک کی ربوبیت کا اقرار ہے۔ اور اس عہد فطرت سے پھوٹنے والے اس ایمان کی تذکیر ہے جو ہم اس دنیا میں خدا کی کتابوں اور اس کے رسولوں پر لاتے ہیں۔ اور دوسری طرف اس میں اللہ تعالیٰ سے یہ درخواست ہے کہ وہ خشک وتر حالات میں اس عہد پر قائم رہنے کے لیے اپنا سہارا ہمیں عنایت فرمائے۔ اس لیے کہ اللہ سے یہ سہارا حاصل نہ ہوا تو پھر کہیں سے نہیں ملے گا۔

اس دعا کو اگر ہم اسی تذکیر اور یاددہانی کا ذریعہ بنائیں اور اسی مقصد سے رات کو پڑھ کر سوئیں تو اس میں شبہ نہیں کہ نیند کی حالت میں اگر ہمیں موت آجائے تو ہماری زندگی کا خاتمہ فطرت پر ہوگا۔

(۵)

اللّٰھم قنی عذابك. یوم تبعث عبادك.

الٰہی، مجھے اس روز اپنے عذاب سے بچا جس روز تو اپنے بندوں کو (حساب کے لیے) اٹھائے گا۔ (سنن ابی داؤد)

دعا کی وضاحت

سوتے وقت اگر آدمی کو قیامت یاد آجائے تو اس وقت وہ یہ دعا کرے۔ اگر آدمی اپنی زندگی

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

خدا کے لیے بسر کر رہا ہو تو ہر رات اس کے لیے موت اور ہر صبح اس کے لیے صبح نشور ہے۔ یہ قیامت کے دن اللہ کے عذاب سے بچنے کی دعا ہے۔ اور آخرت پر اپنے ایمان کا اظہار ہے۔

(٦)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَطْعَمَنَا وَسَقَانَا وَ کَفَانَا وَآوَانَا. فَکَمْ مِّمَّنْ لَا کَافِیَ لَهُ وَلَا مُؤْوِیَ.

شکر ہے اللہ کا، جس نے ہمیں کھلایا، پلایا اور (رہنے اور سونے کے لیے یہ) ٹھکانا عطا کیا۔ کتنے ہی لوگ ایسے ہوں گے، جو بے سہارا اور بے ٹھکانا ہوں گے۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

دعا کی وضاحت

یہ اظہار تشکر کی دعا ہے۔ سوتے وقت آدمی اگر محسوس کرے کہ اللہ نے اسے کتنا کچھ دے رکھا ہے۔ اسے پیٹ بھرنے کو کھانا، پیاس بجھانے کو پانی اور سر چھپانے کو گھر میسر ہے تو اللہ کا شکر ہے۔ اس لیے کہ کتنے ہی لوگ ہوں گے جنھیں کوئی کھانا کھلانے والا ہے نہ مشکلات میں سہارا دینے والا، اور نہ ان کے پاس سر چھپانے کے لیے گھر ہے۔

یہ اس احساس پر خدا کے شکر کا ذکر ہے کہ اللہ نے بہت سے لوگوں کے مقابلے میں اسے رزق بھی دے رکھا ہے اور گھر بھی۔ یہ نعمتیں اسے حاصل ہیں، جبکہ کئی لوگ اس سے محروم ہیں اور ظاہر ہے، یہ نعمتیں اس کا ذاتی استحقاق نہیں ہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ نے اسے محض اپنی رحمت سے دی ہیں۔ جس کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ اس کا شکر کیا جائے۔

یہ دعا ایک اعتبار سے شکر گزاری ہے تو دوسری طرف اس بات کی تعلیم ہے کہ اپنے سے کم مایہ لوگوں کی طرف دیکھ کر انھیں حقیر سمجھنے اور اپنے آپ کو بڑا کہنے کے بجائے اس خیر الرازقین کا شکر ادا کیا جائے جس نے اسے بہتوں سے زیادہ دیا ہے۔

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

قرآن مجید سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ دین اصل میں یہ چاہتا ہے کہ آدمی مشکلات میں مایوس ہونے اور جزع فزع کرنے کے بجائے صبر کرے اور خدا کی عنایتیں اگر اسے حاصل ہوں تو اس پر اکڑنے کے بجائے اس کا شکرادا کرے۔ جس نے تنگی وخوش حالی میں دین کا یہ مطلوبہ رویہ اختیار کیا وہی کامیاب ہوگا۔

چنانچہ رات کو سوتے وقت آدمی اگران نعمتوں پر شکرادا کر کے سوئے تو گویا اس نے اپنی ان نعمتوں پر صحیح رویہ اختیار کیا۔ یہ صالح رویہ اس کے لیے قیامت کے دن باعث نجات ہوگا، جس کا وقت اسی رات کی طرح ایک دن آجائے گا۔

(۷)

قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ. اَللّٰهُ الصَّمَدُ. لَمْ يَلِدْ، وَلَمْ يُوْلَدْ. وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا أَحَدٌ.

تم کہو، اللہ سب سے الگ ہے۔ اللہ سب کے ساتھ ہے۔ وہ نہ باپ ہے نہ بیٹا، اور نہ اس کا کوئی ہم سر ہے۔

قُلْ أَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ. مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ. وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ إِذَا وَقَبَ. وَمِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِى الْعُقَدِ. وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ إِذَا حَسَدَ.

تم (دعا کے لیے) کہو کہ میں ہر چیز کے نمودار کرنے والے، خداوند کی پناہ چاہتا ہوں، تمام مخلوقات کے شر سے اور (بالخصوص) اندھیرے کے شر سے، جب وہ چھا جائے اور گرہوں میں پھونکنے والوں کے شر سے اور ہر حاسد کے شر سے جب وہ حسد کرے۔

قُلْ أَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ. مَلِكِ النَّاسِ. إِلٰهِ النَّاسِ. مِنْ شَرِّ

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ. الَّذِیْ یُوَسْوِسُ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ. مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ.

تم (دعا کے لیے) کہو کہ میں انسانوں کے پروردگار، انسانوں کے بادشاہ، انسانوں کے معبود کی پناہ چاہتا ہوں، اس کے شر سے جو وسوسہ ڈالتا، پھر الگ ہو کر بیٹھ جاتا ہے، جو دلوں میں وسوسہ ڈالتا ہے جنوں اور انسانوں میں سے۔

دعا کی وضاحت

سورۂ اخلاص میں ہم نے 'احد' کا ترجمہ سب سے الگ کیا ہے۔ اس لیے کہ 'احد' کے معنی ہر پہلو سے یگانہ، یکتا اور بے ہمہ کے ہیں۔ چنانچہ لازم ہے کہ اسے ہر رشتہ وقرابت اور سانجھ سے بالاتر سمجھا جائے۔

'صمد' کا لفظ اس بڑی چٹان کے لیے آتا ہے جس کی دشمن کے حملے کے وقت پناہ پکڑی جاتی ہے، یہیں سے لوگ قوم کے اس سردار کو 'صمد' کہنے لگے جو قوم کا پشت پناہ ہو اور سب اسی کا سہارا پکڑتے ہوں اور انھیں اس سے پناہ اور سہارا ملتا ہو۔

'لم یلد' سے 'کفوا احد' تک جو صفات الٰہی بتائی گئیں ہیں، وہ اس کے احد ہونے کا تقاضا ہیں۔ جن کو کھول کر بیان کر دیا گیا ہے تا کہ کوئی التباس باقی نہ رہے۔

اگلی دونوں سورتیں (الفلق اور الناس) اللہ کے 'الصمد' ہونے کا تقاضا ہیں۔ جن میں اللہ تعالیٰ سے پناہ طلب کی گئی ہے۔

سورۂ فلق اور سورۂ ناس اس وقت نازل ہوئی ہیں، جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مشن کامیابی سے ہم کنار ہو رہا تھا، جس کو شکست خوردہ کرنے کے لیے یہود، قریش اور شیاطین جن وانس آپ پر پل پڑنے کی تیاری کر رہے تھے۔ اس حملے میں ان کے ہتھیار جادو ٹونا اور وسوسہ اندازی

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

کی نوعیت کے ہتھکنڈے تھے۔ یہ دونوں ہتھیار ایسے ہیں کہ آدمی انھیں دیکھ نہیں سکتا۔ یہ بے خبری میں آ لیتے ہیں۔تلوار سے حملہ آور اتنا خطرناک نہیں ہے، جتنا ان پوشیدہ ہتھیاروں سے حملہ کرنے والا خطرناک ہوتا ہے۔ اس لیے کہ ان دونوں میں ایک قدر مشترک یہ بھی ہے کہ ان دونوں کو استعمال کرنے والا کھل کر دشمن کی حیثیت سے سامنے نہیں آتا، بلکہ دوست یا کم از کم غیر دشمن نظر آتا ہے۔ ظاہر ہے، ایسے پوشیدہ دشمن سے پناہ وہ خدائے 'صمد' ہی دے سکتا ہے، جو ہر نمودار ہونے والی چیز کا رب ہو۔ جو کچھ بھی اس دنیا میں نمو پاتا ہو، وہ اسی کی ربوبیت وتخلیق کا مرہون ہو۔

سورۂ فلق میں حاسد اپنے جوش حسد میں جن گھٹیا کاموں پہ اتر آتے ہیں، ان کی ان گھٹیا سرگرمیوں سے جن میں جادو ٹونا نمایاں ہے، اس سے پناہ مانگی گئی ہے۔ اگر امت مسلمہ کے حوالے سے دیکھا جائے تو قرآن کی رو سے اس امت کے حاسد یہود ہیں۔ سورۂ بقرہ میں قرآن مجید نے اسے 'حسدا من عند انفسهم' کے الفاظ میں بیان کیا ہے۔ اور اگر بنی نوع آدم کے حوالے سے دیکھیں تو ابلیس اور اس کی ذریت ان کی حاسد ہے۔ سورۂ ناس میں 'من الجنة و الناس' سے انھی دونوں کی طرف اشارہ کیا ہے۔

سورۂ فلق میں جادو ٹونے اور رات کے فتنہ گروں کی فتنہ خیزیوں سے اور سورۂ ناس میں لوگوں کی وسوسہ اندازیوں سے پناہ طلب کی گئی ہے۔ پہلی میں رب الفلق سے اور دوسری میں لوگوں کے رب، ان کے بادشاہ اور ان کے معبود سے پناہ مانگی گئی ہے۔ اسی لیے کہ انھی صفات کی حامل ذات ان چیزوں سے پناہ دلا سکتی ہے۔

ان تینوں سورتوں کو سوتے ہوئے ملا کر پڑھنے سے غالباً مقصود یہ ہو سکتا ہے کہ مثلاً سورۂ اخلاص کا مقصد یہ ہے کہ بندہ رات کو اس حالت میں سوئے کہ وہ یہود و نصاریٰ اور مشرکین مکہ کے اس تصور سے خدا کو منزہ قرار دے کہ اس کے کچھ شریک ہیں اور اس کی اولاد بھی ہے۔ تاکہ رات کو اس کی سرگرمیوں کا اختتام توحید خالص کے اقرار پر ہو۔

اسی طرح سورۂ فلق اور سورۂ ناس کے پڑھنے سے مقصود یہ ہے کہ رات فتنہ گروں کو فتنہ گری کا

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

موقع فراہم کرتی ہے۔ نیند میں آدمی چونکہ بے خبر ہوتا ہے، اس لیے سونے سے پہلے وہ اپنے آپ کو رات میں پیش آمدہ خطرات کی وجہ سے غیر محفوظ تصور کرتا ہے۔ جس کی وجہ سے اسے ایسے سہارے کی ضرورت ہوتی ہے جو سوتے میں اس کی نگہبانی کرے۔ ظاہر ہے، اس میں اللہ تعالیٰ سے زیادہ محفوظ پناہ کس کی ہو سکتی ہے۔ جو 'الصمد'، 'رب الفلق'، 'رب الناس'، 'مالك' اور 'اله الناس' ہے۔

(۸)

لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ، وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِیْٓ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ یُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ، فَیَغْفِرُ لِمَنْ یَّشَآءُ، وَیُعَذِّبُ مَنْ یَّشَآءُ وَاللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ. اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ، كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ، وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَیْكَ الْمَصِیْرُ. لَا یُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا، لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَیْهَا مَا اكْتَسَبَتْ، رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِیْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا، رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَیْنَآ اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِنَا، رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ، وَاعْفُ عَنَّا، وَاغْفِرْ لَنَا، وَارْحَمْنَا، اَنْتَ مَوْلٰنَا، فَانْصُرْنَا عَلَی الْقَوْمِ الْكٰفِرِیْنَ. (البقرہ ۲: ۲۸۴-۲۸۶)

جو کچھ آسمانوں اور جو کچھ زمین میں ہے، سب خدا ہی کا ہے۔ جو کچھ تمھارے

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

دلوں میں ہے، اسے ظاہر کرو یا چھپاؤ، خدا اس کا تم سے حساب لے گا، پھر جس کو چاہے گا، بخشے گا اور جس کو چاہے گا، سزا دے گا۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔

اللہ کا یہ رسول اور مومنین اس چیز پر ایمان لائے، جو اس رسول پر اس کے رب کی طرف سے اتاری گئی۔ یہ سب ایمان لائے اللہ پر، اس کے فرشتوں پر، اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر۔ (ان کا اقرار ہے کہ) ہم خدا کے رسولوں میں کسی کے درمیان فرق نہیں کرتے اور کہتے ہیں کہ ہم نے مانا اور اطاعت کی۔ اے پروردگار، ہم تیری مغفرت کے طلب گار ہیں اور تیری ہی طرف لوٹنا ہے۔

اللہ کسی پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا۔ ہر ایک پائے گا جو کمائے گا۔ اور بھرے گا جو کرے گا۔ ـــــ اے پروردگار، اگر ہم بھول جائیں یا غلطی کر بیٹھیں تو ہم سے مواخذہ نہ فرمانا۔ اور اے ہمارے پروردگار، ہمارے اوپر اس طرح کا کوئی بار نہ ڈال، جیسا تو نے ان لوگوں پر ڈالا جو ہم سے پہلے ہو گزرے۔ اور اے ہمارے پروردگار، ہم پر کوئی ایسا بوجھ نہ ڈال جسے اٹھانے کی ہم میں طاقت نہ ہو۔ اور ہمیں معاف کر، ہمیں بخش اور ہم پر رحم فرما تو ہمارا مولا ہے، پس کافروں کے مقابل میں ہماری مدد کر۔

دعا کی وضاحت

لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ، وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِیْٓ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ، فَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ، وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِيْرٌ.

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

یہ سورۂ بقرہ کی آخری تین آیات ہیں، پہلی آیت میں یہود و نصاریٰ کے ذات خداوندی کے بارے میں بعض غلط نظریات کے حوالے سے امت مسلمہ کو تنبیہ کے انداز میں یہ بتایا گیا ہے کہ آسمان و زمین میں جو کچھ ہے، سب خدا ہی کی ملکیت اور اس کے اختیار و تصرف میں ہے۔ وہ بندوں کے دل کی ان تمام باتوں سے واقف ہے جو تم ظاہر کرتے ہو یا چھپاتے ہو۔ اس لیے وہ دل ہی کے لحاظ سے تمھارا حساب کرے گا۔ اور اپنے اختیار مطلق سے جسے اپنے اصولوں پر مغفرت کا حق دار پائے گا، اس کی مغفرت فرمائے گا۔ جسے سزا کا مستحق سمجھے گا، اسے سزا دے گا۔ کسی کی مجال نہیں کہ اس کے فیصلوں اور ارادوں میں مداخلت کر سکے۔

رات کی دعا میں یہ آیت اس لیے رکھ دی گئی ہے کہ امت اہل کتاب کی طرح اس وہم میں مبتلا نہ ہو جائے کہ اللہ صرف ظاہر ہی پر معاملہ کرتا ہے۔ اور یہ بھی کہ اس کے اختیار اور اس کے فیصلوں کو شفاعتوں اور سفارشوں سے بدلا جا سکتا ہے۔ اس آیت میں اس بات کی پوری طرح نفی کر دی گئی ہے تاکہ امت کا ہر فرد اگر اسے رات کو پڑھ کر سوئے تو اسے اس حقیقت کا روزانہ ادراک ہو کہ خدا کی ذات سے معاملہ ہونا ہے اور کس اصول پر ہونا ہے۔

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ، كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ، وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ.

سورۂ بقرہ کے مباحث پر جن کی نگاہ ہے، وہ جانتے ہیں کہ یہاں رسول اور مسلمانوں کے ایمان کی خبر دینے سے مقصود، یہود کے اس عقیدے سے اظہار برأت و مخالفت ہے جس کے مطابق وہ کچھ انبیا کو مانتے اور کچھ کا انکار کرتے تھے۔ یہاں یہ اعلان کیا گیا ہے کہ ہم مسلمان ان تمام رسولوں پر برابر ایمان رکھتے ہیں، ہم فرشتوں، رسولوں اور کتابوں کے دشمن نہیں ہیں، بلکہ سب پر ایمان رکھتے ہیں اور رسولوں کے باب میں ہم کسی گروہی تعصب کا شکار نہیں ہیں۔

اسی طرح ہدایت کے اس باب میں یہود کے طرز عمل کے برخلاف ہمارا طرز عمل یہ ہے کہ ہم

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

اس کو سنتے، اس کو مانتے اور اس پر عمل کرتے ہیں۔

اس عہد کے بعد دعا کے الفاظ ہیں کہ 'غفرانك ربنا'۔ اے ہمارے رب، ہم تیری مغفرت کے طالب ہیں۔ 'سمعنا و اطعنا' کے اقرار کے بعد دعا کا زبان پر جاری ہونا، اس امر کا اظہار ہے کہ یہ اقرار ایک عظیم ذمہ داری کا اقرار ہے۔ اس میں بڑی بڑی آزمایشیں پیش آتی ہیں۔ اور ہر قدم پر لغزشوں، کوتاہیوں اور ٹھوکروں کے اندیشے ہیں۔ یہاں اسی حقیقت کا شعور اس دعاے مغفرت کا موجب بنا ہے۔

اس دعا کے بعد 'و الیك المصیر' کے الفاظ آتے ہیں۔ ایک تو اس میں آخرت پر ایمان کا اظہار ہے جو اوپر بیان نہیں ہوا تھا اور دوسرے ان الفاظ میں اس عقیدے کے اظہار سے اس میں کامل سپردگی کے معنی بھی پیدا ہو گئے ہیں کہ تیرے سوا کوئی نہیں کہ کسی بھی پہلو سے مرجع و ماویٰ بن سکے۔

یہ اس قرآنی دعا کی دوسری آیت ہے۔ مقصود اس سے ان اہل کتاب اور ان لوگوں پر ایک لطیف تعریض بھی ہے جو اپنے آباواجداد اور شرکا و شفعا کے اعتماد میں سمع و طاعت کی ذمہ داریوں سے سبک دوش ہو بیٹھے ہیں۔ لیکن اس امت پر یہ بات پوری طرح واضح ہے کہ سب کو اللہ ہی کی طرف لوٹنا، اسی کے آگے پیش ہونا اور اسی کے آگے جواب دہی کرنی ہے۔

تیسری آیت کا آغاز 'لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ، لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ' سے ہوتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اوپر بیان کردہ سمع و طاعت کی ذمہ داری کے بعد تسلی کا جملہ بھی ہے اور دینونت کا اصول بھی کہ کس اصول پر وہ اپنے بندوں سے معاملہ کرے گا۔ پہلی بات یہ کہ اللہ تعالیٰ کسی پر اس کی ہمت و قوت سے بڑھ کر ذمہ داری نہیں ڈالے گا۔ اس اصول میں اللہ کے بندوں کے لیے تسلی بھی ہے کہ خدا ہمارے اوپر حد سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالے گا۔ یعنی جو چیز بندوں کی وسع سے باہر ہوگی اس پر مواخذہ نہیں ہوگا۔

دوسری بات یہ ہے کہ سب کو اپنی کمائی ہی سے واسطہ پڑے گا۔ جو اس نے خود بویا اسی کا

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

پھل کل کھائے گا۔ اس میں بھی بندوں کے لیے یہ تسلی ہے کہ ایسا نہیں ہوگا کہ کل قیامت کے دن ہمارے اوپر ان افعال کا بھی بوجھ ڈال دیا جائے جنھیں ہم نے سرے سے انجام ہی نہ دیا ہو۔ اور نہ ایسا ہوگا کہ ہمارے کارنامے اور ہماری نیکیوں کو اٹھا کر دوسروں کے کھاتے میں ڈال دیا جائے، بلکہ اس میں اصول یہ ہوگا کہ ہر آدمی کو بس اسی سے سابقہ پیش آئے گا جو اس نے خود کمایا ہوگا۔

اس ضروری وضاحت اور تسلی کے بعد دعا پھر شروع ہوتی ہے 'رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ إِنْ نَّسِينَآ أَوْ أَخْطَأْنَا' کہ اے ہمارے رب، جو ذمہ داری بھول چوک سے رہ جائے یا بے شعوری میں ہم کوئی غلط کام کر جائیں تو اس کا مواخذہ نہ فرمانا۔ یہ دعا چونکہ اللہ نے بندوں کی زبان پر جاری کی ہے، اس لیے یہ بھی اسی دینونت کا اصول قرار پائے گی، جس کا ایک پہلو 'لا یکلف اللّٰہ' کے الفاظ میں بیان ہوا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ خطا و نسیان اور بھول چوک میں اللہ تعالیٰ کسی سے مواخذہ نہیں کرے گا۔

دعا کا اگلا حصہ یہ ہے کہ 'رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَآ إِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهُ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا' یعنی ذمہ داریوں کا ایسا بوجھ ہم پر نہ ڈال جو اہل کتاب پر ان کی سرکشی کی بنیاد پر ڈالا گیا، جسے بالآخر وہ اٹھا نہ سکے۔

'رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ وَاعْفُ عَنَّا، وَاغْفِرْ لَنَا، وَارْحَمْنَا' یعنی 'سمعنا و اطعنا' کی راہ میں ہم پر کوئی ایسی آزمایش نہ ڈالنا جو ہماری قوت برداشت سے باہر ہو۔ اور اگر ان آزمایشوں میں جو ایمان کا لازمہ ہیں، ہم کمزور ثابت ہوں تو ہم سے درگزر فرما، ہماری ان کوتاہیوں کو اپنی مغفرت سے ڈھانپ دے۔ اور ہم پر رحمت فرما، اس لیے کہ اس راہ اطاعت میں یہی چیزیں ہمارا سہارا ہیں۔

'أَنْتَ مَوْلٰنَا، فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ' آخر میں دعا مخالفین اسلام کے خلاف نصرت کی دعا ہے۔ دعا کا یہ ٹکڑا اسی وقت موزوں ہے جب مسلمان دین پر سمع و طاعت کے اس

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

عہد پر پوری طرح قائم ہوں، جس کا اقرار اس دعا میں کیا گیا ہے۔ وگرنہ یہ دعا بے معنی قرار پاتی ہے۔

رات کو سوتے وقت آدمی کو یہ دعا ان امور کی تعلیم دینے کے لیے ہے، جن کا اوپر ذکر ہوا، جو شخص یہ دعا سوچ سمجھ کر پڑھے گا اس کے نفس کا نظریات و اعمال کے پہلو سے تزکیہ ہوگا اور وہ 'یحسابکم اللّٰہ' کی منزل آسانی سے پا لے گا۔

[۱۹۹۸ء]

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

بیداری کے اذکار

(۱)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَحْیَانَا بَعْدَ مَآ اَمَاتَنَا وَ اِلَیْہِ النُّشُوْرُ.

اللہ کا شکر کہ جس نے ہمیں مردہ کر دینے کے بعد زندگی عطا کی۔ اور اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

دعا کی وضاحت

سوتے وقت کے اذکار میں ہم یہ دعا سیکھ چکے ہیں کہ 'اللّٰھم باسمک اموت و احیا..'۔ روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جس رات کو یہ دعا پڑھ کر سوتے اسی صبح زیر بحث دعا پڑھتے تھے۔ —— اس کی شرح میں ہم یہ جان چکے ہیں کہ نینداس دنیا میں موت کی اور صبح کے وقت اٹھنا صبح نشور کی تمثیل ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعائیں سکھا کر ان دونوں مواقع کو ان دو آنے والے وقتوں کے لیے یاددہانی کا ذریعہ بنایا ہے۔

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

دعا کا آغاز رات بھر نیند کی آغوش میں موت سے ہم کنار رہنے کے بعد صبح زندگی عطا ہونے پر شکر سے کیا گیا ہے۔ نعمتوں کے عطا ہونے پر شکر گزاری حقیقی عبادت ہے۔ صبح بیداری کے وقت زندگی ملنے پر یہ شکر گزاری ایک طرف اللہ کی عبادت ہے اور دوسری طرف زندگی کی گراں قدر نعمت کی قیمت کے احساس کا اظہار ہے اور اس بات کی تعلیم ہے کہ اس نعمت کے دیے جانے کا مقصد اور غایت کیا ہے۔

'والیہ النشور' سے اس کے اسی مقصد کی طرف توجہ دلائی گئی ہے کہ جس طرح آج زندگی کی نعمت ملنے پر اس دنیا کی صبح میں آنکھ کھلی ہے، اسی طرح کل زندگی سے محرومی کے بعد صبح نشور میں آنکھ کھلے گی۔ یہ اس اصل منزل کی یاد ہے جسے پانے کی جدوجہد کے لیے انسان کو یہاں بھیجا گیا ہے۔

آدمی صبح اٹھ کر جس طرح شام تک کے پروگرام بناتا ہے اور ان پروگراموں میں اپنے دنیوی کاموں کا لائحۂ عمل ترتیب دیتا ہے کہ آج میں نے یہ کچھ کرنا ہے اور یہاں اور وہاں جانا ہے، اسی طرح اس یاددہانی کا مقصد یہ ہے کہ آدمی دنیا کی ان سرگرمیوں میں الجھ کر اس اصل غایت کو بھول جانے کے بجائے اسے بھی اپنے پروگراموں کا حصہ بنائے اور یہ طے کرلے کہ اگلی دنیا میں اپنا گھر بنانے کے لیے آج کے دن کیا کچھ کرنا ہے۔

اگر ہم اس دعا سے یہ فائدہ اٹھائیں تو یقیناً اس کی برکات سے نہ صرف یہ کہ اس فانی دنیا میں مستفید ہوں گے، بلکہ صبح نشور کو جب اعمال نامے دیے جائیں گے تو اس دعا کے ثمرات میں سے ایک ثمرہ یہ بھی ہو گا کہ اللہ کی عنایت سے ہمارا اعمال نامہ نیک اعمال سے بھرا ہو گا اور ہم اپنے رب کے پسندیدہ لوگوں میں شامل ہوں گے۔

(۲)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ عَافَانِیْ فِیْ جَسَدِیْ وَرَدَّ عَلَیَّ رُوْحِیْ، وَاَذِنَ لِیْ بِذِکْرِہٖ.

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

شکر ہے اللہ کا جس نے میرے جسم کی تھکن مٹا کر اسے راحت بخشی اور میری روح نیند میں روک لینے کے بجائے مجھے لوٹا دی۔ اور اپنی یاد کے لیے پھر توفیق بخشی۔

دعا کی وضاحت

روایتوں کے مطابق یہ دعا نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس صبح کو کرتے جس رات کو آپ 'باسمک اللّٰھم ربی وضعت جنبی' والی دعا کر کے سوتے۔ اس دعا میں روح کے روک لیے جانے پر رحمت طلب کی تھی اور روح کے لوٹائے جانے پر نگہبانی کی دعا کی تھی۔ اب اس صبح کی دعا میں روح کے لوٹائے جانے پر اللہ کا شکر ادا کیا گیا ہے اور اللہ کی نگہبانی کا پہلا ثمر جو اس دعا کی توفیق کی صورت میں حاصل ہوا ہے، اس پر بھی شکر ادا کیا گیا ہے۔

(۳)

لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهٗ . لَـهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ . وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِيْرٌ . اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَ سُبْحَانَ اللّٰهِ . وَلَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ . وَاللّٰـهُ اَكْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰه ــــــ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِیْ.

اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں ہے۔ وہی تنہا الٰہ ہے۔ اس کا کوئی ساجھی نہیں۔ ساری بادشاہی اسی کی ہے۔ ساری صفات حمیدہ اسی کی ہیں۔ اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ شکر کا حقیقی سزاوار اللہ ہے اور وہ ہر عیب سے پاک ہے۔ اور اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں ہے۔ وہ سب سے بڑا ہے۔ اللہ کی مدد کے بغیر کوئی کوشش اور کوئی قوت کارگر نہیں ہے ــــــ

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org
"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

اے اللہ، مجھے معاف کر دے۔

دعا کی وضاحت

یہ دعا ذات الٰہی کی بعض صفات کے تعارف اور توحید کے مضمون کی حامل ہے۔ پہلا حصہ 'لا الٰه الا اللّٰہ' سے شروع ہو کر 'وھو علی کل شی قدیر' پر ختم ہوتا ہے، اس میں ذات الٰہی کی فیض رسانی کے حوالے سے اس کا تعارف کرایا گیا ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ کی ذات کو الٰہ واحد اور ساری کائنات کا مالک و بادشاہ اور ہر عیب و کمزوری سے منزہ قرار دیا ہے۔ اللہ کی بادشاہت کا سب سے نمایاں پہلو قدرت کاملہ ہے، جس کی وجہ سے وہ ایسا ہر کام کر سکتا ہے، جس کا وہ ارادہ کر لے۔ چنانچہ جو ذات الٰہ واحد ہو اور اس جیسی کوئی اور ذات نہ ہو، پوری کائنات اسی کے قبضہ و اقتدار میں ہو اور وہ تمام اوصاف حمیدہ کی مالک ہو، ہر کسی کے لیے فیض رسانی کی قدرت کاملہ رکھتی ہو تو یہ ایک واضح سی بات ہے کہ ایسی ذات ہر فیض کا منبع اور ہر خیر کا سرچشمہ ہو گی۔

'ولـه الملك' اور 'لا شـريك لهٗ' سے اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ وہ جس کو کچھ دینا چاہے تو اسے کوئی روک نہیں سکتا اور جسے وہ محروم رکھنا چاہے، اسے کوئی دے نہیں سکتا۔ کوئی نبی اور کوئی ولی، کوئی دیوتا اور کوئی دیوی ایسی نہیں جو اس کے کاموں میں شریک ہو یا حارج ہو۔ وہ لاشریک ہے اور کائنات میں بس اسی کی حکومت ہے۔

اسی طرح 'وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ' سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ وہ اپنے بندوں کو ایسی چیزیں بھی عطا کر سکتا ہے جو بظاہر حالات میں ناممکن معلوم ہوتی ہوں۔

'سبحان اللّٰہ' کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس سے پاک ہے کہ وہ بے مقصد کام کرے۔ یہ دنیا جو اس کی فیض رسانیوں سے بھری پڑی ہے۔ جس کے گوشے گوشے میں اس کی حمد و ستایش کے اسباب بکھرے ہوئے ہیں۔ وہ بے غایت و بے مقصد نہیں ہو سکتی۔ یہ دنیا ضرور کسی ایسے انجام تک

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

پہنچے گی کہ قلوب واذہان اسے دیکھ کر پھر تسبیح وحمد کے ترانوں سے خدا کی حمد وستایش بیان کرنے لگیں گے۔ اس سے مراد وہ انجام ہے جو قیامت کے دن ظاہر ہوگا۔

دعا کا دوسرا حصہ دوسرے 'لا الٰہ الا اللّٰہ' سے شروع ہو کر 'لا حول ولا قوۃ' پر ختم ہوتا ہے۔ پہلے حصہ میں فیض رسانی کا پہلو پیش نظر ہے جس سے اس کائنات کے بامقصد ہونے پر استدلال کیا گیا ہے، جس کی طرف 'الحمد للّٰہ' اور 'سبحان اللّٰہ' کے جملے اشارہ کر رہے ہیں۔ دعا کے دوسرے حصے میں خدا کی بڑائی اور کبریائی کا پہلو بیان ہوا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اس کے اوپر کوئی نہیں، جس کے آگے اسے جھکنا پڑے۔ اور جس کی بات ماننی پڑے۔ وہ سب سے بڑا ہے۔ کسی کی کوئی کوشش اور کوئی تدبیر اور کسی کی کوئی قوت اور کسی کا کوئی زور اس کی تدبیروں اور اس کے ارادوں کو ناکام نہیں کر سکتا۔ یہاں 'لا حول ولا قوۃ الا باللّٰہ' سے یہی مراد ہے کہ اللہ کے سوا کسی کو یہ قوت حاصل نہیں ہے کہ وہ کسی کا کچھ بنا یا بگاڑ سکے۔

دعا کے ان دونوں حصوں کو جمع کر دیا جائے تو مطلب یہ ہے کہ وہ دینے والا ہے۔ اور اس کے دینے میں کسی کو مجال نہیں کہ رکاوٹ ڈال سکے۔ سورۂ ذاریات میں اللہ تعالیٰ نے اس ساری بات کو ایک جملے میں بیان کر دیا ہے: 'اِنَّ اللّٰہَ ھُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّۃِ الْمَتِیْنُ' (اللہ ہی روزی رساں، زور آور، جس کی قوت محکم ہے)۔

اللہ کی صفات کا یہ سارا بیان، جیسا کہ 'سبحان اللّٰہ' کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے، قیامت کی عدالت کے قیام پر دلالت کرتا ہے۔ اس لیے لازم ہے کہ اس دن کے انجام بد سے بچنے کے لیے اپنے گناہوں کی معافی طلب کر لی جائے۔ اس لیے آپ نے آخر میں دعا کی کہ اے اللہ، مجھے معاف فرما دے تاکہ میں قیامت کے دن تیرے عذاب سے بچ جاؤں۔

حدیث میں آتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اوپر کی صفات الٰہی کے اقرار و شعور کے بعد مغفرت طلب کرے گا تو اس کی یہ دعاے مغفرت ضرور قبول کر لی جائے گی۔ اور اس کے بعد جو نیکی اور جو دعا بھی کرے گا، وہ بھی قبول کی جائے گی۔ اس لیے کہ یہ شعوری ایمان کی

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

نہایت اعلیٰ سطح ہے جسے قرآن مجید نے سورۂ آل عمران کی آیت ۱۹۱ میں بیان کیا ہے کہ:

وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ، رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ.

”اور (یہ اہل دانش) آسمانوں اور زمین کی خلقت پر غور کرتے ہیں، (جس کے نتیجے میں ان کی دعا یہ ہوتی ہے کہ) اے ہمارے پروردگار، تو نے یہ کارخانہ بے مقصد پیدا نہیں کیا۔ تو اس سے پاک ہے کہ کوئی عبث کام کرے۔ سو تو ہمیں آگ کے عذاب سے بچا۔“

[۱۹۹۸ء]

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

رات کو آنکھ کھلنے پر ذکر

لَا اِلٰـهَ اِلَّا اَنْتَ سُبحَانَكَ، اَللّٰهُمَّ اَستَغْفِرُكَ لِذَنبِیْ، وَاَسْاَلُكَ رَحْمَتَكَ. اَللّٰهُمَّ زِدْنِیْ عِلْمًا، وَلَا تُزِغْ قَلْبِیْ بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنِیْ وَهَبْ لِیْ مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ. (ابوداؤد، کتاب الأدب)

تیرے سوا کوئی الٰہ نہیں، تیری ذات پاک و بے عیب ہے، اے اللہ، میں تجھ سے اپنے گناہوں کی معافی چاہتا ہوں۔ تیری رحمت کا طلب گار ہوں۔

اے اللہ، میرے علم میں اضافہ فرما، ہدایت دینے کے بعد میرے دل میں کجی پیدا نہ کر اور خاص اپنی طرف سے مجھ پر رحمت فرما۔ بے شک، تو بہت دینے والا ہے۔

دعا کی وضاحت

یہ دعا رات کو اٹھنے کے بعد تاریکی کے ماحول میں کی گئی ہے۔ تاریکی خوف اور اندیشوں کو اپنے دامن میں لیے ہوئے ہوتی ہے۔ یہ اندیشے شیطان کے نرغے میں آنے کے بھی ہو سکتے ہیں

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

اور مشکلات و حادثات کے بھی۔

اسی طرح تاریکی جہالت اور ضلالت کی بھی تعبیر ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

يُخْرِجُهُم مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ. (البقرہ ۲:۲۵۷)

''وہ انھیں (ضلالت کی) تاریکیوں سے نکال کر (ہدایت کی) روشنی کی طرف لے جاتا ہے۔''

معلوم ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ میں تاریکی کے انھی دونوں پہلوؤں کی رعایت ملحوظ ہے۔ دعا کا پہلا حصہ جو 'اسالك رحمتك' پر ختم ہوتا ہے، اس میں الٰہ واحد سے رحمت اور اپنے گناہوں پر مغفرت طلب کی گئی ہے۔ گناہوں پر مغفرت اس لیے طلب کی ہے کہ یہ اس موقع پر کسی گناہ میں پڑ جانے سے بچانے کی ڈھال بن جائے اور بندہ شیطان کے نرغے میں آنے سے بچ جائے۔

'لا اله الا انت سبحانك' کا جملہ اس مفہوم کا حامل ہے کہ اے اللہ، تو ہی الٰہ اور ملجا و ماویٰ ہے جو تاریکی میں ہو سکنے والے حادثات میں ہماری پشت پناہی کرے۔ 'سبحانك' سے مراد یہ ہے کہ ظلمت و نور تو نے ہی بنائے ہیں۔ ان کے بنانے میں کوئی خطا اور کوئی خامی نہیں ہے۔ ان میں پیش آنے والے حادثات ہمارے ہی گناہوں کا نتیجہ ہیں، اس لیے اس کے بعد بندہ اپنے گناہوں کی مغفرت طلب کرتا اور نزول رحمت کی دعا مانگتا ہے۔

دعا کا دوسرا حصہ تاریکی کے دوسرے پہلو، جہالت و ضلالت سے متعلق معلوم ہوتا ہے کہ اے میرے اللہ، مجھے علم ہدایت کی روشنی عنایت فرما۔ اور علم میں اتنا اضافہ فرما کہ میں زندگی کے تاریک مقامات پر بھی حق سے دور نہ رہوں اور میرے دل میں کجی پیدا نہ ہو۔ یہ واقعہ ہے کہ زندگی کی مشکلات میں اگر خدا کی سنن کا صحیح علم نہ ہو تو آدمی اوہام میں مبتلا ہو کر شرک اور لادینیت کی طرف بڑھ جاتا ہے۔ اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے موقعوں کے لیے اللہ تعالیٰ سے جہاں اس کی سنن و صفات کے علم حقیقی میں اضافے کی دعا کی ہے، وہیں رحمت کی دعا بھی کی ہے۔ رحمت کی دعا کرنے میں آپ نے 'من لدنك' کے الفاظ استعمال فرمائے ہیں جن کا موقع استعمال بالعموم یہ ہوتا ہے کہ جب خدا کی رحمت کے نزول کا سبب بھی کوئی موجود نہ ہو اور نہ ہماری ذات ہی اس کے نزول کی مستحق ہو۔

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

اس موقع پر 'مــن لـدنك' استعمال کرنے سے مقصود یہ ہے کہ جب تیرا دیا ہوا علم ہم استعمال نہ کر سکیں اور اس وجہ سے گمراہی میں پڑنے کا پورا امکان ہو تو خاص اپنی طرف سے ہمارے اوپر اپنی رحمت نازل فرما کر ہمیں گمراہی سے بچا لینا۔

آخر میں اللہ تعالیٰ کی صفت 'وھاب' کا واسطہ دے کر اپنی دعا کی تاثیر کو بڑھایا ہے۔

[۱۹۹۸ء]

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

بے خوابی کی دعا

اَللّٰھُمَّ رَبَّ السَّمٰوَاتِ السَّبُعِ وَمَا اَظَلَّتُ وَ رَبَّ الْاَرُضِیُنِ وَمَا اَقَلَّتُ. وَرَبَّ الشَّیَاطِیُنِ وَمَا اَضَلَّتُ. کُنُ لِیُ جَارًا مِنُ شَرِّ خَلُقِكَ کُلِّھِمُ جَمِیُعًا اَنُ یَفُرُطَ عَلَیَّ اَحَدٌ مِّنُھُمُ اَوُ اَنُ یَطُغٰی عَلَیَّ. عَزَّ جَارُكَ وَجَلَّ ثَنَاؤُكَ وَلَا اِلٰهَ غَیُرُكَ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اَنُتَ.

اے اللہ، اے سات آسمانوں اور جو کچھ ان کے سایے میں ہے، ان کے رب۔ اور اے زمینوں اور جو کچھ یہ زمینیں اٹھائے ہوئے ہیں، ان کے رب، اور شیطانوں اور جنھیں انھوں نے گمراہ کیا ہے، ان کے رب، اپنی ساری مخلوقات کے شر سے میرا پناہ دینے والا بن جا کہ مبادا ان میں سے کوئی میرے ساتھ تعدی کرے یا اپنی سرکشی سے مجھ پر غلبہ پا لے۔ جسے تو نے پناہ دی وہ (ان شیطانوں کے لیے) قابو سے باہر ہو گیا۔ اور تیری صفات بہت بلند ہیں۔ تیرے سوا کوئی پناہ دہندہ نہیں اور الٰہ بس تو ہی ہے۔

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

دعا کی وضاحت

اگر آدمی کو نیند نہ آ رہی ہو یا کسی وجہ سے آنکھ کھلنے کے بعد اس کی نیند اچٹ جائے تو ایسے موقع کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا سکھائی ہے۔

اس دعا میں آسمانوں، زمینوں اور ان میں موجود تمام مخلوقات اور شیاطین اور ان کے گمراہ کردہ لوگوں کے رب سے حمایت اور پناہ طلب کی گئی ہے۔ یہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دو باتوں سے پناہ مانگی ہے:

ایک اس بات سے کہ میرے ساتھ تعدی کی جائے۔ اس کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے 'یفرط علیّ' کے الفاظ استعمال فرمائے ہیں۔ 'فرط' کے ساتھ جب 'علی' کا صلہ آئے تو اس کے معنی کسی کے خلاف تیزی سے کیے گئے اقدام کے ہوتے ہیں، جس میں دوسرے کو سنبھلنے کا موقع نہ دیا جائے۔ مطلب یہ ہے کہ شیاطین تو اولاد آدم کی راہ کھوٹی کرنے کے لیے گھات لگائے ہوئے ہیں۔ رات کی اس تنہائی میں مجھے تنہا اور غافل پا کر مجھ پر حملہ آور نہ ہوں۔

اور دوسری چیز جس سے آپ نے پناہ مانگی ہے وہ 'یطغی علی' کے الفاظ سے مانگی ہے۔ 'یطغی علی' کے معنی کسی پر جوش وطغیان سے مسلط ہونے کے ہیں۔ یہ الفاظ شیاطین کے مقابلے میں شیاطین انس کے طریقۂ واردات سے زیادہ مناسبت رکھتے ہیں۔ یعنی دوسروں پر جنگ مسلط کرنا، مذہبی جبر کرنا اور اقتدار وحکومت پا کر انسانوں کو غلام بنا لینا اور انھیں ڈرا کر اپنی مقصد برآریوں کے لیے استعمال کرنا، مذہبی پیشوائی کے روپ میں انھیں اوہام میں مبتلا کر کے پھانس لینا وغیرہ۔ یہ تمام حربے اسی 'یطغی علی' میں آئیں گے۔ یہ ظاہر ہے، ان لوگوں کا شیوہ ہے جنھیں شیاطین گمراہ کر کے اپنے لیے استعمال کرتے ہیں۔ جن کا اوپر دعا میں ذکر بھی ہوا ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انھی دونوں سے پناہ مانگنے کے لیے یہ دعا کی ہے کہ اپنی ساری مخلوقات کے شر سے میرا پناہ دینے والا بن جا۔ اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے 'عز جارك وجل ثناؤك' کے الفاظ سکھائے ہیں۔ یہ ایک طرف تو اس دعا کرنے والے کے لیے اطمینان

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org
"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

اور تسلی کے الفاظ ہیں کہ دعا کرنے والے کو اطمینان حاصل ہو کہ وہ جس ہستی سے پناہ لے رہا ہے وہ ایسی ہے کہ جس کو وہ پناہ دے، شیاطین کے لیے اسے کوئی نقصان پہنچانا ناممکن ہو جاتا ہے۔ ان کے لیے اسے قابو کرنا یا چکما دینا دشوار ہو جاتا ہے تو دوسری طرف یہ ذات باری کی صفات کا واسطہ دے کر اس پر اعتماد اور توکل کا اظہار ہے جس کا مقصد ذات باری کی رحمت کو اپنی طرف متوجہ کرنا ہے۔

آگے اس کی دلیل دی ہے کہ ایسا اس لیے ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات بہت بلند ہیں۔ کوئی اپنی صفات میں اللہ کی صفات کو نہیں پہنچ سکتا۔ چنانچہ جب کوئی اس کی صفات کا حامل نہیں ہو سکتا تو اس کا مقابلہ کیسے کر سکتا ہے۔ صفات درحقیقت کسی ذات کی خوبیوں ہی کا نام نہیں ہے، بلکہ یہ کسی ذات کی صلاحیتوں کو بھی بیان کرتی ہیں۔ اس لیے صفات کی بلندی اصل میں صلاحیتوں کی بلندی ہے۔ مراد یہ ہے کہ کوئی اس جیسا ہو گا تو تبھی ایسا ممکن ہے کہ اس کی پناہ کا حصار توڑ کر مجھے کوئی گزند پہنچا سکے گا۔

'ولا الٰہ غیرك و لا الٰہ الا انت'۔ یہاں 'الٰہ' کے معنی ماورائے اسباب کارساز اور پناہ دہندہ کے ہیں۔ ایک ہی بات دو اسالیب میں دہرائی گئی ہے۔ اس سے بات میں تاکید بھی پیدا ہو گئی ہے اور تکرار کی وجہ سے منت سماجت یا اپیل کا مفہوم بھی پیدا ہو گیا ہے۔ اس سے دعا کی اثر پذیری میں اضافہ ہوا ہے۔

[۱۹۹۸ء]

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

افطار کی دعائیں

(۱)

ذَهَبَ الظَّمَأُ وَ ابْتَلَّتِ الْعُرُوقُ وَ ثَبَتَ الْاَجْرُ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ.

پیاس جاتی رہی، رگیں تر ہو گئیں اور ان شاء اللہ اجر لکھا گیا۔

دعا کی وضاحت

یہ افطار کے موقع کی دعا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں اللہ کی نعمتوں پر شکر کرنے کا ایک خاص اسلوب اختیار کیا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے شکر کے الفاظ استعمال کرنے کے بجائے اپنی کیفیت بیان کر کے شکر کا اظہار کیا ہے۔ افطار کے وقت جب آدمی پانی پیتا ہے اور وہ اس کی رگوں کو تر کرتا ہے تو اس وقت آدمی کو ایک فرحت اور تازگی کا احساس ہوتا ہے۔ آدمی اس احساس اور اس خوشی کا اظہار کرنا چاہتا ہے۔ ہم افطار کی اس کیفیت کا اظہار بالعموم اپنے بہن بھائیوں کے سامنے کرتے ہیں جو اس وقت ہمارے پاس ہوتے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org
"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

نے یہ اظہار اللہ سے کیا ہے، جس سے اس میں شکر کے معنی پیدا ہو گئے ہیں۔ ہماری مراد یہ ہے کہ جب ہم کسی کی طرف سے تحفہ ملنے پر یہ کہیں کہ اس نے تو میری فلاں فلاں ضرورت کو پورا کر دیا، اور میرے فلاں فلاں کام ہو گئے ہیں تو یہ اصل میں شکر یہ ادا کرنے کا نہایت اعلیٰ طریقہ ہے۔

اپنی یہ کیفیت بیان کرنے کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے ''اس کا ثواب لکھا گیا'' کے الفاظ نکلے ہیں۔ ان الفاظ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ثواب لکھے جانے کی بات کہہ کر درحقیقت روزہ کا ثواب طلب کیا ہے۔ اس طرح ان الفاظ سے وہ نیت بھی بیان ہو گئی ہے جس کے لیے روزہ رکھا گیا تھا۔ جب نیت صالح ہو تو اللہ کی مشیئت سے ثواب کا لکھا جانا یقینی ہے۔

(۲)

اَللّٰھُمَّ لَکَ صُمْتُ وَ عَلٰی رِزْقِکَ أَفْطَرْتُ.

اے اللہ، میں نے تیرے لیے (یہ) روزہ رکھا اور (اب) تیرے ہی رزق سے کھولا ہے۔

دعا کی وضاحت

یہ دعا بھی پہلی دعا کا مضمون لیے ہوئے ہے۔ بس فرق یہ ہے کہ اس میں اسلوب بیانیہ ہے۔ یعنی اس میں اپنی کیفیت بیان کر کے شکر ادا کیا تھا، جبکہ اس میں سادہ الفاظ میں یہ بات کہہ دی ہے کہ میں نے تیرے رزق پر روزہ کھولا۔ یہ نعمتوں کو پا کر ان کا اقرار ہے۔

اس دعا میں شکر اور نیت بیان کرنے میں پہلی دعا کے الٹ ترتیب اختیار کی گئی ہے۔ چنانچہ پہلے نیت بیان کی گئی ہے 'میں نے تیرے لیے روزہ رکھا' اور بعد میں یہ کہہ کر 'میں نے تیرے دیے ہوئے رزق سے روزہ کھولا' اللہ کی نعمتوں پر شکر ادا کیا گیا ہے۔

اس تبدیلی کی وجہ سے یہ دعا ہر طرح کے موسم کے روزوں کے لیے موزوں ہو گئی ہے۔ جبکہ

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org
"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

پہلی دعا صرف ان روزوں میں مانگی جا سکتی ہے، جن میں آدمی کو پیاس کی شدت سے سابقہ پیش آتا ہے۔

(۳)

اَفْطَرَ عِنْدَكُمُ الصَّآئِمُوْنَ وَ أَكَلَ طَعَامَكُمُ الأَبْرَارُ وَتَنَزَّلَتْ عَلَيْكُمُ الْمَلاَئِكَةُ.

تمھارے پاس روزہ داروں نے روزہ کھولا، تمھارا کھانا خدا کے وفاداروں نے کھایا، سو تمھارے اوپر اللہ کے فرشتے (سکینت اور رحمت لے کر) اترے۔

دعا کی وضاحت

اس دعا کا مضمون یہ بتا رہا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا اپنے گھر یا کسی کے گھر اس موقع پر پڑھتے، جب افطار کی کسی دعوت میں شرکت فرماتے۔ اس میں میزبان کے لیے برکت اور رحمت کی دعا ہے۔

اس دعا کے پہلے حصے میں جس میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ اللہ کے نیک بندوں اور روزہ داروں نے تمھارے گھر روزہ افطار کیا اور کھانا کھایا، اس مبارک عمل کے پسندیدہ اور باعث برکت ہونے کی طرف اشارہ ہے یعنی تم نے اللہ کے بندوں کا روزہ کھلوا کر اپنے لیے برکتوں کے نزول کا موقع فراہم کیا ہے۔

دوسرے حصہ میں آپ نے اس برکت کو بیان کیا ہے جو ایسی مجالس میں فرشتوں کے نزول کی صورت میں اترتی ہے۔ قرآن مجید اور احادیث کے اشارات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ فرشتے اللہ کی رحمت (مدد و عنایت) اور سکینت لے کر اترتے ہیں۔

رحمت سے مراد تو میزبان کے رزق میں اضافہ اور برکت ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا عام

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

طریقہ یہ تھا کہ جب کسی کے گھر کھانے کی دعوت پر تشریف لے جاتے تو میزبان کے لیے دعا کرتے کہ اے اللہ، اس نے ہمیں کھلایا ہے تو اسے کھلا۔ اس نے ہمیں پلایا ہے تو اس کو پلا۔

سکینت سے مراد دعوت کے موقع پر میزبان کے دل کو اطمینان کی نعمت سے نوازنا ہے۔ یہ نعمت بالعموم نیکی کرنے پر حاصل ہوتی اور نیکی کرنے کے دوران میں مشکلات کے وقت ثابت قدمی کا باعث ہوتی ہے۔ چنانچہ اس دعا کے دوسرے حصے میں آپ نے میزبان کے لیے اس رحمت و سکینت کے اترنے کی بشارت دی ہے۔ جو روزہ کھلوانے والے کو حاصل ہوگی۔

[۱۹۹۸ء]

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

سحری کے وقت کی دعا

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سحری کے حوالے سے کوئی دعا منقول نہیں ہے۔اس لیے اس موقع پر اپنی طرف سے وضع کردہ دعائیں پڑھنے سے بہتر ہے کہ وہ دعا پڑھ لی جائے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کھانا کھانے کے بعد مانگا کرتے تھے۔ ہم یہاں صرف ایک دعا نقل کریں گے۔ باقی دعائیں اور ذکر کھانا کھانے کے اذکار کے باب میں آئیں گے۔ دعا یہ ہے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ أَطْعَمَنَا وَ سَقَانَا وَ جَعَلَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ.

شکر اللہ کا ہے جس نے ہمیں کھانا کھلایا، پانی پلایا، اور ہمیں مسلمان بنایا۔

دعا کی وضاحت

اس دعا میں ایسی کوئی بات نہیں جو محتاج وضاحت ہو۔

قرآن مجید سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام نعمتیں جو انسان کو ملی ہیں وہ انسان کے کسی استحقاق پر نہیں ملیں، یہ محض اللہ کی عنایت سے ملی ہیں۔ ان نعمتوں میں سب سے بڑھ کر ایمان واسلام کی نعمت ہے۔ چنانچہ ان نعمتوں کا فطری تقاضا ہے کہ ان کے عطا ہونے پر شکر گزاری کا رویہ

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

اختیار کیا جائے۔ لیکن آدمی کو نعمت پانے کا احساس اور شکر ادا کرنے کی توفیق عجز و نیاز کے بجائے کبھی کبھی فخر اور کبر و نخوت کی طرف لے جاتی ہے۔ آخری جملہ اگر آدمی سوچ سمجھ کر بولے تو یقیناً اس کے لیے کبر و ناز سے بچانے کا باعث بنے گا۔ اس لیے کہ ایمان و شکر کی توفیق بھی خدا کی عنایت ہے۔

[۱۹۹۸ء]

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

نیا چاند دیکھنے کی دعا

اَللّٰہُ اَکْبَرُ. اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ. لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ إِلَّا بِاللّٰہِ. اَللّٰھُمَّ إِنِّیْ أَسْأَلُکَ خَیْرَ ھٰذَا الشَّھْرِ وَ اَعُوْذُ بِکَ مِنْ شَرِّ الْقَدَرِ وَمِنْ سُوْءِ الْحَشْرِ.

اللہ بہت بڑا ہے۔ (اس چاند سے جسے بعض لوگ نحوست و برکت کا باعث سمجھتے ہیں، اس لیے) شکر کا حق دار بھی اللہ ہے۔ ساری قوت وقدرت اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے۔ اے اللہ، میں اس (نئے چڑھنے والے) مہینے میں تجھ سے خیر کا طالب ہوں۔ اور بری تقدیر سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔ اور اس سے بھی تیری پناہ چاہتا ہوں کہ قیامت کے دن میں برے طریقے سے تیرے حضور جمع کیا جاؤں۔

دعا کی وضاحت

اس دعا میں الفاظ تو مشکل نہیں ہیں، البتہ یہ بات وضاحت کی متقاضی ہے کہ ان کا چاند دیکھنے

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

کے ساتھ منطقی ربط کیا ہے۔'اللّٰہ اکبر' سے اس دعا کا آغاز کیا گیا ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ عرب چاند ستاروں کی گردش سے نیک و بدشگون لیتے تھے۔ چاند چونکہ مہینوں کی گنتی اور مواقیت کا ذریعہ ہے اور تقدیر اسی وقت کے پردوں میں لپٹی ہوئی آتی ہے۔اس لیے چاند سے اس طرح کی آفتوں اور بدنصیبیوں کی نسبت کر دی جاتی تھی۔بعض دنوں اور مہینوں کو منحوس قرار دے دیا جاتا۔اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے چاند کو دیکھتے ہی اللہ کی بڑائی بیان کی ہے تاکہ چاند کے بارے میں اس غلط تصور کی تغلیط کر کے دعا مانگی جائے۔یعنی دنیا میں رنج ومحن اور خیر و برکت کے اوقات اللہ تعالیٰ کی طرف سے آتے ہیں،ان میں چاند کا کوئی حصہ نہیں ہے۔

'اللّٰہ اکبر' کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے 'الحمد للّٰہ' کے الفاظ سے اللہ کا شکر ادا کیا ہے۔شکر اگرچہ تنزیہ کا مفہوم اپنے اندر نہیں رکھتا،مگر جب وہ ایسے موقع پر آئے،جیسا کہ یہاں ہے تو اس سے مراد تنزیہ بھی ہو جاتی ہے۔مراد یہ ہے کہ چونکہ چاند کا خیر و شر کے لانے میں کوئی حصہ نہیں ہے،اس لیے شکر بھی اس کا روا نہیں ہے۔وہ بھی اللہ ہی کا ہونا چاہیے،اس لیے کہ وہی شکر کا سزاوار ہے۔ہمارا خیر اور ہمارا شر سب اسی کے ہاتھ میں ہے۔

اس کے بعد آپ نے اسی بات کو مزید واضح کیا ہے کہ یہ چاند ستارے کچھ اختیار و قوت نہیں رکھتے۔ساری قوت وقدرت اللہ کے ہاتھ میں ہے۔اس چاند کے طلوع سے جو مہینا شروع ہوگا اس میں ہمارے ساتھ اچھا برا جو کچھ ہوگا،وہ رب العزت کی قدرت وقوت سے ہوگا۔'لا حول و لا قوۃ الا باللّٰہ' سے اسی حقیقت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے آنے والے مہینے میں پیش آمدہ خطرات سے پناہ مانگی ہے کہ 'اَللّٰھُمَّ إِنِّیْ أَسْأَلُكَ خَیْرَ هٰذَا الشَّهْرِ وَ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّ الْقَدَرِ وَمِنْ سُوْءِ الْحَشْرِ' (اے اللہ، میں اس (نئے چڑھنے والے) مہینے میں تجھ سے خیر کا طالب ہوں۔اور بری تقدیر سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔اور اس سے بھی تیری پناہ چاہتا ہوں کہ قیامت کے دن میں برے طریقے سے تیرے حضور میں جمع کیا جاؤں۔)

[۱۹۹۸ء]

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

تہجد کے وقت اٹھنے کی دعا

رمضان کے مہینے میں وہ لوگ بھی تہجد کی نماز کا اہتمام کر لیتے ہیں جو عام دنوں میں اس سعادت سے محروم رہتے ہیں۔ اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت کے اذکار کا تذکرہ بھی ہو جائے تاکہ اس مبارک مہینے میں لوگ زیادہ سے زیادہ اللہ کی رضا اور اس کا قرب حاصل کر سکیں۔

اِنَّ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ، وَاخۡتِلَافِ الَّیۡلِ وَالنَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الۡاَلۡبَابِ. الَّذِیۡنَ یَذۡکُرُوۡنَ اللّٰهَ قِیٰمًا وَّقُعُوۡدًا وَّعَلٰی جُنُوۡبِهِمۡ وَیَتَفَکَّرُوۡنَ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ رَبَّنَا مَا خَلَقۡتَ هٰذَا بَاطِلًا سُبۡحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ. رَبَّنَاۤ اِنَّكَ مَنۡ تُدۡخِلِ النَّارَ فَقَدۡ اَخۡزَیۡتَهٗ وَمَا لِلظّٰلِمِیۡنَ مِنۡ اَنۡصَارٍ. رَبَّنَاۤ اِنَّنَا سَمِعۡنَا مُنَادِیًا یُّنَادِیۡ لِلۡاِیۡمَانِ: اَنۡ اٰمِنُوۡا بِرَبِّکُمۡ فَاٰمَنَّا رَبَّنَا فَاغۡفِرۡ لَنَا ذُنُوۡبَنَا وَکَفِّرۡ عَنَّا سَیِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الۡاَبۡرَارِ. رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدۡتَّنَا عَلٰی رُسُلِكَ وَلَا تُخۡزِنَا یَوۡمَ الۡقِیٰمَةِ اِنَّكَ لَا تُخۡلِفُ

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

الۡمِیۡعَادَ.

فَاسۡتَجَابَ لَهُمۡ رَبُّهُمۡ اَنِّیۡ لَاۤ اُضِیۡعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنۡکُمۡ مِّنۡ ذَکَرٍ اَوۡ اُنۡثٰی بَعۡضُکُمۡ مِّنۡ بَعۡضٍ فَالَّذِیۡنَ هَاجَرُوۡا وَاُخۡرِجُوۡا مِنۡ دِیَارِهِمۡ وَاُوۡذُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِیۡ وَقٰتَلُوۡا وَقُتِلُوۡا لَاُکَفِّرَنَّ عَنۡهُمۡ سَیِّاٰتِهِمۡ وَلَاُدۡخِلَنَّهُمۡ جَنّٰتٍ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ ثَوَابًا مِّنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عِنۡدَهٗ حُسۡنُ الثَّوَابِ.

لَا یَغُرَّنَّکَ تَقَلُّبُ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا فِی الۡبِلَادِ. مَتَاعٌ قَلِیۡلٌ ثُمَّ مَاۡوٰهُمۡ جَهَنَّمُ وَبِئۡسَ الۡمِهَادُ. لٰکِنِ الَّذِیۡنَ اتَّقَوۡا رَبَّهُمۡ لَهُمۡ جَنّٰتٌ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ خٰلِدِیۡنَ فِیۡهَا نُزُلًا مِّنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ وَمَا عِنۡدَ اللّٰهِ خَیۡرٌ لِّلۡاَبۡرَارِ.

وَاِنَّ مِنۡ اَهۡلِ الۡکِتٰبِ لَمَنۡ یُّؤۡمِنُ بِاللّٰهِ وَمَاۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡکُمۡ وَمَاۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡهِمۡ خٰشِعِیۡنَ لِلّٰهِ لَا یَشۡتَرُوۡنَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِیۡلًا اُولٰٓئِکَ لَهُمۡ اَجۡرُهُمۡ عِنۡدَ رَبِّهِمۡ اِنَّ اللّٰهَ سَرِیۡعُ الۡحِسَابِ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اصۡبِرُوۡا وَصَابِرُوۡا وَرَابِطُوۡا وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّکُمۡ تُفۡلِحُوۡنَ.

آسمانوں اور زمین کے بنائے جانے اور دن اور رات کے آنے اور جانے میں اہل عقل کے لیے (حق کو پانے کے لیے) نشانیاں ہیں، ان کے لیے جو اٹھتے، بیٹھتے اور اپنے پہلووں پر لیٹے خدا کو یاد کرتے، آسمانوں اور زمین کی خلقت پر غور کرتے

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

ہیں۔(جس کے نتیجے میں ان کی دعا یہ ہوتی ہے کہ) اے ہمارے پروردگار، تو نے یہ کارخانہ بے مقصد پیدا نہیں کیا۔تو اس سے پاک ہے کہ کوئی عبث کام کرے۔سو تو ہمیں آگ کے عذاب سے بچا، اے ہمارے رب، جسے تو نے دوزخ میں ڈال دیا، اسے تو نے بلاشبہ رسوا کر ڈالا۔ اور ان ظالموں کا کوئی بھی مددگار نہیں ہو گا۔ اے ہمارے رب، ہم نے ایک پکارنے والے کو ایمان کی دعوت دیتے سنا کہ لوگو، اپنے رب پر ایمان لاؤ تو ہم ایمان لائے۔ اے ہمارے رب، ہمارے گناہوں کو بخش دے۔ ہماری برائیوں کو ہم سے دور کر دے اور ہمیں موت اپنے وفادار بندوں کے ساتھ دے۔اے ہمارے رب، جس کا تو نے ہمارے ساتھ اپنے رسولوں کے ذریعے سے وعدہ فرمایا ہے، وہ ہمیں ضرور عطا فرمانا۔ (اس سے محروم رکھ کر) ہمیں قیامت کے دن رسوا نہ کرنا۔ بے شک تو اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرے گا۔

تو ان کے پروردگار نے ان کی دعا قبول فرمائی کہ میں تم میں سے کسی عمل کرنے والے کے عمل کو ضائع نہیں کروں گا، مرد ہو یا عورت، تم سب ایک دوسرے سے ہو۔ سو جنھوں نے ہجرت کی اور جو اپنے گھروں سے نکالے اور ہماری راہ میں ستائے گئے، لڑے اور مارے گئے ہیں، ان سے ان کے گناہوں کو دور کر دوں گا۔اور ان کو ایسے باغوں میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔ یہ اللہ کے ہاں سے (ان کے عملوں کا) بدلہ ہوگا اور بہترین بدلہ تو اللہ ہی کے پاس ہے۔

اور ملک کے اندر کفار کی یہ سرگرمیاں تمھیں کسی مغالطے میں نہ ڈالیں۔ یہ چند دن کی متاع حیات ہے، پھر ان کا ٹھکانا جہنم ہے۔اور وہ کیا ہی بری جگہ ہے۔البتہ جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے رہے، ان کے لیے ایسے باغ ہوں گے جن کے نیچے

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org
"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

نہریں جاری ہوں گی۔ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ یہ اللہ کی طرف سے ان کے لیے پہلی میزبانی ہوگی۔ اور جو کچھ اللہ کے پاس اس کے وفادار بندوں کے لیے ہے، وہ کہیں بہتر ہے۔

اہل کتاب میں ایسے بھی ہیں جو اللہ پر ایمان رکھتے ہیں۔ اس پر بھی ایمان رکھتے ہیں جو تم پر اتارا گیا اور اس پر بھی جو ان پر اتارا گیا۔ اللہ سے ڈرتے ہوئے وہ اللہ کی آیتوں کا حقیر قیمت پر سودا نہیں کرتے۔ ان کے لیے ان کے رب کے پاس ان کا اجر ہے۔ بے شک اللہ جلد احسان چکانے والا ہے۔ اے ایمان والو، صبر اور مصابرت سے کام لو۔ مقابلے کے لیے تیار رہو اور اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تم کامیاب رہو۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

دعا کی وضاحت

یہ سورۂ آل عمران کی آخری گیارہ آیات ہیں۔ ان میں اللہ تعالیٰ نے دعا کی صورت میں امت مسلمہ کو بعض تعلیمات دی ہیں۔ ایک لوگ وہ ہوتے ہیں جو ساری زندگی لاابالی پن سے بسر کر جاتے ہیں۔ جنھیں اس کی توفیق بھی حاصل نہیں ہوتی کہ اپنے اوپر آنے والے مصائب ہی پر متنبہ ہو جائیں اور خدا کی دنیا کی حقیقت کو سمجھ کر اس کے مطلوبہ رویے کو اختیار کریں۔ اس کے برعکس کچھ لوگ وہ ہوتے ہیں کہ ان پر مصائب آئیں یا نہ آئیں، وہ اس دنیا کی حقیقتوں پر غور کرتے رہتے اور اپنی زندگی کا لائحۂ عمل مرتب کرتے رہتے ہیں۔ انھیں قرآن مجید نے 'اولی الألباب' (عقل مند) کہا ہے۔

پھر ان عقل والوں کے بارے میں یہ بتایا ہے کہ ان کے دل بیدار ہیں، وہ اٹھتے بیٹھتے، سوتے جاگتے اس کائنات میں ہونے والے تصرفات پر غور کرنے سے وہ اس نتیجے پر پہنچ جاتے ہیں کہ یہ دنیا عبث و باطل نہیں ہے۔ یہ بے مقصد نہیں ہے، بلکہ اس کے پیچھے کوئی عظیم مقصد اور اس

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

کے بعد یقیناً جزا وسزا ہے۔ چنانچہ وہ دعا کرتے ہیں کہ اے اللہ، اس زندگی کے بعد جس جزا وسزا سے ہمیں دوچار ہونا ہے، اس میں اپنے عذاب سے ہمیں بچا۔ اس لیے کہ جسے تو نے اپنے عذاب میں مبتلا کیا تو وہ رسوا ہوا۔

اس غور وخوض کا لازمی نتیجہ ہے کہ آدمی اپنے ماحول میں اٹھنے والی ہر دعوت پر غور کرے اور اگر وہ حق ہو تو اسے مانے اور اگر وہ ناحق ہو تو اس کا انکار کرے۔ چنانچہ اسی غور وخوض کے بعد جس طرح وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ 'رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا' اس طرح انھوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کو بھی اسی غور وخوض کے باوصف ضروری خیال کیا۔ چنانچہ وہ اس رسول پر ایمان لائے۔ اس لیے کہ وہ اسی رب پر ایمان کی دعوت دے رہا تھا جو کائنات پر غور سے دریافت ہوا تھا، چنانچہ نہایت ایمان افروز کلمات سے اپنے اس عمل کا اظہار وہ خدا کے سامنے کرتے ہیں کہ: 'رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِيْ لِلْاِيْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا' ''اے ہمارے رب، ہم نے ایک پکارنے والے کو ایمان کی دعوت دیتے سنا کہ لوگو، اپنے رب پر ایمان لاؤ تو ہم ایمان لائے۔''

اس اعلان کے بعد وہ اپنے رب سے دعا گو ہوتے ہیں کہ: ''اے ہمارے رب، ہمارے گناہوں کو بخش دے۔ ہماری برائیوں کو ہم سے دور کر دے۔ اور ہمیں موت اپنے وفادار بندوں کے ساتھ دے۔ اے ہمارے رب، جو کچھ تو نے ہمارے ساتھ اپنے رسولوں کے ذریعے سے وعدہ فرمایا ہے، وہ ہمیں ضرور عطا فرمانا۔ (اس سے محروم رکھ کر) ہمیں قیامت کے دن رسوا نہ کرنا۔ ہمیں یقین ہے کہ تو اپنے وعدوں کے خلاف نہیں کرے گا۔''

یہ اس ایمان سے پھوٹنے والی دعا ہے، جس ایمان کی منزل وہ غور وخوض اور دعوت رسول کے بعد طے کر آئے تھے اور انھوں نے ہجرت و جہاد میں ساری دنیا کو چھوڑ کر رسول کا ساتھ دیا۔ ایسے موقع پر کی جانے والی دعائیں رد نہیں ہوتیں، یہ فوراً قبول ہوتی ہیں۔ چنانچہ یہاں بھی اللہ کی طرف سے بلاتاخیر دعا کی مقبولیت کی نوید سنائی جاتی ہے کہ 'فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ اَنِّيْ لَآ اُضِيْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى بَعْضُكُمْ مِّنْ بَعْضٍ فَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

وَاُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاُوْذُوْا فِیْ سَبِيْلِیْ وَقٰتَلُوْا وَقُتِلُوْا لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الثَّوَابِ۔

آگے دعا کا حصہ نہایت اہم ہے۔ اس میں بتایا گیا ہے کہ کفار کی ملک کے اندر چلت پھرت اور شور وغوغا سے پریشان ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہے، اس لیے کہ یہ سب اللہ کے مہلت دینے کے اصول کا نتیجہ ہے۔ اور اس اصول کے مطابق یہ چلت پھرت متاع قلیل ہے۔ اس کے بعد انھیں دوزخ کا یقیناً سامنا کرنا ہوگا۔

اس حصے نے اس دعا کو داعیان حق کے ساتھ خاص کر دیا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جب تہجد کا حکم ہوا تو وہ اس لیے ہوا تھا کہ کفار کے پریشان کن غوغا کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس نماز کے ذریعے سے اطمینان قلب حاصل ہو اور آپ حق پر ثابت قدم رہیں اور آپ کی دعوت کا پیغام، آپ اور آپ کے سننے والوں کے لیے زیادہ سے زیادہ محکم ہو۔ چنانچہ دعا کا یہ حصہ آپ کی اسی داعیانہ پریشانیوں میں حوصلہ افزائی اور تسلی کا باعث تھا، چونکہ یہ آیات تہجد کے مقصد سے مطابقت رکھتی تھیں، اس لیے آپ نے ان کو اپنی اس وقت کی دعا کا حصہ بنالیا تھا۔

اس کے بعد آپ کی مزید تسلی کے لیے اہل کتاب کے اصحاب خشیت کے بارے میں بتایا کہ یہ دنیا کی خاطر آیات الٰہی کا سودا نہیں کریں گے، اس لیے یہ ایمان لائیں گے۔ اس میں داعیان حق کے لیے یہ تسلی ہے کہ ایمان لانے کے لیے جس جوہر خاص کی ضرورت ہے وہ اللہ کی خشیت ہے۔ اس لیے جن کے دل میں یہ متاع بے بہا موجود ہے وہ ضرور ایمان لے آئیں گے، اس لیے تم ہٹ دھرموں کی ہٹ دھرمی سے بے نیاز ہو کر دعوت حق دیتے رہو۔ ان اہل خشیت کا اجر اللہ کے پاس محفوظ ہے۔

آخر میں امت مسلمہ کے لیے تعلیم ہے کہ اس دنیا میں امت کی سطح پر کامیابی کے لیے ضروری ہے کہ تم اپنے اندر صبر و استقامت پیدا کرو۔ اور اجتماعی اور انفرادی معاملات میں اللہ سے ڈرتے

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

رہو تا کہ فلاح پاؤ۔

تہجد کے وقت جو داعیان حق کے لیے تسلی و تازگی ایمان کی نماز ہے، اس سے پہلے ان آیات کو پڑھنے سے مقصود ایک تو یہی تسلی ہے جس کا ہم نے اوپر ذکر کیا۔ اور دوسرے کچھ تعلیمات کی یاددہانی ہے جن میں نمایاں ترین چیز یہ ہے کہ ایمان اہل بینش کے غور و خوض کا حاصل ہے نہ کہ معجزوں اور کرامتوں کا نتیجہ۔

دوسری تعلیم یہ ہے کہ ایمان کے بعد جس چیز کا شعور سب سے پہلے آتا ہے، وہ گناہ اور اس کی معافی کا شعور ہے۔ اس لیے ایمان زبان پر یہ دعاے مغفرت جاری کرنے کا باعث بنتا ہے۔

تیسرے یہ کہ کفار کی خوش حالیاں اہل ایمان کے لیے پریشانیوں کا باعث نہ ہوں۔ یہ اللہ کا قانون امہال ہے۔

چوتھے یہ کہ امت کی کامیابی صبر، مصابرت اور تقویٰ کی صفات کے بغیر ممکن نہیں ہے۔

[۱۹۹۸ء]

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

خواب میں ڈر جانے کی دعا

اَعُوْذُ بِکَلِمَاتِ اللّٰہِ التَّامَّۃِ مِنْ غَضَبِہٖ وَعِقَابِہٖ، وَشَرِّ عِبَادِہٖ وَھَمَزَاتِ الشَّیَاطِیْنِ وَاَنْ یَّحْضُرُوْنِ.

میں اللہ تعالیٰ کے کلمات کاملہ کی پناہ میں آتا ہوں، اس کے عتاب اور اس کے عذاب سے، اس کے بندوں کے شر اور شیاطین کے وسوسوں سے اور اس سے کہ یہ شیاطین میرے پاس آئیں۔

دعا کی وضاحت

'کلمات' سے یہاں مراد اللہ کے احکام ہیں، جن کے صادر ہوتے ہی کلمۂ کن کی طرح ان کے نتائج کا ظہور ہو جاتا ہے۔ یہ کلمات ظاہر ہے، صفات الٰہی کا مظہر ہوتے ہیں۔ کلمات سے جس صفت کو قرآن مجید میں بیان کیا گیا ہے، وہ اس کی صفت قدرت ہے۔ یعنی اس کی قدرت ایسی کامل ہے کہ بس کہہ دینے سے کام ہو جاتے ہیں۔

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

مراد یہ ہے کہ میں اللہ کی ناراضی اوراس کے عذاب سے اس کی مخلوقات اور شیاطین کے شر سے تیری صفت قدرت کے مظہر، تیرے کلمات کی پناہ میں آنا چاہتا ہوں۔

کلمات کی پناہ اور مدد، دراصل، سب سے زیادہ سریع ہے۔ جس ذات کو خود اٹھ کر مدد کے لیے آنا پڑے۔ اوراس مدد کے لیے سب اینٹ، روڑہ، پتھر اسے خود اکٹھا کرنا پڑے تو جتنی دیر میں وہ ذات مدد کو پہنچے گی اتنی دیر میں شیاطین اپنا کام کر چکے ہوں گے۔ اس کے برعکس اگر کسی ذات کو بس حکم کے دو بول بولنا پڑیں اور دنیا کے سارے اسباب اس کے بجالانے کو اٹھ کھڑے ہوں تو ظاہر ہے، اس کی پناہ بروقت ہوگی۔ اور زیادہ قوی اور محکم بھی ہوگی۔ اسی پہلو سے اللہ کے کلمات کی پناہ مانگی گئی ہے۔

یہاں جن چیزوں سے پناہ مانگی گئی ہے۔ ان میں سب سے بڑی چیز اللہ کی ناراضی اوراس کا عذاب ہے۔ مراد یہ ہے کہ رات کا یہ ڈراؤنا خواب کہیں اللہ کی ناراضی کا اظہار نہ ہو۔ اس لیے اے اللہ، میں اس موقع پر تیری پناہ چاہتا ہوں۔ جس طرح کے کلمات سے تو نے یہ خواب کا حکم جاری کیا ہے، اسی طرح کے کلمات سے اب مجھے اس کے شر سے بچانے کے لیے بھی حکم جاری فرما تاکہ خواب کے لیے جاری ہونے والے پہلے الفاظ کی اثر پذیری سے پہلے پہلے مجھے تیری پناہ حاصل ہو جائے۔

اللہ کی طرف سے کسی مشکل اور خوف وجوع کی آزمایش آتے دیکھ کر اسی سے پناہ طلب کرنا اور اس کے سوا کسی اور کے پاس نہ جانا یہی اللہ کو حقیقی معنی میں الٰہ ماننا ہے۔ یہی ایمان کی معراج ہے۔

صفات الٰہی کا ناقص علم آدمی کے دل میں یہ خیال پیدا کرتا ہے کہ اللہ کی طرف سے یہ مشکل آئی ہے تو یقیناً اللہ مجھ سے ناراض ہے۔ اسے راضی کرنے کے لیے ضروری ہے کہ کسی سے سفارش کرائی جائے۔ چنانچہ وہ دوسروں کے دروازوں پر جا کر ماتھا ٹیک دیتا ہے۔ اس دعا میں اس کے برعکس ہمیں یہ تعلیم دی گئی ہے کہ اللہ کو ناراض پا کر اسی کی پناہ ڈھونڈو تاکہ وہ راضی ہو اور اپنی آزمایش کو ٹال دے۔

دعا کے آخر میں شیطان کے ہمزات سے پناہ مانگی گئی ہے۔ ہمزات سے مراد شیطانی اشارے

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

اور وسوے ہیں۔ اور اس سے عام ہو کر یہ شیطان کی طرف سے آنے والے ہر خطرے کے معنی میں استعمال ہو جاتا ہے۔ دعا کا یہ آخری جملہ بعینہٖ قرآن مجید میں آیا ہے۔ وہاں یہ دعا حصول صبر اور کفار کے برے سلوک کے جواب میں درگزر کرنے کی تلقین کے لیے اتری ہے۔ شیاطین سے جیسے کہ ہم ان دعاؤں میں مسلسل دیکھتے چلے آ رہے ہیں، جن وانس کے شیاطین مراد ہیں، ہمزات کے طرز کے وسوسے اگرچہ انسان بھی دلوں میں ڈال دیتے ہیں، مگر یہ عمل زیادہ تر شیاطین جن ہی کا حربہ ہیں۔ مراد یہ ہے کہ شیاطین مجھے ایسے خوابوں سے ڈرا کر کہیں شرک کی طرف نہ لے جائیں۔

'وان یحضرون' سے مراد انسان ہیں۔ جو آدمی کے پاس آ کر اسے شر و فساد پر ابھارتے، حق کے بارے میں اس سے حجت کرتے اور اس کو فساد کے حق میں قائل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ مراد یہ ہے کہ یہ خواب میں جس شخص سے بیان کروں، وہ کہیں مجھے سمجھا بجھا کر غلط راہوں پر نہ ڈال دے کہ اس خواب کے شر سے بچنے کے لیے یوں اور یوں کر لو تو وہ بلا ٹل جائے گی جو خواب میں آ کر تنگ کرتی ہے۔ یعنی اے اللہ، ایسے لوگوں کو میرے پاس نہ بھیج جو مجھے راہ مستقیم سے ہٹا دیں۔

[۱۹۹۹ء]

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

لیلۃ القدر پانے پر دعا

اَللّٰھُمَّ اِنَّکَ عَفُوٌّ، تُحِبُّ الْعَفُوَ، فَاعْفُ عَنِّی.

اے اللہ، تو معاف فرمانے والا ہے، معاف کرنے کو پسند فرماتا ہے، اس لیے مجھے معاف فرما۔

دعا کی وضاحت

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک موقع پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ اگر میں لیلۃ القدر کو پالوں تو اللہ سے کیا طلب کروں۔ جس کے جواب میں آپ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو یہ دعا سکھائی۔

یہ مغفرت کی دعا ہے۔ اس اہم رات میں اگر کوئی دعا مانگی جا سکتی تھی تو یہی تھی۔ اس لیے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جس دعوت کو لے کر آئے، اس نے اگر کوئی انقلاب برپا کیا تھا تو یہی تھا کہ خواص سے لے کر عوام تک سب کو ایک ہی فکر لاحق ہو گئی تھی کہ ہم قیامت کے عذاب سے بچ جائیں۔ بدو

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

بھی رسالت مآب کی خدمت میں آتے تو یہی کہتے کہ ہمیں بس اتنا دین بتا دیجیے جو ہمیں دوزخ سے بچا لے اور جنت میں لے جائے۔

چنانچہ اس رات میں آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ دعا کرنا کہ حکومت مدینہ مستحکم ہو جائے یا پورا دین نافذ ہو جائے یا فلاں کافر پر عذاب نازل ہو جائے، بلکہ آپ نے یہ سکھایا کہ اگر یہ اہم رات پاؤ تو اپنی مغفرت کی دعا کرو۔

دعا کے الفاظ غایت درجہ التجا اپنے اندر رکھتے ہیں۔ جو اپنے پہلو میں ایک مؤدبانہ استدلال بھی لیے ہوئے ہے کہ اے اللہ، تو معاف کرنے کو پسند کرتا ہے، اس لیے مجھے معاف فرما۔ یہ وہی استدلال ہے، جس میں ہم دوسرے کے پسندیدہ طریقے یا رویے کا حوالہ دے کر اسے قائل کرتے ہیں۔

التجا کا مفہوم، اس میں اللہ کی صفت 'عفو' پر 'تحب العفو' کے عطف سے پیدا ہوا ہے جس سے تکرار سی پیدا ہو گئی ہے۔ تکرار کا اسلوب تاکید و اصرار کے ساتھ ساتھ لجاجت اور التماس کے معنی بھی اپنے اندر رکھتا ہے۔ اس دعا کے چھوٹے چھوٹے جملوں، عفو کی تکرار اور بالخصوص 'ف' اور 'ن' جیسے خوش آواز حروف کی مناسب وقفوں کے ساتھ آمد نے اس میں ایک صوتی آہنگ پیدا کر دیا ہے، یہ آہنگ کلام کی تاثیر میں بے پناہ اضافہ کر دیتا ہے۔ ایسے کلام اپنی تاثیر کے باعث یوں محسوس ہوتا ہے کہ دل کے نہاں خانوں سے زبان پر جاری ہو گئے ہیں۔ دعائیہ اسالیب میں اس آہنگ کا ایک خاص محل ہے۔ اس اعتبار سے یہ دعا اپنے اندر بے پناہ ادبی محاسن رکھتی ہے۔

[۱۹۹۹ء]

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

فتنوں سے بچنے کی دعا

اَللّٰھُمَّ إِنِّیْ أَعُوْذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ، وَأَعُوْذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَسِيْحِ الدَّجَّالِ.

وَأَعُوْذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَحْيَا وَفِتْنَةِ الْمَمَاتِ.

اَللّٰھُمَّ إِنِّیْ أَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْمَأْثِمِ وَالْمَغْرَمِ.

اے اللہ، میں عذاب قبر سے تیری پناہ چاہتا ہوں اور میں دجال مسیح کے فتنے سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔

میں زندگی اور موت کی آزمایشوں سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔

اے اللہ، میں 'ماثم و مغرم' سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔

دعا کی وضاحت

یہ اصلاً ایک دعا ہے، لیکن اس میں جن دو بڑے معاملات کا ذکر ہوا ہے، وہ قدرے تفصیل کے

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

متقاضی ہیں۔ایک عذاب قبر اور دوسرے مسیح الدجال کا فتنہ۔ یہاں تفصیل سے ان پر بحث کرنے کا موقع نہیں ہے، اس لیے ہم اختصار کے ساتھ ان کو بیان کر کے دعا کی اصل غایت کے بیان کی طرف بڑھ جائیں گے۔

عذاب قبر کے لیے بعض دعاؤں میں فتنۂ قبر کے الفاظ بھی آئے ہیں۔ چنانچہ عذاب قبر یا فتنۂ قبر کے دو پہلو ہو سکتے ہیں، ایک یہ کہ موت کے بعد فرشتے جو سوال جواب کریں گے، اسی کو فتنۂ قبر قرار دیا گیا ہے۔اس پہلو سے دعا کا مطلب یہ ہوگا کہ اللہ اس سوال و جواب میں ناکامی سے محفوظ رکھے۔

دوسرے اس سے یہ مراد ہے کہ ہر مرنے والے کو اس کا ٹھکانا دکھایا جائے گا۔ چنانچہ دوزخیوں کو چونکہ مرنے کے بعد دوزخ دکھائی جائے گی، اس لیے آپ نے یہ دعا کی کہ مرنے کے بعد اس عذاب سے بچا، جس میں مجھے دوزخ دکھائی جائے۔

'المسیح الدجال' کے فتنے سے مراد کسی مسیحی فریب کار (شخص یا قوم) کا برپا کردہ فتنہ ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ فتنہ قرب قیامت میں برپا ہوگا۔ مسیح کے لفظ سے اشارہ مل رہا ہے کہ یہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی نام لیوا قوم مسیحیوں میں سے ہوگا۔قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ قرب قیامت میں یاجوج ماجوج کی اولاد کے ظہور سے ایک فتنہ اٹھے گا۔ اس وقت یاجوج ماجوج کی اولاد کی اکثریت مسیحی ہے۔اس لیے قرین قیاس یہی ہے کہ مسیح دجال اور یاجوج ماجوج کا فتنہ ایک ہی ہے یا مسیح دجال کا فتنہ یاجوج ماجوج کے فتنہ کا ایک حصہ ہے۔

دجال سے مراد نہایت چابک دستی سے دجل و فریب کرنے والے کے ہیں، جس سے اس فتنے کی نوعیت پر بھی روشنی پڑ رہی ہے کہ اس فتنے میں فریب و دجل سے کام لیا جائے گا۔لوگ اس کے فریب میں آ کر اپنی تہذیب، اپنا دین، ایمان سب کچھ کھو بیٹھیں گے۔اسی لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی اس فتنہ انگیزی سے پناہ مانگی ہے۔

فتنۂ حیات سے مراد زندگی میں آنے والے گرم و سرد مواقع اور سخت و نرم امتحانات ہیں، جبکہ فتنۂ ممات سے مراد موت کے وقت کی آزمایش ہے۔آدمی جب دنیا سے رخصت ہوگا تو نہ جانے اس پر کیسی حالت ہو، مثلاً کوئی انتہائی تکلیف دہ مرض آخری لمحات میں آدمی کے لیے غارت گر دین و

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

ایمان ہو سکتا ہے۔ چنانچہ اگر وہ اس موقع پر خدا کے لطف و عنایت سے محروم رہا تو اس بات کا امکان ہے کہ اس کی موت کفر و شرک پر ہو۔ اسی وجہ سے یہ دعا بھی سکھائی گئی ہے کہ اللہ ہمیں حالت ایمان پر وفات دے۔ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع کے اس فتنے کی آزمایش سے پناہ مانگی ہے کہ آدمی اس میں اگر مبتلا ہو تو اللہ اسے سرخرو کرے۔

دعا کے آخر میں 'ماثم و مغرم' سے بھی پناہ طلب کی گئی ہے۔ قرآن مجید میں 'اثم' کا لفظ حق تلفی کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ اور 'مغرم' کا لفظ ایسے بوجھ اور ذمہ داری کے معنی میں آتا ہے جو ناقابل برداشت ہو جائے۔ بعض اوقات آدمی قرض وغیرہ لے کر اس کے بوجھ تلے ایسا دب جاتا ہے کہ اس سے زندگی بھر نکل نہیں سکتا۔ ایسے بوجھ ایک طرف آدمی کو دوسروں کی نگاہ میں بے وزن بنا دیتے ہیں اور دوسری طرف آدمی خود اس بوجھ تلے دب کر بسا اوقات اخلاق سے گر جاتا ہے اور بعض اوقات اگر اخلاق و دیانت کو ہاتھ سے نہ جانے دے تو ایسا ہو جاتا ہے کہ جیتے جی مر جاتا ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے 'ماثم و مغرم' کے الفاظ کے استعمال سے ایک ہی حقیقت کے دو پہلوؤں سے پناہ مانگی ہے کہ نہ میں کسی کا حق مارنے والا بنوں اور نہ مجھ پر کسی کا ایسا حق ہی قائم ہو کہ میں اس کے بوجھ تلے دب کر رہ جاؤں۔

[۱۹۹۹ء]

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

ناکامی اور آزمایش کے وقت کی دعا

(۱)

رَبَّنَا اغۡفِرۡلَنَا ذُنُوۡبَنَا وَاِسۡرَافَنَا فِیۡۤ اَمۡرِنَا وَ ثَبِّتۡ اَقۡدَامَنَا وَ انۡصُرۡنَا عَلَی الۡقَوۡمِ الۡکٰفِرِیۡنَ. (آل عمران ۳:۱۴۷)

اے ہمارے رب، ہمارے گناہوں کو معاف فرما اور ہماری ان (خطاؤں اور) بے اعتدالیوں کو بھی معاف فرما جو ہم نے اپنے ہی معاملے میں کر لی ہوں۔ اور ہمارے قدم جما اور کفار پر ہمیں غلبہ عطا فرما۔

دعا کی وضاحت

یہ دعا جنگ احد کی شکست کے بعد مایوس ہو جانے والے کمزور ایمان کے مسلمانوں کی سبق آموزی کے لیے نازل ہوئی کہ تم سے پہلے انبیا و صالحین کو جب بھی حق و باطل کے معرکوں میں کسی شکست و آزمایش کا سامنا ہوتا تو وہ مایوس ہونے کے بجائے اپنی خطاؤں پر توبہ و استغفار کرتے اور خیال

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

کرتے کہ یہ شکست وفتح اللہ کی آزمایش بھی ہے اور ہماری کارگزاری کا نتیجہ بھی۔ یقیناً ہم سے کوئی خطا ہوئی ہے جس کی وجہ سے اللہ نے ہمیں شکست سے دوچار کیا ہے۔ اس لیے ان کی زبانوں پر یہ دعا جاری ہو جاتی کہ اے اللہ، ہماری ان خطاؤں سے درگزر فرما جن سے خود ہمیں ہی نقصان پہنچا ہے یا جن کی وجہ سے تو نے اس شکست اور مشکل سے ہمیں دوچار کیا۔

دعا کا آغاز عام گناہوں کی بخشش کی درخواست سے ہوا ہے۔ اس کے بعد ان گناہوں پر مغفرت طلب کی گئی ہے جن کا تعلق اس آزمایش سے ہے جو اس وقت آدمی پر نازل ہوئی ہوتی ہے۔ اس کے لیے الفاظ نہایت عمدہ اختیار کیے گئے ہیں کہ 'اسرافنا فی امرنا'۔ اسراف کا لفظ ایسا جامع ہے کہ چھوٹی سی چھوٹی لغزش بھی اس کے تحت آ جاتی ہے۔ بعض اوقات چھوٹی چھوٹی لغزشیں، جن پر آدمی توبہ و استغفار کو ضروری خیال نہیں کرتا وہ بھی مشکل وقت میں اس کے ذہن میں آنے لگ جاتی ہیں کہ شاید یہ اس وجہ سے ہوا یا اس وجہ سے۔

گناہ چھوٹا ہو یا بڑا در حقیقت گناہ ہے، اپنے اثرات ضرور ظاہر کر کے رہتا ہے، اس لیے لازم ہے کہ ہر گناہ پر مغفرت کا طلب گار رہا جائے۔

'ثبت اقدامنا وانصرنا علی القوم الکافرین' کا تعلق کفار کے ساتھ معرکہ آرائی سے ہے۔ عام حالات میں دعا کے یہ کلمات حذف بھی کیے جا سکتے ہیں۔ جو آدمی مشکلات اور ناکامیوں پر اپنے گناہوں پر مغفرت کی یہ دعا کرے تو اللہ کا اس سے وعدہ ہے کہ وہ دنیا میں بھی اس کا صلہ عنایت فرمائے گا اور آخرت میں بھی اس کے اچھے اجر سے نوازے گا۔ یہ وعدہ اس دعا کے بعد سورۂ آل عمران (۳) کی آیت ۱۴۸ میں ان الفاظ میں کیا گیا ہے: 'فَاٰتٰهُمُ اللّٰهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا وَحُسْنَ ثَوَابِ الْاٰخِرَةِ، وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ' (اللہ نے ان کو دنیا کا صلہ بھی عطا فرمایا اور آخرت کے اچھے اجر سے بھی نوازا۔ اور اللہ خوب کاروں کو دوست رکھتا ہے)۔

(۲)

اَللّٰهُمَّ إِنِّىْ أَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْهَمِّ، وَالْحَزَنِ وَالْعَجْزِ وَالْكَسَلِ

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

وَالْجُبْنِ وَالْبُخْلِ وَضَلَعِ الدَّيْنِ وَغَلَبَةِ الرِّجَالِ.

اے اللہ، میں حسرتوں اور پچھتاووں سے، عجز اور کسل مندی سے، بزدلی اور بخل سے، قرض کے بوجھ سے اور غلبۂ رجال سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔

دعا کی وضاحت

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں سب سے پہلے غم اور پچھتاووں سے پناہ مانگی ہے۔ غم کے لیے دعا میں 'ھم' کا لفظ آیا ہے، یہ اصل میں ان حسرتوں کے معنی میں آتا ہے جن کے لیے آدمی ارادے باندھتا ہے، مگر انھیں کر نہیں پاتا۔ پچھتاووں کے لیے دعا میں حزن کا لفظ ہے، جس کا اصل مترادف قلق ہے۔ یہ کھوئی ہوئی چیزوں اور کام کرنے کے موقعوں کے ضائع ہو جانے کا قلق ہے جو خوشی کے موقعوں پر دل میں اپنی کھٹک سے آدمی کو غم زدہ کر کے خوشی سے محروم کر دیتا ہے اور اپنی شدت سے آدمی کو مستقبل کی جدوجہد سے بعض اوقات روک کرنا کارہ کر دیتا ہے۔ یہ دونوں (حزن اور غم) اگر اللہ کی عنایت نہ ہو تو مایوسی کی طرف لے جاتے ہیں۔ مایوسی ہر حال میں خدا کے انکار اور اس پر بھروسا نہ کرنے کا سبب بنتی ہے۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہیے کہ مایوسی ایمان اور بالخصوص توکل کی نفی ہے۔ اسی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پناہ مانگی ہے۔

اس کے بعد آپ نے عجز و کسل مندی سے پناہ مانگی ہے۔ عجز کاموں اور نیکیوں کو کر سکنے کی صلاحیت وقوت سے محرومی ہے۔ یہ جسمانی معذوری ہی نہیں، بلکہ ذہنی عدم آمادگی بھی ہے جو آدمی کو کم ہمت کر کے نیکی کمانے کے جذبے سے محروم کر دیتی ہے۔ کسل مندی سستی اور کاہلی ہے۔ یہ جسمانی تکان اور بے ہمتی کے ذہن پر غلبہ پانے کی کیفیت کا نام ہے۔

آدمی جب تکان محسوس کر رہا ہو اور محض اس وجہ سے کسی نیکی یا عمل خیر کو انجام دینے سے گریز کر رہا ہو تو یہ کسل مندی راہ خیر کی ایک آفت ہے جو کاموں میں تعطل اور رکاوٹ پیدا کرتی ہے۔ یہاں

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

اس سے اسی لیے پناہ مانگی گئی ہے۔

اس کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بخل اور بزدلی سے پناہ مانگی ہے۔ بزدلی بہادری کا الٹ ہے۔ بہادری صرف میدان جنگ ہی کی چیز نہیں ہے، بلکہ دین پر عمل کرنے، ابطال باطل اور احقاق حق کے راستے پر چلنے میں بہتیری منزلیں آدمی محض بزدلی ہی کی وجہ سے کھو دیتا ہے۔ گویا جس طرح یہ میدان جنگ میں دشمنان دین کے راستے میں ثابت قدمی سے روکتی ہے اسی طرح ایمان کی عملی میدان میں تکمیل کی راہ میں بھی یہ رکاوٹ ہے۔ حد یہ ہے کہ اسی بہادری کی عدم موجودگی کی وجہ سے آدمی دروازے پر آئے ہوئے سائل کو چند ٹکے دینے سے رک جاتا ہے کہ اگر میں نے یہ اسے دے دیے تو کل میرا کیا ہوگا۔

اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے اللہ، میں 'ضلع الدین' سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔ 'ضلع الدین' سے مراد قرض کا بوجھ ہے۔ یہ مضمون بہت سی دعاؤں میں آ چکا ہے۔ یہاں اس کی وضاحت تحصیل حاصل کے سوا کچھ نہیں ہوگی۔

اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے غلبۂ رجال سے پناہ مانگی ہے۔ بعض شارحین نے اس سے کمین لوگوں (پست طبقہ) کا غلبہ مراد لیا ہے۔ یعنی کم علم اور کم ظرف اور کوتاہ بین لوگوں کا غلبہ معاشرت کے بگاڑ کا سبب بنتا اور اس کی اقدار کے لیے ہادم ہو جاتا ہے۔ قوموں کے اہداف ناقص اور اس کی ترجیحات سطحی ہو جاتی ہیں۔ یہاں اس بات کا امکان بھی موجود ہے کہ اس جملے کا تعلق 'ضلع الدین' والے جملے سے ہو۔ یعنی قرض خواہوں کا غلبہ۔

لیکن رجال کا لفظ کمین لوگوں اور قرض خواہوں کے لیے کسی طرح موزوں نہیں ہے۔ ہمارے خیال میں اس سے مراد اکابرین امت کا غلوآمیز غلبہ ہے۔ تاریخ ادیان پر جن لوگوں کی نظر ہے وہ جانتے ہیں کہ ہر امت میں انبیا کے بعد ان کے وارث فقیہ، عالم، صوفی، راہب، ربی اور فریسی اصل شریعت کے ساتھ ساتھ اپنے فتووں کو بھی اس طرح سے پیش کرتے رہے ہیں کہ تالمود کی طرح ان کی فقہ اور رائے کو شریعت کی حیثیت حاصل ہو جاتی رہی ہے، جس کے نتیجے میں لوگوں کے

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

لیے ایسی ایسی عجیب وغریب جزئیات تعین کے ساتھ لکھ دی جاتی ہیں کہ جن کا بجالانا جان جوکھم میں ڈالنے سے کسی طرح کم نہیں ہوتا۔ اس کے بعد سادہ اور آسان دین اتنا مشکل اور بھاری ہو جاتا ہے کہ پوری پوری امت بے عملی کی طرف بڑھ جاتی رہی ہے۔ قرآن مجید نے اسے اصر واغلال کہا ہے اور اس طرز عمل پر کہا ہے کہ یہ اپنے ہاتھ سے فتویٰ لکھتے اور کہتے کہ یہ اللہ کا حکم ہے۔

ٹھیک اسی طرح راہبوں اور صوفیوں کا بھی غلبہ امت پر ہو جاتا ہے۔ ان سے کشف وکرامات منسوب ہو جاتی ہیں۔ ان سے مصائب کے وقت مدد طلب کی جاتی اور انھیں ایک درجہ میں الٰہ کا درجہ دے کر امت میں ان کی پرستش شروع ہو جاتی ہے۔ یہاں سے عقائد میں ایسی خرابی پیدا ہو جاتی ہے کہ توحید، رسالت، آخرت غرض عقائد کی فہرست یا ان کے معنی ومدعا میں تبدیلی کر دی جاتی ہے۔ گویا فقہا و فریسی شریعت میں تبدیلی کا باعث بنتے ہیں اور صوفیہ، راہب اور ربی شریعت وعقائد، دونوں میں۔

غلبہ سے یہاں مراد ان کو شریعت وعقائد میں ماخذ ماننا ہے۔ اس طرح انھیں یہ مقام دے کر 'ارباب من دون اللّٰہ' کی حیثیت دینا ہے۔ ان کے کہے کو حجت اور حتمی ماننا اور ان کی رائے اور فیصلے کو شریعت کی حیثیت دینا ہے۔ ظاہر ہے، ان کا یہ غلبہ ہادم دین اور حکمت دین کا قاتل ہے۔ اسی لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی پناہ مانگی ہے۔

اس 'الرجال' میں سیاسی زعما اور فقہی مسلک کی بنیاد پر مذہبی حکمرانوں کے جبر واستبدا کو بھی شامل کیا جا سکتا ہے۔ جس سے عیسائی روم کی تاریخ خونچکاں ہے۔ پاپائیت کا ظلم مسلمانوں نے بھی جھیلا ہے۔ امت اسلامیہ میں بھی بعض حصوں میں تاریخ ایسے انقلابات دیکھ چکی ہے کہ جس کی تاریخ بہر حال اچھی نہیں ہے۔ اگرچہ عیسائی تاریخ سے قدرے بہتر ہے۔

سادہ لفظوں میں یوں کہیے کہ حضور نے فرمایا: میں دین میں خرابی آجانے سے اور معاشرے اور امت پر دین متین کے بجائے رجال امت کے غلبہ سے پناہ مانگتا ہوں۔

[۱۹۹۹ء]

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

گھر سے نکلنے کے اذکار

(۱)

رَبَّنَا بِسْمِ اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ.

میں اللہ کا مبارک نام لے کر اور اس پر بھروسا کر کے (اس یقین کے ساتھ) گھر سے نکلا کہ اللہ کی مدد کے بغیر کوئی کوشش اور کوئی قوت کارگر نہیں ہے۔

دعا کی وضاحت

حدیث میں آتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب آدمی گھر سے یہ دعا کر کے نکلتا ہے تو اسے اللہ کی طرف سے یہ جواب ملتا ہے کہ 'کفیتَ و وقیتَ و ھدیتَ'، یعنی تجھے مستغنی کیا گیا، تو محفوظ کیا گیا اور تیری رہنمائی کا سامان کر دیا گیا۔ اس جواب سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اوپر کی دعا کے تینوں جملوں کا مطلب بھی واضح کر دیا ہے۔

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

'بسم اللہ' طلب استعانت و برکت کا کلمہ ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قائم کردہ سنت میں یہ ایک معروف بات ہے کہ ہم ہر کام کے شروع میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھیں۔ اس کے دیگر فوائد کے ساتھ اس کام میں اللہ کی برکات اور اس کی مدد بھی شامل ہو جاتی ہے۔ کام جیسا ہو گا، اس میں برکات بھی ویسی ہی ہوں گی۔ گھر سے نکلتے وقت آدمی اللہ کی مدد کا زیادہ محتاج ہوتا ہے۔ اس دعا میں بسم اللہ کے کلمات اصلاً استعانت ہی کے لیے آئے ہیں کہ میں گھر سے نکل رہا ہوں تو اے اللہ، میری مدد کرتے رہنا۔

اس کے جواب میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ کی طرف سے جواب آتا ہے کہ اب تو ہر طرح کی استعانت سے مستغنی کر دیا گیا۔ (یعنی تجھے اللہ کی مدد حاصل ہوئی، جس کے بعد کسی مدد کی ضرورت نہیں ہوتی۔) ہم پچھلی دعاؤں میں بھی یہ بات واضح کرتے آ رہے ہیں کہ دعا کو ہمارے ہاں طلسمی کلمات کی طرح سمجھ لیا جاتا ہے کہ ادھر میں نے ادا کیے، ادھر ان کے اثرات ظاہر ہو گئے۔ دعا ہرگز ایسی چیز نہیں ہے۔ یہ اللہ اور بندے کے اس تعلق کا مظہر ہے جو ایمان کی پختگی اور عقیدے کی درستی پر استوار ہوتا ہے۔ دعا کرنے والا اگر اس کیفیت میں دعا نہ کرے تو دعا اپنی قبولیت سے محروم رہ سکتی ہے۔ صحیح ایمانی کیفیت میں کی گئی دعاؤں کو وہ مقبولیت حاصل ہوتی ہے جس کا جواب آسمان سے فوراً آتا ہے اور وہ عبادت کا درجہ پا لیتی ہے۔ اگلے دونوں جملے دیکھیے اسی ایمان کی نشان دہی کر رہے ہیں۔

'توکلت علی اللہ' سہارا اور پناہ طلب کرنے کا جملہ ہے، جس میں آدمی اپنے رب سے یہ فریاد کرتا ہے کہ اے اللہ، میں نے آپ پر بھروسا کیا ہے، اس لیے مجھے اس سے محروم نہ رکھنا۔ گویا بسم اللہ کے کلمات میں جو مدد مانگی گئی ہے، اسی کو آگے بڑھایا گیا ہے کہ اے اللہ، میں نے آپ سے مدد طلب کی ہے تو اس میں میرا بھروسا آپ ہی پر ہے۔ حدیث کے مطابق اس کا جواب اللہ رب العزت کی طرف سے قبولیت دعا میں یہ دیا جاتا ہے کہ تجھے حفاظت میں لے لیا گیا۔ اب تیرے دشمن اور شیاطین تجھے کوئی گزند نہ پہنچا سکیں گے۔

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

'ولا حول ولا قوۃ الا باللّٰہ' یہ تمام کاموں میں اللہ ہی کی کارسازی کے اقرار کا جملہ ہے۔ شیطانوں سے پناہ کا معاملہ ہو یا نیک ارادوں کی تکمیل، کوئی امر اللہ کی مدد کے بغیر ممکن نہیں۔ حدیث کے مطابق بندہ یہ دعا کرتا ہے تو اسے یہ جواب دیا جاتا ہے کہ 'ھدیت' یعنی کاموں کے سلسلے میں تیری رہنمائی کر دی گئی۔ اس کارساز نے اپنا کام کر دیا ہے۔

گھر سے نکلتے وقت یہ دعا آدمی کے ایمان کی افزونی کا باعث ہے جو اسے راستے میں برائیوں سے بچنے میں مدد دے گی۔

(۲)

بِسْمِ اللّٰهِ، اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ، اِعْتَصَمْتُ بِاللّٰهِ، تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ، لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ.

میں اللہ کا مبارک نام لے کر، اللہ پر کامل یقین کر کے، اللہ کا دامن تھام کر، اللہ پر بھروسا کر کے گھر سے نکلا، اللہ کی مدد کے بغیر کوئی کوشش اور کوئی قوت کارگر نہیں ہے۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

دعا کی وضاحت

اس میں اور پہلی دعا میں بنیادی طور پر کوئی فرق نہیں ہے۔ 'آمنت باللّٰہ' اور 'اعتصمت باللّٰہ' کے جملوں کا اضافہ کیا گیا ہے۔ باقی دعا وہی ہے۔ ہم یہاں انھی دو جملوں کو سمجھیں گے۔

'بسم اللّٰہ' کے بعد 'آمنت باللّٰہ' کے الفاظ اظہار عقیدہ کے لیے ہیں۔ جس سے 'بسم اللّٰہ' کے الفاظ کی معنی خیزی میں یہ اضافہ ہو جاتا ہے کہ میں یہ الفاظ اپنے ایمان کی بنیاد پر کہہ رہا ہوں۔ دوسرا پہلو ان کلمات کا یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں یہ الفاظ اس لیے سکھائے ہیں کہ جب آدمی گھر سے نکلنے لگے تو اس کا ایمان ان کلمات سے تازگی پائے اور اس کا زاد سفر بنے۔

'اعتصام' کے معنی مضبوطی سے تھامنے کے ہوتے ہیں۔ اس میں ایک طرف تھامے رکھنے اور

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

جڑے رہنے کا مفہوم ہے جس کا تعلق ایمان و عقیدے سے ہے اور دوسری طرف عنایت اور بخشش کے متوقع ہونے کا مفہوم بھی ہے جو آدمی کی احتیاجوں اور ضرورتوں کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صوفیہ کے برعکس اللہ سے بندے کا جو تعلق بتایا ہے، وہ یہ نہیں ہے کہ وہ اپنی خواہشات اللہ سے بیان نہ کرے، وہ بخشش اور جنت کے لیے بندگی نہ کرے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن مجید نے بندوں کا اپنے رب سے جو تعلق بتایا ہے، وہ دینے والے اور لینے والے کا ہے۔ محتاج اور محتاج الیہ کا ہے۔ آقا اور بندے کا ہے۔ اس لحاظ سے اس دعا میں بندگی کے اس پہلو کی تعلیم بھی ہے کہ میں اپنی امیدوں کا محور اللہ کو بنا کر اللہ کے دامن کو تھامتا ہوں۔

(۳)

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ اَنْ اَضِلَّ اَوْ اُضَلَّ، اَوْ اَزِلَّ اَوْ اُزَلَّ، اَوْ اَظْلِمَ اَوْ اُظْلَمَ، اَوْ اَجْھَلَ اَوْ یُجْھَلَ عَلَیَّ.

اے اللہ، میں تیری پناہ چاہتا ہوں اس بات سے کہ میں خود بھٹک جاؤں یا کوئی اور مجھے غلط راہ پر لے جائے یا میں راہ صواب سے پھر جاؤں یا کوئی دوسرا مجھے ہٹا دے یا میں ظلم کروں یا کوئی دوسرا مجھ پر ظلم کرے یا میں خود نادانی پر اتر آؤں یا کوئی اور مجھ سے نادانی کرے۔

دعا کی وضاحت

'ضل' گمراہ ہونے اور 'زل' جادۂ حق سے ڈگمگا جانے اور 'ازل' آدمی کو بہلا پھسلا کر اس کی جگہ یا موقف حق سے ہٹا دینے کے معنی میں آتا ہے۔ اسی طرح 'ظلم' کسی کے ساتھ ظلم و زیادتی کے معنی میں بھی آتا ہے، مگر قرآن مجید نے اسے اس معنی میں بھی استعمال کیا ہے کہ آدمی گناہ کر کے اپنے آپ کو سزا کا مستحق بنا لے۔ اسی طرح 'جہالت'، علم اور حلم، دونوں کے مقابل کے معنی میں آتا ہے۔

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

www.javedahmadghamidi.com
www.almawrid.org

گھر سے باہر نکل کر آدمی اچھے برے ہر قسم کے لوگوں سے ملتا ہے۔ اس سے برے کاموں میں پڑنے اور جادۂ مستقیم سے ہٹ جانے اور ظلم و جہالت پر اتر آنے کے امکانات بڑھ جاتے ہیں۔ اس لیے بندۂ مومن کو گھر سے نکلتے وقت اس علام الغیوب کی پناہ لے کر نکلنا چاہیے تاکہ وہ ان گمراہیوں میں پڑنے سے بچا لے۔ دوسرے اس دعا کو گھر سے نکلتے وقت اس لیے بھی سکھایا گیا ہے کہ آدمی ایسے ارادے سے باہر نہ نکلے۔ اگر وہ نکل رہا ہو تو اس دعا کی وجہ سے اپنے ارادے کو تبدیل کرنے کا حوصلہ اس کے اندر پیدا ہو سکے۔

'ضلالت' اور 'زل' گمراہی کے جملہ پہلوؤں کو محیط ہیں۔ پہلے کا تعلق راستے سے ہے یعنی 'ضلالت' کا مطلب یہ ہے کہ میں کہیں غلط راستے پر نہ پڑ جاؤں۔ جس منزل کے لیے جا رہا ہوں، کہیں اس کی راہ ہی گم نہ کر بیٹھوں یا صراط مستقیم کے بجائے غلط راہوں پر نہ نکل جاؤں۔ جبکہ 'زل' سے مراد اپنے ارادوں کی تبدیلی ہے کہ صراط مستقیم کے علم کے باوجود میں خود ہی اس راہ سے نہ پھر جاؤں یا میں کسی دوسرے کے دھوکے میں آ جاؤں۔

'جھالۃ' کے معنی میں یہ یہاں 'حلم' کے متضاد معنی کا غلبہ ہے۔ یعنی یہ کہ آدمی برائی کرنے والے کی برائی پر حلم و بردباری اور عفو و درگزر کرنے کے بجائے اسی طرح کی برائی اس کے ساتھ کر ڈالے تو اس کو جہالت کہیں گے۔ قرآن مجید میں اسی بات کو ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے کہ 'وإذا خاطبھم الجاھلون قالوا سلاما' یعنی اللہ کے بندوں کے ساتھ جب جاہل لوگ جہالت پر اتر آتے ہیں تو وہ انھیں سلام کہہ کر آگے بڑھ جاتے ہیں۔ ان کے ساتھ ان جیسا برتاؤ نہیں کرتے۔

گویا اس دعا میں یہ تعلیم دی گئی ہے کہ جب گھر سے نکلو تو اس نصیحت کو ذہن میں تازہ کر لو کہ اگر کسی کام کاج میں کوئی تمھارے ساتھ جہالت پر اتر آئے تو تم جہالت پر نہ اترنا، بلکہ کسی سے کوئی کام خراب ہو جائے تو تمھیں جہالت اختیار کرنے میں پہل بھی نہیں کرنی چاہیے، بلکہ حلم و بردباری سے معاملہ کرنا چاہیے۔

[۱۹۹۹ء]

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

گھر میں داخل ہوتے وقت کی دعا

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُكَ خَیْرَ الْمَوْلِجِ وَ خَیْرَ الْمَخْرَجِ . بِسْمِ اللّٰهِ وَلَجْنَا وَ بِسْمِ اللّٰهِ خَرَجْنَا وَ عَلَی اللّٰهِ رَبِّنَا تَوَکَّلْنَا.

اے اللہ، میں گھر میں آنے اور جانے میں تجھ سے خیر طلب کرتا ہوں۔ اللہ کے نام کی برکت سے ہم گھر میں داخل ہوئے اور اللہ کے نام ہی کی برکت سے گھر سے نکلے۔ اور ہم نے اللہ اپنے پروردگار ہی کے نام پر بھروسا کیا۔

دعا کی وضاحت

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب آدمی رات کو گھر آتا ہے اور گھر میں داخل ہوتے وقت اور کھانا کھاتے وقت اللہ کا ذکر کرتا ہے تو شیطان اپنے گروہ سے کہتا ہے کہ 'لا مبیت لکم و لا عشاءَ' (یہاں نہ تمھارے لیے رات رہنے کی جگہ ہے اور نہ کھانے کو کچھ)۔ اور اگر وہ گھر داخل ہونے پر اللہ کا ذکر نہیں کرتا تو شیطان کہتا ہے: 'ادر کتم المبیت' (تمھیں رات ٹھہرنے کو جگہ مل گئی)۔ اور

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

اگر وہ کھانے پر بھی اللہ کا ذکر نہیں کرتا تو شیطان کہتا ہے: 'ادرکتم المبیت و العشاء' (تمھارے رات ٹھہرنے اور کھانے کا انتظام ہو گیا)۔

اس سے مراد یہ ہے کہ ذکر الٰہی وہ حصار ہے جس سے آدمی شیطان کو اس کی شرانگیزیوں سے روک دیتا ہے۔ شیطان کا رات بھر کسی کے گھر میں ٹھہرنا اسے خیر اور نیکیوں سے دور کر دینے کی علامت ہے۔ یعنی جو گھر ذکر الٰہی کے بغیر سویا وہ رات بھر شیاطین کے زیر اثر رہے گا۔

چنانچہ جب آدمی کام کاج سے گھر واپس آئے تو اسے چاہیے کہ وہ گھر میں داخل ہوتے وقت خیر کی دعا کرے۔ خیر سے مراد اپنی، اپنے اہل خانہ اور گھر کی خیر و عافیت بھی ہے اور شیطانی فتنوں سے ان سب کے لیے پناہ بھی۔

[۱۹۹۹ء]

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

بازار میں داخل ہوتے وقت کی دعا

بِسْمِ اللّٰہِ، اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُكَ خَیْرَ ھٰذِہِ السُّوْقِ وَ خَیْرَ مَا فِیْھَا وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّھَا وَ شَرِّمَا فِیْھَا اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ اَنْ اُصِیْبَ بِھَا یَمِیْنًا فَاجِرَۃً، اَوْ صَفْقَۃً خَاسِرَۃً.

اللہ کے نام کی برکات اور تائید کے ساتھ میں بازار میں داخل ہوتا ہوں۔ اے اللہ، میں تجھ سے اس بازار اور اس بازار کی تمام چیزوں کے خیر کا طالب ہوں۔ اور اس اور اس کی تمام چیزوں کے شر سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔ اے اللہ، اس چیز سے تیری پناہ چاہتا ہوں کہ میں کسی جھوٹی قسم کا ہدف بنوں یا گھاٹے کا سودا کرلوں۔

دعا کی وضاحت

'بسم اللّٰہ' برکت ونصرت کا جملہ ہے۔ یہ نصرت و برکت ایمان کی سلامتی کے حوالے سے بھی ہوتی ہے اور جان و مال کی سلامتی کے حوالے سے بھی۔ جھوٹی قسم کا تعلق ایمان سے ہے اور

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

گھاٹے کے سودے کا تعلق مال سے ہے۔

بازار میں آدمی سودا کرتے وقت یہ خیال نہیں رکھتا کہ وہ کیا کہہ جائے۔ عام طور سے یہ ہوتا ہے کہ گاہک اس طرح کی بات کہہ دیتا ہے کہ ابھی کل تو ہم نے یہ چیز اتنے میں خریدی تھی یا دکان دار یہ قسم کھا لیتا ہے کہ اللہ کی قسم، میں نے یہ چیز اتنے میں خریدی ہے، حالانکہ حقیقت میں ایسا نہیں ہوتا۔ ظاہر ہے کہ ایمان وقسم کی یہ نہایت حقیر قیمت ہے۔ بازار جاتے وقت آدمی کو یہ تذکیر کی گئی ہے کہ وہ اس سے بچنے کی کوشش کرے اور اسے بچنے کے لیے صدق دل سے اس کی دعا کر کے بازار میں داخل ہو۔

اسی طرح اس دعا میں بازار اور اس کی چیزوں سے پناہ مانگی گئی ہے۔ بازار میں اچھے برے ہر طرح کے لوگ اکٹھے ہوتے ہیں۔ برے کردار والے بازار میں ایسی فضا بنائے رکھتے ہیں کہ جو آدمی کے کردار وسیرت پر اثر انداز ہو کر اسے بگاڑ سکتی ہے۔ اسی طرح کسی کا اچھالا ہوا جملہ بھرے بازار میں آدمی کو بے عزت کر سکتا ہے۔ آدمی کسی کی چال میں گرفتار ہو سکتا ہے۔ سو کئی طرح کے شر ہیں جو بازار میں ہر وقت پیدا ہوتے رہتے ہیں، جن میں گِھر جانے کا اندیشہ ہمیں گھر سے نکلتے وقت اس دعا پر آمادہ کرتا ہے۔

بازار خریداری کی جگہ ہے۔ اس پہلو سے نقصان کے مواقع بھی ہر وقت پیدا ہو سکتے ہیں۔ اس اعتبار سے نقصان سے بھی پناہ مانگی گئی ہے۔

[۱۹۹۹ء]

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

آغاز سفر پر اذکار

(۱)

اَللّٰهُمَ إِنّا نَسْأَلُكَ فِي سَفَرِنَا هَذَا الْبِرَّ وَالتَّقْوٰى وَمِنَ الْعَمَلِ مَا تَرْضٰى. اَللّٰهُمَّ هَوِّنْ عَلَيْنَا سَفَرَنَا هَذَا وَاطْوِ عَنَّا بُعْدَهٗ اَللّٰهُمَّ أَنْتَ الصَّاحِبُ فِي السَّفَرِ وَالْخَلِيفَةُ فِي الْأَهْلِ. اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوْذُ بِكَ مِنْ وَعْثَاءِ السَّفَرِ وَ كَآبَةِ الْمَنْظَرِ وَسُوْءِ الْمُنْقَلَبِ فِي الْمَالِ وَالْأَهْلِ.

اے اللہ، ہم اس سفر کے لیے بر و تقویٰ کا زادِ سفر طلب کرتے ہیں اور تیرے پسندیدہ عمل کی توفیق چاہتے ہیں۔

اے اللہ، ہمارے لیے یہ سفر آسان کر دے، اس کی طوالت کو کم کر دے۔

اے اللہ، تو سفر میں ہم مسافروں کا رفیق اور ہمارے پیچھے ہمارے گھر والوں کا محافظ و نگران ہے۔

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

اے اللہ، ہم سفر کی مشقت سے، غم ناک مناظر سے اور ایسی واپسی سے جس سے گھر میں اہل وعیال اور مال و دولت میں کوئی بھی خرابی اور کمی ہو، تیری پناہ چاہتے ہیں۔

دعا کی وضاحت

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دعا کا آغاز اس بات سے کیا ہے کہ اے اللہ، ہمیں زادراہ کے طور پر بر وتقویٰ کی نعمت سے بہرہ مند فرما۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا قرآن مجید کی ہدایت کے مطابق کی ہے۔ قرآن مجید نے حج کے سفر کے لیے حج میں رفث وفسوق سے روکتے ہوئے یہ فرمایا کہ حج پر جاتے ہوئے فسق و فجور اور رفث وفساد کا عزم وارادہ نہ کرو، بلکہ تقویٰ و نیکی کا زادراہ اختیار کرو۔'تَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَیْرَ الزَّادِ التَّقْوٰی' (البقرہ ۲:‏۱۹۷) ''تقویٰ کو زادراہ بناؤ، اس لیے کہ یہ سب سے بہتر زادراہ ہے۔''

افسوس ہے کہ اس وقت اکثر حاجی اللہ تعالیٰ کی اس ہدایت کا خیال نہیں کرتے اور حج کرتے وقت بھی صحیح معنی میں تقویٰ اختیار نہیں کرتے۔ اس زادراہ کی کمی کا منظر دیکھنا ہو تو حجر اسود کے پاس استلام کے موقع پر دیکھا جا سکتا ہے کہ ایسے لوگ کس طرح کمزور اور بوڑھے حاجیوں کے لیے نہایت تکلیف کا باعث بنتے اور نہایت مصروفیت کے وقت حجر اسود پر قبضہ کیے کھڑے رہتے ہیں۔ یہ سب تقویٰ کے خلاف ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی ہدایت کے مطابق حج کے سفر کے علاوہ اسی زادسفر کی دعا کی۔

اس دعا کا مزاج بھی تعلیمی ہے۔ اس میں تقویٰ کا زادراہ اپنانے کی تعلیم دی گئی ہے۔ جب آدمی گھر سے لمبے سفر کے لیے نکلتا ہے تو اس کے عزائم کئی طرح کے ہو سکتے ہیں۔ اسی طرح سفر اچھے امکانات کے ساتھ برے امکانات کے پیدا کرنے کا وسیع ذریعہ بھی بنتا ہے۔ گھر سے نکلتے وقت آدمی کے عزائم جیسے بھی ہوں، سفر کے پیدا کردہ یہ امکانات ان عزائم میں تبدیلی کا ذریعہ بن

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

سکتے ہیں۔

دوسرے شہروں یا ملکوں میں ایک خاص طرح کی آزادی بھی آدمی کو حاصل ہو جاتی ہے۔ نہ اس کے عزیزوں میں سے اسے کوئی دیکھنے والا ہوتا ہے اور نہ گھر والوں میں سے۔ ان وجوہ سے لوگ برائی کو اختیار کرنے میں آسانی محسوس کرتے ہیں۔ اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تقویٰ کو زادراہ بنانے کی اس دعا کے ذریعے سے ہمیں تلقین کی ہے۔ اللہ کی پسند کے عمل اختیار کرنے کی دعا مانگی ہے۔

اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا کی ہے کہ اے اللہ، ہمارے لیے یہ سفر آسان کر دے، اس کی طوالت کو کم کر دے۔ دینی پہلو سے دعا کرنے کے بعد، یہ دعا سفر کے دنیوی پہلو کے متعلق سکھائی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے اس سفر کو آسان کر دے۔ ایسی دعاؤں میں اگر ترتیب زمانی ہو تو ''دین'' اور ''آخرت'' بعد میں آئیں گے اور اگر ان کی اہمیت کے لحاظ سے ترتیب ہو تو دین و آخرت پہلے آئیں گے۔ اسی لحاظ سے اس دعا میں دنیوی پہلو کے بجائے پہلے دینی پہلو سے دعا کی گئی ہے۔ یعنی اپنی اہمیت کے اعتبار سے نیکی کا زادِ سفر، سفر کی آسانی کے مقابلے میں زیادہ اہم ہے۔ یعنی اگر نیکی چلی گئی تو اس سے دونوں جہانوں کا نقصان ہے اور اگر سفر مشکل ہوا تو یہ صرف سفر کی ناکامی ہوگی۔

اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا کی ہے کہ اے اللہ، تو سفر میں ہم مسافروں کا رفیق اور ہمارے پیچھے ہمارے گھر والوں کا مالک و آقا ہے۔ یہ الفاظ اس احساس کی وجہ سے زبان سے نکلے ہیں، جو آدمی لمبے سفر پر نکلتے ہوئے اپنے اور اپنے اہل خانہ کے بارے میں محسوس کرتا ہے۔ سفر میں مسافر تنہا جا رہا ہوتا ہے یا کم سے کم اپنے اہل خانہ سے جدا ہونے کا احساس اسے کمزور کر دیتا ہے۔ اور اپنی عدم موجودگی میں اسے اپنے اہل خانہ کے بارے میں اندیشہ رہتا ہے کہ نہ جانے میرے بعد ان کے ساتھ کیا ہو۔ ان احساسات کو زائل کرنے اور اس خوف سے امن و اطمینان پانے کے لیے وہ اپنے گھر والوں اور اپنے آپ کو خدا کی سپرد داری میں دے دیتا ہے۔ اس طرح سے کہ وہ اللہ سے اپنے لیے سفر میں ہمراہی طلب کرتا ہے اور گھر والوں کے لیے محافظت و نگرانی

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

کی فریاد کرتا ہے۔

آخر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا کی کہ اے اللہ، ہم سفر کی مشقت، غم ناک مناظر اور واپسی پر گھر میں اہل وعیال اور مال ودولت میں ہر طرح کی خرابی سے تیری پناہ چاہتے ہیں۔

سفر کی مشقت سے صرف جسم کو تھکا دینے والی مشقت ہی مراد نہیں ہے، بلکہ اس میں وہ ذہنی تکان بھی شامل ہے، جو آدمی کو بڑے ارادوں کے باندھنے اور طویل سفر جیسے ہمت آزما معاملات میں دل شکستگی کا باعث بنتی ہے۔ غم ناک مناظر سے مراد سفر کے دوران میں پیش آنے والے حادثات ہیں، جن کا تعلق مسافر، اس کے اہل خانہ اور اس کے ہم سفروں سے ہے۔ اور واپسی پر اہل خانہ کی طرف سے کسی اندوہ ناک خبر کا پانا یا امر کا دیکھنا بھی اس میں شامل ہے۔

واپسی پر گھر کی خرابی کی وضاحت خود دعا ہی میں کر دی گئی ہے کہ ہم اہل خانہ اور مال ومنال میں واپسی پر کوئی خرابی نہ پائیں اور ان کے بارے میں کوئی نقصان کی خبر نہ سنیں۔ یہ خرابی یا نقصان اللہ کی طرف سے بھی ہو سکتا ہے اور واپسی کے لیے ہمارے غلط فیصلے اور طریقے کی وجہ سے بھی۔ مراد یہ ہے کہ ہمیں اس سفر سے اس وجہ سے واپس نہ آنا پڑے کہ ہمیں گھر سے کسی کی وفات کی خبر ملے یا پردیس میں کاروباری نقصان کی وجہ سے واپس جانا پڑے یا ہماری واپسی کا طریقہ اور فیصلہ ایسا ہو کہ ہمیں یہ نقصانات اٹھانا پڑیں۔

سفر کے موقع پر یہ دعا نہایت جامع و مانع ہے۔ اس میں سفر سے متعلق کم وبیش ہر پہلو سے دعا مانگی گئی ہے۔ دینی ودنیوی شر سے خدا کی پناہ طلب کی گئی ہے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ سفر پر نکلتے وقت مسافر کے ذہن کی تیاری کی گئی ہے کہ کیسے مسائل سفر میں پیش آ سکتے ہیں اور ان سب میں سہارا اگر کوئی ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی ذات والا صفات کا ہے۔

(۲)

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ وَعْثَاءِ السَّفَرِ وَ كَآبَةِ الْمُنْقَلَبِ وَالْحَوْرِ بَعْدَ الْكَوْرِ وَ دَعْوَةِ الْمَظْلُوْمِ وَ سُوْءِ الْمَنْظَرِ فِی الْاَهْلِ

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

وَالْمَالِ وَالْوَلَدِ.

اے اللہ، ہم سفر کی مشقت، منزل واپسیں کی برائی، خوش حالی کے بعد تنگ حالی، مظلوم کی بددعا اور اہل خانہ، اولاد اور مال و دولت میں حادثوں سے تیری پناہ چاہتے ہیں۔

دعا کی وضاحت

اس دعا میں پہلی دعا کے مقابلے میں صرف 'الحور بعد الکور و دعوۃ المظلوم' کا اضافہ کیا گیا ہے۔ لہٰذا ہم شرح کرتے ہوئے انھی جملوں تک محدود رہیں گے۔

'الحور بعد الکور' سے ان حالات سے پناہ مانگی گئی ہے جو سفر کے نتائج سے پیدا ہو سکتے ہیں۔ مثلاً ایک مسافر سفر پر جانے سے پہلے اچھے حالات میں تھا اور وہ حالات کو مزید بہتر کرنے کے لیے کسی دوسرے علاقے میں جانے کا فیصلہ کرتا ہے تو اس کا وہ چلتا ہوا کاروبار جس کو وہ چھوڑ کر جا رہا ہوتا ہے وہ تو بند ہو گیا اور دوسرے شہر میں جا کر بھی وہ ناکام ہو جائے تو یہ 'الحور بعد الکور' کی ایک مثال ہو گی۔ یہ حالت دوسرے علاقے میں کاروبار چل جانے کے بعد چھوڑ کر اپنے وطن آنے پر بھی ہو سکتی ہے۔

'الحور بعد الکور' سے صرف مالی حالات ہی کی خوش حالی مراد نہیں ہے، بلکہ اس میں جانی، مالی اور سماجی حالات سب شامل ہیں۔ سفر کے ارادہ و ترک کے اثرات آدمی کے سماجی تشخص پر بھی پڑ سکتے ہیں اور اس سے جان و مال کا نقصان بھی ہو سکتا ہے۔

'و دعوۃ المظلوم' پورا جملہ یوں ہے 'و دعوۃ المظلوم علی الظالم' یعنی میں مظلوم کی ظالم کے خلاف دعا سے پناہ چاہتا ہوں۔ اس دعا سے مراد یہ ہے کہ میں ظالم بننے سے پناہ چاہتا ہوں۔ انبیا کی نظر بعض ایسے امور پر آسانی سے چلی جاتی ہے جو بڑے بڑے لوگ سوچ بھی نہیں

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org
"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

سکتے۔ سفر اختیار کرنے کے کئی سبب ہو سکتے ہیں۔ بعض اوقات آدمی لوگوں سے قرض لے لیتا، کمزور لوگوں سے کچھ چیزیں اینٹھ لیتا اور پھر ان کی طرف سے مطالبہ اور نالش وغیرہ سے بچنے کے لیے اپنی بستی اور علاقے کو چھوڑ کر چلا جاتا ہے۔ اس طرح آدمی دوسروں پر ظلم کے لیے بھی سفر اختیار کر لیتا ہے۔ اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں دعا کرنے والے کے لیے یاددہانی کا سامان رکھا ہے کہ وہ اس دعا کے ذریعے سے ایسے کسی ظلم کو وجود میں لانے سے رک جائے۔

[۲۰۰۰ء]

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

براخواب دیکھنے کے بعد کی دعا

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ.

میں شیطان رجیم سے اللہ کی پناہ چاہتا ہوں۔

دعا کی وضاحت

اس دعا سے یہ بات معلوم ہو رہی ہے کہ برے خواب شیطانی وسوسہ ہوتے ہیں، اس لیے جب ایسا خواب دکھائی دے تو اللہ سے ایسے وسوسوں کے معاملے میں پناہ طلب کی جائے۔

رجیم کا لفظ یہاں تلمیح کے طور پر آیا ہے، اس سے روز ازل کے اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے، جب ابلیس کو درگاہ خداوندی سے نکال دیا گیا۔ اس سے مقصود شیطان کی حیثیت کی طرف اشارہ ہے کہ یہ اس کے متبعین اللہ کے نزدیک رجیم ہیں۔ وہ اس کے ہاں سے کوئی فیضان نہ پاسکیں گے۔ اس لیے جو اس محرومی سے بچنا چاہتا ہے، اسے اس کے وسوسوں اور چالوں سے بچ کر رہنا چاہیے۔ اور اس مقصد کے لیے اللہ کی پناہ طلب کرنی چاہیے۔

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

برے خواب انسان کو پریشان کر دیتے ہیں اور اگر اس کا ایمان اس کا ساتھ نہ دے تو وہ ان کی تعبیر کی برائی سے بچنے کے لیے توحید کی راہ سے بھٹک کر شرک کی طرف نکل سکتا ہے۔

[۱۹۹۹ء]

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

قضاے حاجت کے وقت کی دعا

اَللّٰھُمَّ اِنِّیۡ اَعُوۡذُ بِكَ مِنَ الۡخُبُثِ وَ الۡخَبَآئِثِ.

اے اللہ، میں خبث اور خبائث سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔

دعا کی وضاحت

پرانے زمانے میں (اور آج بھی) دیہاتوں میں شہروں جیسے محفوظ اور باپردہ بیت الخلا نہیں ہوتے تھے۔ مردوں اور عورتوں، سب کو کھیتوں یا کھلی جگہوں پر قضاے حاجت کے لیے جانا پڑتا تھا۔ اور اس مقصد کے لیے، بالعموم رات ہی کو جایا جاتا تھا۔ اس سے برائی میں پڑنے کے امکانات زیادہ ہوتے تھے۔ اس لیے یہ دعا سکھائی گئی کہ میں قضاے حاجت کے لیے جا رہا ہوں تو اے اللہ، مجھے تمام گندگیوں اور نجاستوں سے بچا۔ اور اس سے بھی بچا کہ میں کسی بد اخلاقی میں مبتلا ہوں یا لوگوں کے اس طرح کے اعمال سے متاثر ہو کر برائی میں جا پڑوں یا شیاطین جن و انس کے وسوسوں میں آ جاؤں۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org
"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

جیسا کہ ہم نے عرض کیا کہ قضاے حاجت کے لیے لوگ کھلی جگہوں پر جاتے تھے اور اس کے لیے انھیں رات کو جانا پڑتا تھا، رات کا وقت جنات کی فتنہ پردازی کے لیے نہایت سازگار ہے، اس لیے ان سے بچنے کے لیے بھی یہ دعا سکھائی گئی ہے۔ قرآن مجید میں رات کے چھا جانے اور اس کے شرور سے پناہ کی دعا سکھائی گئی ہے۔ اس میں بھی اشارہ انھی جنات کی طرف ہے۔

قضاے حاجت جیسے بے لباسی کے موقع پر آدمی کا نفس اگر مزکی نہ ہو تو وہ شیطانی وسوسوں کا جلد شکار ہو سکتا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دعا کو اسی موقع کے لیے ایک ڈھال کے طور پر فراہم کیا ہے کہ آدمی اسے اپنے نفس کو تقویت دینے کے لیے پڑھے۔ یہ چیز یقیناً اسے برے افعال سے بچا لے گی۔ اس لیے کہ خدا کی یاد ہی انسان کے لیے برائیوں سے بچانے کا صحیح اور طاقت ور ذریعہ ہے۔

[۱۹۹۹ء]

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

کرب و تکلیف کے موقع کی دعا

لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰـهُ العَظِيُمُ الُحَلِيُمُ. لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰـهُ رَبُّ العَرُشِ العَظِيُمِ. لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰـهُ رَبُّ السَّمٰوَاتِ وَ رَبُّ الۡاَرُضِ وَ رَبُّ العَرُشِ الكَرِيُمِ. (متفق علیہ)

الٰہ صرف اللہ ہے، جو عظیم اور بردبار ہے۔

الٰہ صرف اللہ ہے، جو عرش عظیم کا رب ہے۔

الٰہ صرف اللہ ہے، جو آسمانوں کا بھی مالک اور رب ہے اور زمین کا بھی اور وہ عرش کریم کا رب ہے۔

دعا کی وضاحت

مشکلات اور آسانیاں سب اللہ کی آزمایش ہیں، یہ آدمی کے ایمان اور حق پر ثابت قدمی کے امتحان کے لیے آتی ہیں۔ بڑے سے بڑا آدمی بھی اس امتحان میں ناکام ہوسکتا ہے اگر وہ اللہ کے

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

طریقوں (سنن) اور صفات سے واقف نہ ہو۔ اس ناواقفیت کی وجہ سے نہ وہ حق پر ثابت قدم رہ سکتا ہے اور نہ اللہ سے صحیح معنی میں طلب گار مدد ہو سکتا ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مشکلات کے لیے یہ دعا سکھائی ہے تو اس میں انھی صفات کے حوالے سے دعا مانگی گئی ہے۔ سب سے پہلے جن صفات کا حوالہ ہے، وہ عظمت وحلم ہیں۔ عظمت وحلم یہاں ہم معنی استعمال ہوئے ہیں۔ عظمت کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ آدمی چھوٹے مقاصد اور جذبات سے بلند ہو کر معاملہ کرے۔ اور حلم بھی بردباری اور جذبات سے بلندی کا نام ہے۔ اگرچہ ایک اعتبار سے ایک میں حوصلہ مندی کا عنصر غالب ہے اور دوسرے میں درگزر کرنے کا۔

یہاں ان صفات کے حوالے سے مقصد یہ ہے کہ آدمی مشکلات میں اپنے خدا کے بارے میں نظریات درست رکھے کہ خدا کی ذات ایسی نہیں ہے کہ جذبات میں آ کر یا جہالت سے مغلوب ہو کر اپنے بندوں پر کوئی مشکل نازل کر دے۔ وہ ان منفی جذبات سے یکسر پاک ہے۔ وہ عظیم اور حلیم ہے۔ اس اعتبار سے یہ صفات اللہ کے بارے میں ہمارے لیے تسلی کا مضمون لیے ہوئے ہیں۔

لیکن چونکہ یہ دعا کے جملے ہیں، اس لیے ان میں یہ مضمون بھی موجود ہے کہ اے اللہ، ہماری غلطیوں اور کوتاہیوں کو جن کی وجہ سے ہمارے اوپر یہ مشکل آئی ہے، انھیں اپنی عظمت وحلم کے واسطے سے معاف کر دے۔

ان صفات سے پہلے اللہ کے واحد الٰہ ہونے کا بیان ہے۔ جیسا کہ ہم پیچھے بھی کسی دعا میں یہ بات کہہ آئے ہیں کہ آدمی اگر اللہ پر اس کی صفات کے صحیح شعور کے ساتھ ایمان نہ رکھتا ہو تو وہ مشکلات میں اپنے حقیقی الٰہ کو چھوڑ کر دوسرے انسانوں کے دروازے کھٹکھٹانے لگ جاتا ہے۔ اس لیے مشکل کے وقت پر پہلے ہی مرحلے میں جس چیز کی یاددہانی ہونی چاہیے وہ یہ ہے کہ اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں ہے جس کے دروازے پر فریاد لے کر وہ جا سکتا ہے۔ اسی لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کا آغاز انھی الفاظ سے کیا ہے۔ اگر مشکلات کے پہلو سے دیکھیں تو یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ مشکلات بھی اسی کی مرضی سے آتی ہیں۔ کسی کا یارا نہیں ہے کہ اس کی مرضی کے بغیر کسی کو مشکل

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

میں ڈال دے۔ خواہ یہ مشکلات ہماری کرتوتوں کا نتیجہ ہوں یا آزمایشوں کا۔ اس لیے ہر فریاد کی دادرسی اور ہر غم کا مداوا اگر کسی دروازے سے ہونا ہے تو وہ یہی ہے۔

دوسرے جملے میں 'رب العرش العظیم' کی صفت کا حوالہ دیا گیا ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ 'وہ عظیم اقتدار کا مالک ہے'۔ اقتدار کی عظمت خود قرآن مجید میں اس طرح بیان ہوئی ہے کہ 'وسع کرسیه السمٰوات و الارض' (آیت الکرسی) اس کا اقتدار اور بادشاہی زمین و آسمان پر پھیلی ہوئی ہے۔ اور دوسرے موقع پر یہ بھی بیان ہوا ہے کہ کوئی پتا بھی اس کے علم کے بغیر نہیں گر سکتا۔ یعنی اس کا اقتدار پوری کائنات پر محیط ہے۔ کوئی مشکل اس کے حکم کے بغیر نہ کسی کے گھر اتر سکتی ہے اور نہ اسے پریشان کر سکتی ہے۔ اور کوئی کسی اور کے دروازے سے کیسی ہی دادرسی پا لے، اور کیسی ہی توقعات اس سے وابستہ کر لے، اگر اللہ کا حکم نہ ہو تو وہ مشکل حل نہیں ہو سکتی۔

تیسرے جملے میں اس اقتدار کی وسعت کو 'رب السمٰوات و الارض' کے الفاظ سے بیان کیا ہے۔ یہ اقتدار ربوبیت کی نوعیت کا ہے۔ ربوبیت میں پرورش اور نگہداشت کا مفہوم بھی موجود ہے۔ کرب و تکلیف کے موقع پر اس صفت کا حوالہ دے کر نگہداری کے تقاضے کی طرف توجہ دلانا مقصود ہے کہ اللہ ہماری نگہداری کرے اور تکلیف دور فرمائے اور اس طرح زمین و آسمان کی بادشاہی سے مراد یہ ہے کہ اس کا اقتدار ہر شے پر ہے، اس لیے وہ ہر طرح سے ہماری مدد کر سکتا ہے۔ اس لیے خدا کے حوالے سے اس جملے سے امید پیدا ہوتی ہے۔

'رب العرش الکریم' میں اس اقتدار کی فیض رسانی کا حوالہ ہے۔ اس حوالے سے مقصود یہ ہے کہ خدا کی فیض رسانی ہمیں اس مشکل سے نکالنے کے لیے حرکت میں آئے اور ہمیں اس کرب سے نجات دے۔ گویا 'رب السمٰوات و الارض' سے مراد یہ ہوا کہ ہم پر جتنی مشکلیں آتی ہیں ان کے مقابلے میں اس کا اقتدار ایسا نہیں ہے کہ اس کی رعایا مشکلوں میں پڑی رہے اور بھوکوں مرتی رہے اور اس صاحب اقتدار کے پاس ان کا کوئی حل موجود نہ ہو اور 'رب العرش الکریم' سے مراد یہ ہے کہ وہ ایک کریم ذات کی بادشاہی ہے، جس کی فیض رسانی عام و خاص کے لیے جاری ہے اور جو

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

عالمین کا فیض رساں رب ہے۔ یہ جملے بھی تسلی کے مضمون کے حامل ہیں اور ایک ایسی تسلی اپنے اندر رکھتے ہیں کہ کرب و تکلیف کا احساس اس دعا کے اختتام کے ساتھ ہی دل میں جاگزیں ہو جاتا ہے۔

[۱۹۹۹ء]

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

غصے کے موقع پر دعا

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ.

میں شیطان رجیم سے اللہ کی پناہ چاہتا ہوں۔

دعا کی وضاحت

یہ دعا ہم برے خوابوں کے حوالے سے پہلے بھی پڑھ چکے ہیں۔ اس لیے اس کے معنی پر ہم یہاں بات نہیں کریں گے۔ صرف اس موقع کی مناسبت سے ہم دیکھیں گے کہ اس موقع کے ساتھ اس کا کیا تعلق ہے۔

حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صاحب کو گالیوں کے جواب میں گالیاں دیتے سنا تو فرمایا کہ اگر یہ کلمات کہتا تو اس کا یہ غصہ رفع ہو جاتا جس کی وجہ سے وہ گالیاں دے رہا ہے۔

غصہ حق کی حمایت اور غیرت میں بھی ہو تو وہ بھی اگر اخلاق، شریعت اور قانون کی حد سے تجاوز کر جائے تو ٹھیک نہیں ہے، لیکن اگر غصہ بندۂ مومن کے خلاف ہو اور اس سطح تک چلا جائے کہ وہ

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

اسے گالیاں دینے لگے تو یہ فسق ہے جس کا آدمی نے ارتکاب کر لیا۔قرآن مجید نے دوسروں کے برے نام رکھنے سے روکا ہے۔گالی اس کی بدترین شکل ہے۔

ظاہر ہے، اللہ کی نافرمانی فسق ہے۔ایسا عمل شیطان کی اکساہٹ ہی کا نتیجہ ہو سکتا ہے، اس لیے جب آدمی کا غصہ اس سطح تک پہنچ جائے تو پھر اسے شیطان کے اثر سے باہر آنے کے لیے اللہ کی مدد مانگنی چاہیے، جو یہاں اس دعا میں مانگی گئی ہے۔

[۱۹۹۹ء]

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."